وجۂ تَخلیقِ کائنات، رحمۃً للعالمین، خاتم النبیینؐ
سے متعلق

قرآن ہی کو تختۂ مشق بنا کر پھیلائے ہوئے

مغالطے
اور
موشگافیاں

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

وجہِ تخلیقِ کائنات، رحمۃً للعالمین، خاتم النبیینؐ سے متعلق

قرآن ہی کو تختۂ مشق بنا کر پھیلائے ہوئے

مُغالطے

اور

مُوشگافیاں

ماخوذ : احسن التعبیر ،بیان الامامت ، مرکز انسانیت

(الفقیہ الحکیم السید محمد اَحسن زیدی (مجتھد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1۔	ابتدائیہ	1
2۔	کتاب اور ایمان سے (معاذ اللہ) لاعلم نبیؐ	5
3۔	تمہارے جیسا خطار کار بشر (آدمی)؟	21
4۔	رجس سے پاک وطاہر لائقِ درود وسلام اہلؑ بیت کون؟	31
5۔	ذنب واستغفار (گناہگار و قصوروار اور بخشش کا طلبگار نبیؐ (معاذ اللہ)	57
6۔	عفو۔ عفا۔ معاف (غلط کار اور معافی کا طلب گار رسولؐ (معاذ اللہ)	63
7۔	محمدؐ کے بندے یا اللہ کے بندے؟ نجات کی بشارت	68
8۔	اللہ تمام کائنات کا رب، لیکن محمدؐ صرف دنیا کے محدود انسانوں کے لئے رحمت؟ رب العلمین ، رحمة للعلمین ،نذیر للعلمین	74
9۔	مستقل انعام یافتہ حضرات جو کبھی بھی معتوب اور گمراہ نہیں ہوئے	78
10۔	غیر تربیت یافتہ، نزول وحی اور منصب نبوت ورسالت کیلئے غیر موزوں رسولؐ (معاذ اللہ)	83
11۔	گھٹیا معنی اختیار کر کے توہین رسولؐ کی گنجائش نکالنا۔ ناپاک وپلید لباس والا (معاذ اللہ)	102
12۔	محمدؐ وآل محمدؐ کا دنیا سے غربت، مفلسی، بے بسی، بے کسی مٹانے کا نظام	111
13۔	محمدؐ وآل محمدؐ کا نظامِ زکوٰۃ	119
14۔	اُمت مسلمہ میں مسلم رسولؐ۔ آپؐ کے آباؤ اجداد ہرگز کافر نہ تھے	124
15۔	اَن پڑھ نبیؐ (معاذ اللہ)	129
16۔	اقرباء پروری۔ یا۔ مقرر شدہ واجب الاداحق، حکم خداوندی خلافت الٰہیہ والمودۃ	133
17۔	شوریٰ ونظام مشاورت	171
18۔	مدبرات الامور۔ فرشتے یا محمدؐ وآل محمدؐ؟	182

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
19۔	نبیؐ کی تبلیغِ دین میں ترش روئی اور بے رُخی (معاذ اللہ)	191
20۔	شافع محشر، شفیع المذنبین	200
21۔	کلمات اللہ محمدؐ وآلِ محمدؐ	207
22۔	وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰیO(93/7)	220
23۔	معاذ اللہ وحی کے وصول کرنے میں غلطیاں کرنے والا اور قرآن سے قطعاً نابلد رسولؐ۔ قرآن مکمل نازل ہوا	247
24۔	قرآن مجید الفاظ کی صورت میں بھی مکمل نازل ہوا	255

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O

لا یمکن الثّنا کما کان حقہٗ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اوّلین مخلوق نورِ محمدؐی اور اجزائے نورِ محمدؐی کی تخلیق و تربیت اس انداز سے کی کہ کائنات کی کسی چیز سے اللہ کا مکمل تعارف کرانے میں انہیں تنگیٔ داماں کا احساس تک نہ ہو سکے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جو وجودِ الٰہیت کی دلیل ہیں۔ اسی لئے اُن کو دیکھنا، اللہ کو دیکھنا ہے۔ اُن کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ اُن کی قدرتیں، اللہ کی قدرتیں ہیں۔ اُن کا بولنا، اللہ کا بولنا ہے۔ اُن کی مشیت وارادہ، اللہ کی مشیت وارادہ ہے۔ وُہ علومِ خداوندی کا ذخیرہ ہیں۔ اُن کے لئے فرمایا گیا کہ غیب کی باتیں بتانے میں کنجوس و بخیل نہیں ہیں (81/24) وُہ الطاہر والمطہر ہیں (33/33)۔ وُہ غیر المغضوب ہیں۔ اور وُہ کبھی کسی حال میں بھی گمراہ نہیں ہوئے (سورہ فاتحہ)۔ وُہ تمام کائنات پر شاہد ہیں اور اُن کے لئے فرمایا گیا ہے کہ تم کچھ چاہتے ہی نہیں جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے (81/29)۔

مختصراً یہ کہ تمام حضرؐات اپنے اپنے کردار میں بھی مظہر العجائب تھے اور اجتماعی طور پر بھی ناقابل فہم تھے۔ اس کے برعکس نظامِ اجتہاد واجماع نے اپنی تواریخ وتفاسیر وروایات میں ایسا رسوؐل پیش کرنے کی کوشش کی تھی اور آج تک کوششیں جاری ہیں کہ جو معاذ اللہ کافروں اور مشرکوں کی اولاد تھے۔ جو کبھی بھی پورے قرآن کے عالم نہ تھے۔ جن کا کوئی حکم پوری قرآنی تعلیم کو مدنظر رکھ کر نہ دیا گیا تھا۔ جو وحی کے لئے معاذ اللہ ایک ریڈیو سیٹ کی طرح تھے جو قرآنی علم میں ہمیشہ اُمت کے برابر رہتے چلے گئے تھے اور تئیس (23) سال میں پورے قرآن کے عالم بنے تو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جن کا ذاتی حکم دانشورانِ قوم

کے لئے ماننا واجب نہ تھا۔ اور قوم میں ایسے مقربِ خدا افراد موجود تھے جو وحی آنے سے بھی پہلے نبیؐ کو وحی کا پیغام و مقصد سنا دیتے تھے (تاریخ الخلفاء)۔ جن کے احکام میں زعمائے قوم بار بار غلطیاں ثابت کرتے رہے۔ جو وحی کی تلاوت کے علاوہ ہر قول و فعل میں غلطی کر سکتے تھے۔ آپؐ کی رحمت کو عالمین کے بجائے کرہ ارض (یعنی زمین) تک محدود کر دیا۔

اس خانہ ساز مذہب نے یہ تصور دے کر بھی فریب دیا کہ قرآن تئیس (23) سال میں رفتہ رفتہ رسوؐل اللہ کو پہنچایا گیا تھا اور آپؐ (معاذ اللہ) اعلانِ بعثت کے بعد تئیس سال تک پورے قرآن کے عالم نہ تھے۔ یہ فریب اس لئے دیا گیا تھا کہ آنحضرتؐ کو اور قریشی صحابہ کو علوم قرآن میں برابر رکھا جا سکے یعنی جتنی آیات نازل ہوتی جاتی تھیں وہ سب کو یاد ہو جاتی تھیں۔ اور جب تک دوسری کھیپ نازل ہو، رسوؐل اور قرآن سننے والوں کا علم برابر رہتا تھا اور برابر برابر رہتا چلا گیا۔ حتٰی کہ پورا قرآن نازل ہو گیا۔ تب بھی صحابہ اور رسوؐل کا علم برابر رہا اور اس فریب کو مان لینے سے یہ بھی ماننا ہوگا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کا کوئی حکم ایسا نہ تھا جو قرآن کے پورے علم یا تعلیماتِ قرآن کی پوری روشنی میں دیا گیا ہوتا۔ یعنی احکام رسوؐل میں کوئی قرآنی ربط نہ تھا۔ اس سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ رسوؐل کے جس حکم کو جب چاہا ناقابل عمل قرار دے دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ صحابہ نے پوری تعلیمات قرآن کو مدنظر رکھ کر احکام نافذ کئے تھے اور رسوؐل کا حکم ایک خاص محدود حالت کے لئے تھا، مستقل حکم نہ تھا (اس فریب کی دھجیاں اُڑانے کے لئے سورۃ قدر، سورہ بقرہ 2/185، سورہ دخان 44/1-6 فیصلہ کُن جواب پیش کرتی ہیں)

یہ بھی مشہور کیا کہ آپؐ خاندانی اقتدار کی محبت میں مبتلا رہتے چلے گئے۔ آپؐ پر جذبات و انسانی میلانات غالب آجاتے تھے۔ آپؐ کو اللہ کے احکام کے خلاف عمل سے

روکنے کے لئے صحابہ کو سختی سے کام لینا پڑتا تھا۔آپؐ کو معاذ اللہ، اللہ کے احکامات کے خلاف عمل درآمد پر سزائیں ملنا اور اس جیسی دوسری خرافات کو اپنی ملعون تفاسیر میں ثابت کیا ہے۔ یہ سب اس لئے بھی تھا کہ قرآن ان کے نزدیک ایک ایسی کتاب تھی جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر تھی جس میں ایسی عبارتیں ہیں جن کے کئی کئی معنی کئے جا سکتے ہیں جس کے بیان مشتبہ اور مشکوک بھی ہیں۔جس کے احکام کو قومی وملکی مصلحتوں کے ماتحت بدلا جاسکتا ہے۔

ان معصوم و برگزیدہ ہستیوںؑ کو مقام بلند سے گرا کر خاطی انسانوں کے برابر لا کھڑا کرنے کے پیچھے صرف ایک تحریک کارفرما تھی اور وہ تحریک اب بھی جاری ہے وہ یہ کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے خاطی بزرگوں کو معصومؑ ہستیوں کی مسند پر بٹھایا جا سکے۔حکومت و اقتدار و اختیارات کی خاطر ایک معصوم نظام کو خاطی نظام میں تبدیل کر دیا گیا۔اس کے لئے دین و دیانت ایک طرف، جہنم کا ایندھن بننا بھی قبول کر لیا گیا۔

قارئین کرام آپ کے سامنے اس تحریری مواد میں وہ چند آیات پیش کریں گے جن کو بنیاد یا تختہ مشق بنا کر ان مترجمین و مفسرین نے وہ غیر معیاری معنی اختیار کئے جو ان کی گھٹیا ذہنیت اور ان کے مذہبی تصورات کی تائید کرتے ہیں۔رسالتؐ مآب کی توہین کرنے کے لئے مصدر و مادہ کی پابندیوں کو چھوڑ کر، ڈکشنریوں میں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر غیر موزوں، بے ہنگم، گھٹیا اور ادنیٰ ترین معانی لکھے اور اختیار کئے گئے اور حد یہ کہ ابلیسی وحی کے تحت ڈکشنریاں ولغات گھڑیں جو آج بھی رائج الوقت ہیں۔

مثال کے طور پر سورہ مدثر کو ہی دیکھیں کہ ان دشمنانِ دین نے رسولؐ اکرم کو ان کے بلند مقام سے نیچے اُتار کر ہی صبر نہیں کیا بلکہ ایک شائستہ اور عقل مند و نفاست پسند آدمی

کی سطح سے گرا کر ایک گندے، گھناؤنے اور بد بودار راہب، بُت پرست اور جاہل مطلق آدمی کی صورت میں پیش کیا (لاحول ولاقوۃ اِلا باللہ العلی العظیم)

اللہ وامام العصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے اُمت مسلمہ کو محفوظ رکھیں۔ آمین ثم آمین، بحق معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

کتاب اور ایمان سے (معاذ اللہ) لاعلم نبیؐ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ وَ لٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ O (سورۃ الشوریٰ آیت 52)

ترجمہ شاہ رفیع الدین:

’’اور اسی طرح وحی کی ہم نے طرف تیری روح کو حکم اپنے سے نہ جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ولیکن کیا ہم نے اس کو نور ہدایت کرتے ہیں ساتھ اس کے جس کو چاہتے ہیں بندوں اپنے سے اور تحقیق تو البتہ ہدایت کرتا ہے طرف راہ سیدھی کی‘‘ (42/52)

قارئین کرام پوری سورۃ الشوریٰ میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کے دشمنوں اور اُن دشمنوں کے بزرگ راہنماؤں وعلما کو کافر و فاسق اور ظالم اور لیڈر پرست ناشکرے اور تحریفِ قرآن کرنے والے کہا گیا ہے۔ اسی سورۃ شوریٰ میں ان لوگوں کو ایک آیت (42/52) ایسی مل گئی کہ جس کی آڑ میں رسولؐ اللہ کو اپنے بزرگوں کی سطح پر لا کر اپنے بزرگوں کی مانند کم از کم کافر و جاہل اور ایمان سے بے بہرہ ثابت کرنے کا موقع مل گیا۔ تفصیل کے لئے علامہ مودودی کا کفر ساز ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ مودودی کا کفر ساز ترجمہ: ’’اور اسی طرح (اے محمدؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر رہے ہو‘‘

انتہائی افسوس ناک صورتحال، تمام شیعہ وسُنّی مترجمین متفق ہیں۔

قارئین کرام کسی بھی ترجمہ کو اُٹھا کر دیکھ لیں آپ کے تمام شیعہ وسُنّی مترجمین تقریباً یہی کچھ ترجمہ کرتے ہیں جو علامہ صاحب نے کیا ہے اور ان سب ترجموں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے نزول سے پہلے چالیس سال تک:

1۔ نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے؟

2۔ نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہوتا ہے؟ لہٰذا

3۔ نہ آپؐ مومن تھے نہ تعلیماتِ خداوندی پر مطلع تھے۔ لہٰذا

4۔ چالیس سال کے عرصہ تک آپؐ (معاذ اللہ) بے دینی کی زندگی جیتے رہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (2/156)

جو لوگ مذکورہ آیت (42/52) کے مندرجہ بالا تراجم کو صحیح مانتے ہیں ان کے لئے آنحضرتؐ کی شان میں یہ چاروں نقائص ماننا لازم ہیں۔ چنانچہ شیعہ سُنی علما کی کتابیں ایسی بکواس سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کریم کو آڑ بنا کر کوئی غلط مفہوم برآمد کرنے کے لئے قریشی ترکیب استعمال کرنا ضروری ہے۔ جس طرح قریشی علماء تقویٰ کے معنی ڈرنا کر لیتے ہیں، خوف کے معنی بھی ڈرنا لکھ دیتے ہیں، تنذیر بھی ڈرانا بنا دی جاتی ہے، رَھْبٌ کا ترجمہ بھی ڈرنا کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح علم کے معنی جاننا کئے جاتے ہیں افہام وتفہیم کا ترجمہ بھی جاننا کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا الفاظ، اَدْرِیْ، تَدْرِیْ، دِرایت کو بھی جاننے کے معنی میں استعمال کر لیا گیا ہے یعنی قریشی ترکیب یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کے معنوی استقلال کو برباد کر کے جس لفظ کو جہاں دل چاہے استعمال کر لیا جائے۔ لہٰذا اس آیت (42/52) میں لفظ تَدْرِیْ کے معنی، 1۔ جاننا، 2۔ پتا ہونا۔ 3۔ خبر ہونا۔

4۔اطلاع ہونا، کئے گئے ہیں۔اس لئے شیعہ سُنّی علماء نے قریشی طریقہ کے مطابق وہ ترجمہ کیا جو آپ نے پڑھا اور جس کی وجہ سے حضوؐر کی قدر و منزلت خاک میں ملا دی۔ بہرحال ہم حسبِ سابق یہاں بھی آپ کے سامنے اس لفظ ''تَدْرِیْ'' کے معنی رکھتے ہیں۔

اگر پہلے ہی سے قرآن کی تکذیب مدنظر نہ ہو تو حقیقتِ واقعی تو ایک لفظی اشارہ پر سامنے آجاتی ہے۔

چنانچہ اُردو میں لکھی ہوئی آج تک کی سب سے معتبر و مفصل ''لُغات القرآن'' کا بیان سُنئے:

نَـدْرِیْ۔جمع متکلم مضارع۔دِرَایَۃٌ۔مصدر۔باب ضَـرَبَ ۔معنی ہم (نہیں) جانتے۔ (25/20،29/11)

دِرَایَۃٌ کسی قدر چالاکی سے پہچان لینا، جان لینا (باب ضَـرَبَ) متعدی ہے۔ دَرَی ماضی یَدْرِی مضارع۔دِرَایَۃٌ۔نیزہ بازی کا تختہ مشق۔دِرَایت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ ہر چالاکی سے پاک ہے۔ایک شاعر نے ضرور اللہ کو داری کہا۔ لَاھُمَّ لَا اَدْرِی وَاَنْـتَ الدَّارِیُ ''الٰہی میں نہیں جانتا اور تو جاننے والا ہے'' لیکن بقول راغب اصفہانی یہ شاعر اُس طبقہ میں سے ہے جس کا استعمال نا قابل قبول ہے۔مزید تنقیح کیلئے دیکھو۔اَدْرِیُ ۔ اَدْرَاک .تَدْرِی''

(لغات القرآن مولانا سید عبدالدائم الجلالی رفیق ندوۃ المصنفین دھلی جلد 6 صفحہ 34)

عام لغت جسے قرآن کے الفاظ سے نہیں بلکہ پوری عربی زبان سے تعلق ہے۔

گو لغات القرآن کا یہ اقتباس کافی ہے لیکن ہم جھوٹوں کو گھر تک پہنچا کر چھوڑا کرتے ہیں۔ ایک اور صفحہ ملاحظہ فرمائیں:

''(دَرَی۔دَرْیًا۔دِرَایَۃً)(ترکیب سے جان لینا،سمجھ لینا،یا کسی حیلے سے جاننا)
(دَرَی۔دَرْیًا۔وتَدَرّی۔واَدَّرَی)الصید(شکار کو)دھوکا دینا۔فریب دینا۔دم دینا۔
(دَارَی مُـدارَاۃً) مہربانی کا برتاؤ کرنا۔نرمی کرنا۔جُل دینا۔دَم دینا۔دغا کرنا۔دھوکا دینا۔بہکانا۔چالبازی کرنا''(المعجم الاعظم جلد2 صفحہ 909)

انگریزی ترجمہ کرنے والوں کو بھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

قریشی انتظام نے انگریزوں ،فرانسیسیوں اور جرمن مترجمین کو بھی اِسی ڈگر پر چلایا ہے۔یعنی وہ اس احساسِ کمتری میں مبتلا رہے کہ عرب اہل زبان ہیں جو معنی اور ترجمہ کریں گے عین عربی محاوروں اور قوانین کے مطابق ہوگا۔کاش انہیں کوئی بتاتا یا انہوں نے خود غور کرلیا ہوتا کہ عرب ہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تکذیب (6/66) کیلئے اسے ترک وتبدیل ومہجور کیا تھا(25/30)اور خود اپنے رسوؐل اور اولادِ رسوؐل کے ساتھ غداری اور سازش جاری رکھی تھی ان کے نام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا مکمل بندوبست اور اقدامات کئے تھے۔بہرحال ایک آخری صفحہ اور دیکھ لیں:

دَرَی،دَرْیًا،دِرْیَۃً،ودَرَیَانًا،ودُرِیًّا،ودِرَایَۃً:

1۔ عقل وبصیرت کے استعمال سے جان لینا۔ To know by skill

2۔ دَرْیًا۔بالوں میں کنگھی کرنا۔ To comb hair

(کھیل وغیرہ میں)دھوکہ دینا To delude (game)

3۔ دَارَی مُدَارَاۃً

i۔ چاپلوسی کرنا،خوشامد کرنا۔ To blandish anyone

ii۔ کسی کے ساتھ فریب سازی کرنا۔ To act deceitfully towards

4۔ تَدَرَّی و اَدَّرَی

گھات میں رہنا ،تاک میں رہنا ، To lurk for prey .

چھپ کر دیکھنا۔ Rev.J.G.Hava

الفرائد الدرية ،اللغتين العربيه و الانكليزية صفحه 200)

اللہ نے کیا فرمایا اور قریشی علما نے کیا فریب دیا؟

یہ تین ڈکشنریاں آپ کے سامنے ہیں اور بتاتی ہیں کہ مادہ ''د۔ر۔ی'' میں صرف جاننے یا جان لینے کا تصور نہیں ہوتا۔ بلکہ مادی ومحسوس ذرائع کے نہایت ہوشمندانہ ومحققانہ استعمال کے بعد کسی چیز کی حقیقت کو اس طرح اُجاگر کر لینا کہ اس پر دلیل وحُجت قائم کی جا سکے۔

آیت (42/52) کا مفہوم وترجمہ درست کر لیں اور فرق نوٹ کر لیں:

اللہ نے فرمایا تھا کہ:

''اِن تینوں طریقوں کو بحال رکھنے کے لئے ہی تو ہم نے اپنے عالمِ اَمر سے ایک روح آپؐ کو وحی کر دی تھی ۔آپؐ ذاتی طور پر مادی وسائل اور بصیرت و چالاکی سے الکتاب اور الایمان کو نہ جان سکتے تھے۔لیکن ہم نے اپنی اَمری روح کو ایسا نور بنا دیا کہ تم مکمل درایۃ کے ساتھ مادی ومحسوس طریقہ پر بھی الکتاب اور الایمان کے عالم ومعلم بن گئے ۔اب تمہارے پاس وہی نور ہے جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور درحقیقت تمؐ ہی تو وہ ہادی ہو جو ایک پائیدار اور برقرار رہنے والے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔یعنی اسی اللہ کے راستے کی طرف ہدایت کرتے ہو جس کے لئے آسمانوں اور زمینوں میں کی ہر مخلوق ہے۔اور خبردار رہو کہ تمام معاملات واحکامات اللہ ہی

کی طرف پھیر کر لائے جائیں گے‘‘(42/52-53)

قارئین ! مادہ ’’ د۔ر۔ی‘‘ سے بننے والے الفاظ آٹھ مختلف شکلوں میں انتیس (29) مقامات پر قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ یُدْرِیْکَ 80/3,42/17,33/63 (3)

2۔ نَدْرِیْ 72/10,45/32 (2)

3۔ تَدْرِیْ 65/1,42/52,31/34,31/34 (4)

4۔ تَدْرُوْنَ 4/11 (1)

5۔ اَدْرٰکَ 83/19,83/8,82/18,82/17,77/14,74/27,69/3, (13)
104/5,101/10,101/3,97/2,90/12,86/2

6۔ اَدْرٰکُمْ 6/16 (1)

7۔ اَدْرِیْ 72/25,46/9,21/111,21/109 (4)

8۔ اَدْرِ 69/26 (1)

کُل آیات 29

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ان تمام مقامات پر اس لفظ کا مصدری مفہوم وترجمہ درست فرمالیں۔

آیت (42/52) آنحضرتؐ کے نبوّتی مقام کو انتہائی حدود تک بلند اور مخصوص کرتی ہے۔

ایک لفظ کے معنی درست کر لینے کے بعد وہ تمام شیطانی تعمیر مسمار ہوگئی جو تقریباً تمام علما نے چودہ سو سال سے تیار کی تھی۔اور جس میں علامہ مودودی نے بھی یہ فرما کر چند اینٹوں کا اضافہ کیا تھا کہ:

''اِسی طرح (کَذٰلِکَ) سے مراد محض آخری طریقہ نہیں بلکہ وہ تینوں طریقے ہیں جو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئے ہیں اور ''روح'' سے مراد وحی یا وہ تعلیم ہے جو وحی کے ذریعہ سے حضورؐ کو دی گئی'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 517)

وہ بات جو کسی رسولؑ کو حاصل نہ تھی ایک روح کا مستقلاً حضورؐ سے وابستہ رہنا۔

سب سے پہلے اللہ نے لفظ کَذٰلِکَ فرما کر یہ بتا دیا کہ جس طرح اور جتنا مخاطبہ تمام انبیاء علیہم السلام سے رہتا تھا اسے بدستور برقرار رکھنے کیلئے ایک روح بطور وحی ارسال کی گئی تھی۔ حالانکہ سابقہ انبیاؑء میں سے کسی پر کوئی روح مستقل طور پر نہیں بھیجی گئی تھی۔ لہٰذا آیت (42/51) کی رُو سے اس روح کا بھیجا جانا ان تینوں طریقوں سے علیحدہ اور افضل تھا یعنی اللہ آنحضرتؐ پر انبیاءؑ کی طرح براہ راست وحی بھی کرے گا اور حجاب کے ذریعہ ہم کلام بھی ہوتا رہے گا اور فرشتہ بھیج کر بالواسطہ وحی بھی بھیجے گا اور یہی تین طریقے ہیں جن کا علامہ نے اوپر ذکر کیا ہے لہٰذا ان تینوں طریقوں کی موجودگی میں رسولؐ اللہ سابقہ انبیاءؑ کے برابر ہو جاتے ہیں مگر عالم امر سے بھیجی ہوئی روح حضورؐ کے پاس زیادہ ہے جسے چھپانے کے لئے علامہ نے اس روح کو وحی بنا دیا اور اس آیت کی تمہید کو بے معنی کر دیا۔ اس لئے کہ اللہ نے تو یہ فرمایا تھا (بقول علامہ کے) ''اسی طرح (اَے محمدؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی''

چونکہ اس روح کو علامہ نے وحی بنا دیا لہٰذا اب پھر بقول علامہ آیت یوں ہوگئی کہ:

''اِسی طرح (اَے محمدؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک وحی کو تمہاری طرف وحی کی'' یہ ہے وہ مثالی بکواس جو علامہ حضرات مقامِ محمدیؐ کو چھپانے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ بہرحال اللہ نے باقی انبیاءؑ کے لئے تو یہ فرمایا ہے کہ:

''مُلاقات کے دن سے خبردار کرنے کے لئے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں اپنے عالمِ اَمر کی روح سے ملاقات کرادیتے ہیں''

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِO (سورہ مومن 40/15)

مگر یہ نہیں کہا کہ بطورِ روحی بھیج دیتے ہیں اور پھر وہ اَمری روح ایک نور کی صورت میں ساری کائنات اور متعلقات کو اس طرح روشن و نمایاں رکھتی ہے کہ الکتٰب اور الایمان کی طرح ہر موجودات دلیل و بُرھان کے ساتھ ہر وقت سامنے رہیں اور کوئی مادی حجاب آڑ نہ بن سکے۔

یہاں نہ اعلانِ نبوت کی بات ہے نہ نزول قرآن کی ابتدا ہے نہ چالیس سال کی عمر کا قصہ ہے۔فرضی بکواس ہے۔

قارئین پلٹ کر ذرا آیت (42/52) کو اور اس کے ترجموں کو دوبارہ دیکھیں اور تلاش کریں کہ کہیں کسی لفظ سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ یہ آیت نزولِ وحی کی ابتدا بتاتی ہے۔یعنی آیت کا مضمون ابتدائے نبوت بتاتا ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ وہاں تو حضوؐر کو اللہ اپنے معیار کے مطابق وہ ہستی مانتا ہے جو یقیناً صراط مستقیم کی طرف ہدایت میں مصروف ہے۔ یعنی آپؐ نے ہدایت کی ابتدا نہیں کی ہے بلکہ مسلسل ہدایت کرتے چلے آرہے ہیں۔لہٰذا قارئین سُن لیں کہ اس آیہ مبارکہ میں صرف یہ خبر دی گئی ہے کہ حضوؐر کے ساتھ ایک عظیم الشان روح ہے جس سے ساری کائنات روشن ہے اور آپؐ سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔لہٰذا یہ کہنا یا سمجھنا کہ یہاں نزولِ قرآن کی بات ہوئی ہے اور یہ کہ نزولِ قرآن کی ابتدا چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اور یہ کہ قرآن سے رسوؐل اللہ کو ایمان اور کتاب کا پتہ چلا تھا اور یہ کہ چالیس سال تک حضوؐر ایمان اور کتاب کو نہ جانتے تھے، محض شیطانی اوہام ہیں جن کا اس آیت سے یا قرآن کی کسی اور آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مومنین اس روح والی آیت میں آپ اپنے آقاؑ و مولاؑ، قرآن ناطق اور کُلِ ایمان علیہ صلوٰۃ والسلام کو نہ بھول جائیں۔

اس آیت میں الکتابؑ یعنی مکمل کتاب اور الایمانؑ یعنی مجسمہ ایمان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ تُو مادّی و محسوس و مشہود دلائل یا درایت کے ساتھ اس کو نہیں جانتا جس کے یہ دونوں نام ہیں یعنی قرآن ناطقؑ اور بَرَزَ الْاِیْمَانُ ؑ کُلُّہٗ اور اس سے پہلی آیت (42/51) میں اس بھیجے جانے والے رسوؑل کا نام صاحبِ حکمت علیؑ بتایا ہے۔ جو تمام انبیاءؑ کو وحی خداوندی کے ذریعہ اللہ سے مربوط رکھتا ہے (42/51) لہٰذا بات ڈبل طریقہ پر واضح ہے کہ روحِ خداوندی نورِ خداوندی تھا اور الکتاب والا ایمان علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور یہ سب ایک ہی ہیں، نام بھی ایک کام بھی ایک۔

قرآن میں ان حضرؑات کو ازلی و ابدی مجسمہءِ ایمان لکھا ہوا موجود ہے۔

اور یہ سب وہ حضرؑات ہیں کہ جن کے دلوں کے اندر اللہ نے ایمان لکھا ہوا ہے اور اسی بنا پر انہیں ایمان مجسم کہا جاتا ہے۔ سُنئے ہم علامہ کا ترجمہ لکھتے ہیں:

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت (یُوَآدُّوْنَ مَوَدَّۃ) کرتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسوؑل کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ (مخالفت کرنے والے) ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے (رُوحٍ مِّنۡہُ ۔ اپنی روح) ان کو قوت بخشی'' (سورہ مجادلہ 58/22، تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 367-366)۔

رسوؐل سے ایمان کی نفی کرتے ہیں لیکن قرآن سے ثابت شدہ پیدائشی کافروں اور دشمنوں کو ازلی مومن لکھا ہے۔

ذرا سوچئے کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان بھر دیا یا لکھ دیا ہو وہ کیوں اور کیسے مشرک پیدا ہو کر چالیس سال کی عمر تک بت پرستی اور حرام خوری جاری رکھ سکتے تھے؟ لیکن علامہ کی عقیدت کا تقاضا ہوا کہ انہوں نے اپنے تمام مشرک مسلمانوں کو اس آیت کی ذیل میں نام بنام لکھ دیا ہے۔ یعنی

1۔ابوعبیدہ۔2۔مُصْعَب بن عُمیر۔4۔ابوبکرؓ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 367)

کوئی ہمیں یا کسی اور کو بتائے کہ ان حضرات کے ساتھ کون سی روح تھی؟ کسی جھوٹی روایت میں بھی ان لوگوں نے ایسا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا کہ ان کے ساتھ کوئی خداداد روح ہے۔ اس کے برعکس تاریخ میں یہ حقیقت بڑے نمایاں طور پر جلی قلم سے لکھی ہے کہ ابوبکرؓ نے کہا کہ:

''لوگو! مجھ پر ایک شیطان مسلط رہتا ہے'' اور بخاری حدیث حوض میں لکھا کہ یہ تمام اصحاب حوض سے دھکے مار کر نکالے جائیں گے۔ رسوؐل اللہ پکار رہے ہوں گے ''خدایا یہ تو میرے اصحاب ہیں'' جواب ملے گا کہ: 1۔اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَابَدَّلُوْا بَعْدَکَ۔2۔لَا تَدْرِیْ مَااَحْدَثُوا بَعْدَکَ۔(بُخاری کتاب الفتن جلد 2 صفحہ 1045 مطبع اصح المطابع)

1۔یقیناً اَے رسوؐل اب تمہیں محسوس و مشہود دلائل سے یہ معلوم نہیں کہ تمہارے بعد تمہارے ان صحابہ نے کیا کیا تبدیلیاں دین میں کیں یا (2) کیا کیا دین میں ایجادات کیں؟ (یہ لَا تَدْرِیْ کا جواب ہے)

لَا تَدْرِی مادی زمانہ کی بات تھی ہی نہیں۔ظہور سے پہلے اور انتقال کے بعد کی بات ہے۔

قارئین بخاری کی یہ دونوں حدیثیں لفظ'' مَاتَدْرِی'' کے معنی کا تعین کرنے میں

آپ کو مدد دیتی ہیں۔یعنی رسوؐل کے انتقال کے بعد چونکہ رسوؐل اپنے بعد کے زمانہ کے لئے مادّی ومشہود دلائل کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ تم نے ایسا اور ایسا کیا تھا اس لئے اللہ نے فرمایا کہ ماتَدْرِیْ یا لَا تَدْرِیْ ''تم درایت کے ساتھ نہیں جانتے''

اسی طرح مادی جسم اختیار کرنے سے قبل کے عالم میں یعنی نورانی صورت میں فرمایا گیا تھا ماتَدْرِیْ مَاالکتٰبُ وَلَا الْاِیْمانٌ ..... ورنہ اعلان نبوت سے پہلے ہی رسوؐل کے ساتھ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں نہ صرف ایمان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا بلکہ قرآن کریم بھی دلوں کے اندر محفوظ تھا (24/49 عنکبوت) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''اَے نبیؐ (اب لکھنے پڑھنے سے پہلے) تم نہ تو قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور نہ اپنے دھنے ہاتھ سے قرآن کو لکھا کرتے تھے اگر تم ایسا کرتے ہوتے تو باطل پرستوں کو بہانہ مل گیا ہوتا۔لیکن تمہارا لکھنا پڑھنا تو ان لوگوں کے دلوں میں واضح آیات کی طرح ثبت ہے جن کو ہماری طرف سے ہمہ گیر و مکمل علم دیا جا چکا ہے۔اور ان لوگوں کے سینوں میں آیات کی موجودگی کی تردید ان لوگوں کے سوا کوئی نہیں کرتا جو اللہ کے خالص احکام نافذ کرنے کے مخالف ہیں (5/45 مائدہ) اللہ کے اس بیان کے بعد جہاں اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ محمدؐ وآل محمدؐ روز ازل سے مجسم کتاب اور ایمان تھے وہیں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو لوگ انہیں اعلانِ نبوت تک کتاب اور ایمان سے بے بہرہ سمجھتے تھے وہ لوگ ظالم یعنی اللہ کے خالص احکام میں یقین نہیں رکھتے تھے (29/48-49)

<u>رسوؐل وآل رسوؐل روزِ ازل سے نہ صرف اوّلین مخلوق اور مومن اور عالم تھے بلکہ وہ اوّلین عابد اور عبادت کے معلم تھے۔</u>

پھر قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ اسی پارہ نمبر 25 میں اللہ فرماتا ہے کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ. (زخرف 43/81)

''اَے رسولؐ ان کو بتا دو کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا عابد ہوں''، یعنی مجھ سے زیادہ اس حقیقت پر اور کوئی گواہ نہیں ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے''

قارئین سوچیں کہ پوری کائنات کی تمام مخلوقات اللہ کی عبادت کرتی ہیں (بنی اسرائیل 17/44) ان سب سے پہلا عابد لازم ہے کہ سب سے پہلا مسلم و مومن ہو (انعام 6/164) اور سب سے زیادہ عالم ہو۔

رسولؐ اللہ کے ایمان اور فضائل خصوصی طور پر لاتعداد احادیثِ معصومینؑ کا ثبوت موجود ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اللہ کی توحید و صفات اور ایمان و عبادات تمام مخلوقات کو تعلیم دیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ملائکہ اور ارواح انؑ کے بعد پیدا کئے جائیں انہیؑ ہستیوں سے ایمان و علم سیکھیں اور پھر وہ حضراتؑ ایمان و علم سے بے بہرہ ہو جائیں اور کوئی فرشتہ یا روح آ کر انہیں ایمان و کتاب کی تعلیم دے؟ یہ اگر دشمنانہ عمل درآمد نہیں تو احمقانہ ضرور ہے۔

محمدؐ مصطفیٰ کے فضائل حضرت عیسیٰؑ کی زبانی عرب و عجم میں مشہور و معلوم چلے آ رہے تھے۔ بائیس سو سال سے توریت اور چھ سو سال سے انجیل نے آنحضرتؐ کے متعلق دنیا کو خبردار کر رکھا تھا۔ بقول حضرت عیسیٰؑ، محمدؐ مصطفیٰ ہی روحِ حق اور روح القدس تھے (یوحنا کی انجیل باب 14، آیات 17-16)

موجودہ انجیلوں میں خصوصاً اور علامہ کی مصدقہ ''انجیل برناباس'' کے مطابق:

1۔ رسولؐ اللہ تمام انبیاؑ اور مقدس ہستیوں کا نور ہیں (باب 17)

2۔ انؑ کی جوتی کے تسمے کھولنا حضرت عیسیٰؑ کے لئے اعزاز تھا (باب 42)

3۔آپؐ رحمت للعالمین، نجات دہندہ اور حامل مہر (ختم) خداوندی ہیں۔(باب 43)

4۔آپؐ ہی کی زیارت کرنے والوں کو نبوّت ملی۔تمام انبیاؑ آپؐ کو دیکھتے اور تعظیم کرتے رہے۔آپ ہی مجسمہءِ خیر رسوؐل ہیں۔(باب 44)

5۔آپؐ کے سر پر سفید بادلوں کا سایہ رہنا اس کی بڑی شناخت تھی۔(باب 72)

6۔کائنات کی ہر مخلوق آنحضرتؐ کے لئے پیدا کی گئی تھی دنیا کی ہر قوم ہمہ گیر رحمت اور نجات دہندہ کی منتظر رہتی چلی آئی۔(باب 83,96)

7۔محمد مصطفیٰ ملکوتی شان میں رکھے جانے والے، جن کی لئے جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق تحفہ میں دی گئیں۔آپؐ کا نام گرامی بار بار ''محمدؐ'' بتایا گیا۔(باب 97)

8۔رسوؐل اللہ (اصل مسیحؑ) کی صداقت کے اقرار کی وجہ سے بطور انعام حضرت عیسیٰ کو زندہ رکھا گیا۔(باب 113) تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 474-471)

<u>ان پیش گوئیوں کی تصدیق علامہ کے قلم سے اور ہماری چند وضاحتیں ہمارے قلم سے۔</u>

یہ پیش گوئیاں نقل کرنے کے بعد علامہ مودودی فرماتے ہیں کہ:

''ان صاف اور مفصل پیشین گوئیوں میں صرف تین ایسی چیزیں ہیں جو بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں۔ایک یہ کہ ان میں اور انجیل برناباس کی متعدد دوسری عبارتوں میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے مسیح ہونے کا انکار کیا ہے دوسری یہ کہ صرف انہی عبارتوں میں نہیں بلکہ اس انجیل کے بہت سے مقامات پر رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل عربی نام ''محمدؐ'' لکھا گیا ہے حالانکہ یہ انبیاؑ کی پیشین گوئیوں کا عام طریقہ نہیں ہے کہ بعد کی آنے والی ہستی کا اصل نام لیا جائے۔تیسری یہ کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح کہا گیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 474)

یعنی ان تین باتوں کے علاوہ ان پیش گوئیوں میں نہ کوئی بات غلط ہے اور نہ نگاہ میں کھٹکتی ہے اس کے بعد علامہ نے ان تینوں باتوں کا جواب یہ کہہ کر دیا ہے کہ:

''1۔ پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔2۔ دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔ 3۔ تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''مسیح'' درحقیقت ایک اسرائیلی اصطلاح ہے۔۔۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 475-474)

یعنی علامہ نے ان تینوں باتوں کو تفصیل سے حقیقت ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ باتیں محض شبہات تھیں نہ یہ کہ حقیقت ان کے خلاف ہوتی یعنی حضرت عیسیٰؑ واقعی لفظ مسیح کے حقیقی معنی کی رُو سے مسیح نہ تھے بلکہ محمد ﷺ حقیقی مسیح تھے اور یہ کہ واقعی آنحضرتؐ کا نام لیا گیا تھا بعد کے ترجموں میں گڑبڑ کی جاتی رہی ہے (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 476-474)

علامہ کی تصدیقات کے بعد ہمیں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لئے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ تمام پیشین گوئیاں واقعی بہت صاف اور مفصل ہیں لیکن اتنا کہہ کر ثواب کے حق دار بننا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ کی مادی پیدائش سے چھ سو سال قبل فرما رہے ہیں کہ: ''یقین جانو! میں نے اُسے دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے'' ذرا سوچئے کہ حضرت عیسیٰؑ حضورؐ کو ان کی پیدائش سے کم از کم چھ سو سال پہلے دیکھنے اور تعظیم بجالانے کا اعلان کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو ذات پاکؐ اُس وقت موجود اور قابل تعظیم تھی کیا وہ ایمان سے بے بہرہ ہوسکتی ہے؟ اور جو اس زمانے میں حضرت عیسیٰؑ ایسے عظیم الشان رسولؑ کے لئے قابل تعظیم ہو وہ کسی قسم کے نقص وعیب میں مبتلا ہوسکتی ہے؟ اور حضرت عیسیٰؑ جو مُردوں کو زندہ کرنے، مادرزاد اندھوں کو بینائی عطا کرنے اور کوڑھیوں کو اشارے سے تندرست کردینے پر قدرت دیئے گئے تھے ایک جاہل اور اپنے

سے کم مرتبت انسان کی تعظیم کر سکتے تھے؟ اور جب حضرت عیسیٰؑ یہ تمنا کرتے ہیں کہ خدا انہیں یہ مرتبہ عطا کر دے کہ محمدؐ کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے قابل ہو جاؤں تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ہستی نہ ماننا پڑے گا کہ انؐ کے پاؤں کی ٹھوکر سے دنیا کے سارے مُردے اُٹھ کھڑے ہوں اور یہ کہ خود حضرت عیسیٰؑ کو وہ قدرت حضورؐ کے وسیلے سے ملی ہو؟

جب کہ خود حضرت عیسیٰؑ اعلان کرتے ہیں کہ:

''اُنؐ کی روح کو دیکھنے سے خدا نے انبیاؑ کو نبوت دی تھی اور یہ کہ تمام انبیا علیہم السلام نے انؐ کو دیکھا ہے''

سوال یہ ہے کہ جسے دیکھ کر نبوت، موت و حیات پر قدرت مل جائے وہ ایمان و قرآن سے بے بہرہ رہ سکتا ہے؟ اور کیا اس بیان اور احادیثِ گزشتہ کی رُو سے یہ کہنا غلط ہے کہ محمدؐ بذاتِ خود وہ روح ہے جس کو وحی کرنے کا تذکرہ کیا گیا، جسے روح القدس فرمایا گیا جسے روحِ حق قرار دیا گیا؟

قارئین ان تمام قریشی لیڈروں سے برأت کا اعلان کرنا واجب ہے جنہوں نے محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کے مناقب و فضائل کو گھٹایا۔ ذرا ان میں سے کسی کا ایسا تعظیم سے لبریز بیان تلاش کیجئے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے دیا ہے۔ وہ قریشی لیڈر اُنؐ کو اپنا رفیق کہتے تھے اور یہ اولوالعزم رسولؑ اُنؐ کی جوتی کا تسمہ باندھنے کے قابل نہ تھے۔ ان لیڈروں نے چونکہ اُنؐ کی جگہ پر قبضہ کر کے بیٹھنا تھا اس لئے برابری کی باتیں ہر روایت میں ملیں گی۔ لیکن حقیقی جانشینؐ نے تو خود محمدؐ کے بندوں میں سے ایک چھوٹا سا بندہ (عَبِیْدٌ مِنْ عِبَادِ محمدؐ) کہہ کر فخر کیا تھا۔

جو کچھ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا وہ قرآن میں لفظ بلفظ محفوظ و موجود ہے۔

قارئین کرام! ہم نے احسن التعبیر (ترجمہ و تفسیر قرآن مجید) میں یہ تفصیلات دکھائی ہیں کہ محمدؐ خود مخزن نبوت و رسالت و وحی خداوندی ہیں اور ولایت مطلقہ کے حامل و ناظم ہیں۔ اور انہی دونوں کی طرف سے نبوت و رسالت و امامت تمام انبیاء و رسلؑ کو ملی تھی اور وہ دونوں نہ صرف انبیاؑء کے اصلاب سے گزرتے ہوئے حضرات عبداللہ و ابوطالب علیہما السلام تک پہنچے تھے بلکہ ہر نبیؑ و رسولؑ و امامؑ و ولی کی نصرت و ہدایت کرتے ہوئے نورانی اور بقول حضرت عیسیٰؑ ملکوتی صورت میں ساتھ ساتھ بھی آئے تھے اور یوں انہیںؑ ہر نبیؑ نے دیکھا اور انؑ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے انؑ کے دین کو قسط وار آگے بڑھا کر انؑ کی نصرت کی تھی اور انؑ پر ایمان لائے تھے اور انہیں جو کچھ ملا وہ محمدؐ کی الکتاب میں سے کچھ حصہ تھا (مِنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ) اور اس حصہ کی تصدیق بھی محمدؐ و علیؑ نے ہر قدم پر کی۔ (آل عمران 3/81)

قارئین حضرت عیسیٰؑ کے بیانات پھر دیکھیں کہ وہ ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''خدا کا رسولؐ'' فرماتے ہیں اور کہیں بھی اپنے لئے یا دوسرے انبیاؑ کے لئے اللہ کے رسولؐ کہنے کی غلطی نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ وہ محمدؐ کے ماتحت اور انؐ کی رسالت کو پہنچانے والے بالواسطہ رسولؑ تھے یعنی وہ محمدؐ کے رسولؑ تھے۔

☆☆☆☆☆

تمہارے جیسا خطا کار بشر (آدمی)؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُل اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُکُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ O

(سورۃ حٰمٓ سجدہ، آیت 6)

ترجمہ شاہ رفیع الدین:

''کہہ سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہاری وحی کی جاتی ہے طرف میری یہ کہ معبود تمہارا معبود اکیلا ہے۔ پس سیدھے چلو طرف اس کی اور بخشش مانگو اس سے اور وائے ہے واسطے شریک کرنے والوں کے'' (41/6)

اس آیت میں غور وفکر کی عظیم الشان دعوت ہے۔ اس میں آیا ہوا اللہ کا بیان قرآن کریم میں سات مرتبہ آیا ہے۔ یعنی جو کچھ اس آیت میں بیان ہوا ہے وہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ کوئی اور آیت اس طرح زور دے کر اور اتنی مرتبہ دہرائی نہیں گئی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ تعلیمات خداوندی میں اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی تعلیم نہیں ہے کہ جس کے لیے پوری آیت یا پورے مطلب کو یوں زور دے کر اصرار و تکرار سے بیان کیا گیا ہو۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ قومی علما نے بھی اس آیت کو پورے دین کی بنیاد قرار دیا ہے یعنی اپنے خود ساختہ اسلام کی بنیاد اسی آیت اور اسی مطلب کو اُلٹ کر رکھی ہے اور یہ عقیدہ پھیلایا ہے کہ رسولؐ اللہ ان ہی جیسے آدمی تھے۔ یعنی ان سے (معاذ اللہ) بھول چوک غلطیاں اور گناہ سرزد ہو سکتے تھے اور ہوتے رہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس آیت میں رسولؐ کو ان کی مثل بشر فرما دیا تھا اور اکثر فرماتا رہا۔ لیکن نہ تو انہوں نے اس آیت کے دوسرے اور آخری حصہ پر توجہ دی نہ یہ سوچا کہ اللہ نے تو زمین پر تمام چلنے والے حیوانات و چرند و پرند کو بھی ان جیسی یا ان ہی

کے مثل اُمتیں قرار دیا ہے (سورہ انعام 6/38)۔تو قریشی لیڈروں کو چاہیئے تھا کہ رسولؐ اللہ کو اپنے جیسا آدمی سمجھنے کے بجائے خود کو جانور اور کیڑوں مکوڑوں کی مانند سمجھتے جب کہ انہیں اسی قرآن میں اسی آیت کے مضمون میں اندھے اور رسولؐ کو دیدہ ور ہونے کا فرق بیان کیا گیا ہے۔(انعام 6/50)۔

قارئین اب ہم آیت کے دونوں حصوں پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کریں گے۔

1) بَشَرٌ مِّثْلُكُم

ترجمہ،فرمان علی:

''کہہ دو کہ میں بس تمہارا ہی سا آدمی ہوں (مگر فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی ہوتی ہے''

اگر مولانا صاحب نے سادہ سادہ کہہ دیا ہوتا تو اتنی دقت نہ ہوتی کہ ''کہہ دو تحقیق اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں مجھ پر وحی ہوتی ہے'' آپ یہ سوچیں کہ کیا آپ کو آج تک کبھی اس کی ضرورت پیش آئی ہے کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں کہ ''میں بھی ایک آدمی ہوں''لوگ اس سے کیا سمجھیں گے؟ ہمارے خیال میں کسی آدمی کو آج تک یہ بات کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی ہوگی۔تو اللہ کا محمدؐ سے اچانک یہ کہلوانا کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔قارئین کرام آپ ذرا غور فرمائیں کہ اگر صرف اتنا کہا ہوتا کہ:قُل اِنَّمَا بَشَرٌ ۔عربی قواعد کے مطابق یہ جملہ ایک مکمل جملہ ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''کہہ میں نہیں اس کے سوا مگر ایک بشر'' یا یوں کہ ''کہہ میں ایک بشر ہوں'' بات ختم ہوگئی ہوتی۔مگر اللہ نے ایک مزید لفظ مِّثْلُكُم ''تمہاری مثل'' نازل فرمایا ہے۔یقیناً اس کا بہت بڑا مقصد ہے کیونکہ اللہ فالتو یا عبث کام ہرگز نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ کو یہ لفظ اس لئے بڑھانا پڑا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی یہ کہہ کر حیران کر دیتے تھے۔اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

وَانْشَقَّ الْقَمَرُ O (54/1)۔ ''قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا''

دنیا والے یہ نظارہ سامنے دیکھتے اور مبہوت و حیران رہ جاتے ہیں۔ کبھی زمین سے وجودی طور پر بلند ہو کر ''فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (53/9) کی منزل پر نظر آتے ہیں اور دنیا والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر کبھی اپنا داہنا ہاتھ پھیلا دیں تو انگلیوں سے دودھ کی نہریں جاری ہو جائیں۔ کڑوے پانی میں لعاب دہن ڈال دیں تو شیریں ہو جائے جن گلیوں سے گزر ہو تو تین تین روز تک خوشبو ختم ہونے میں نہ آئے۔ میدان میں چلیں تو سر پر بادل سایہ کرے، کسی درخت کے پاس سے گزریں تو درخت سجدہ ریز ہو جائے۔ یہ سب باتیں عملاً ہوتی رہی ہیں۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب 110 صفحہ 547)

یہ صورتحال دیکھ کر لوگوں کو یقین ہونے لگا کہ یہ بشر نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔ یہی اس آیت کا مقصد ہے اور اللہ نے یہی کہلوایا ہے کہ محمدؐ بشر نہیں ہیں بلکہ صرف مِّثْلُكُم ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ ..... اَمْثَالُكُمْ .. O (6/38)

ترجمہ فرمان علی: ''زمین پر چلنے پھرنے والے حیوان یا اپنے دونوں پروں سے اُڑنے والا پرندہ ہے ان کی بھی تمہاری مثل اُمتیں ہیں''

غور فرمائیں کہ زمین پر چلنے والے ہمہ قسمی چرند و درند اور فضاؤں میں اُڑنے والے ہمہ قسمی پرندے بھی ہماری مثل اُمتیں ہیں۔ اگر اَمْثَالُكُم کہنے سے انسان گدھا، گھوڑا، کُتا، چڑیا، عقاب، وغیرہ نہیں بن جاتا تو محمدؐ کے لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے جیسے آدمی ہیں۔ ذرا سا تقابل کر کے اسے سمجھئے۔ گدھے کو ہی لیجئے اس کی ناک ہے انسان کی بھی ہے۔ اس کی آنکھیں ہیں انسان کی بھی ہیں۔ وہ بھی کھاتا ہے انسان بھی کھاتا ہے۔ اس کے دانت ہیں انسان کے بھی دانت ہیں۔ وہ بھی اپنی مادہ سے جنسی تعلق قائم کرتا ہے انسان بھی کرتے

ہیں۔کیا اس مماثلت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان بھی گدھا ہے؟اور سائنسی طور پر اگر دیکھا جائے تو تمام جاندار کروموسومز کے بنے ہوتے ہیں مگر ہر جاندار میں کروموسومز کی تعداد اور ان کی شکل و جسامت میں فرق ہوتا ہے۔ایک قدم اور آگے بڑھیں۔

دیکھیں کہ انبیاء کے اجسام و اعضاء میں اور بشر کے اجسام و اعضاء میں کتنا فرق ہے ارشاد ہے:حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی .....الخ(27/18-19)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: یہاں تک کہ جب آئے اوپر میدان چیونٹیوں کے کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو داخل ہو گھروں اپنوں میں نہ کچل ڈالے تم کو سلیمانؑ اور لشکر اس کا اور وہ نہ جانتے ہوں۔پس مسکرایا ہنستا ہوا بات اس کی سے اور کہا اے رب میرے توفیق دے مجھ کو یہ کہ شکر کروں میں نعمت تیری کا جو نعمت رکھی ہے تو نے اوپر میرے اور اوپر ماں باپ میرے کے اور یہ کہ عمل کروں میں نیک جو پسند کرے تو اس کو اور داخل کر مجھ کو ساتھ رحمت اپنی کے بیچ بندوں اپنوں صالحوں کے''

قارئین اس مماثلت کو قائم رکھیں جو ابھی قائم کی گئی تھی یعنی اسی طرح ہمارے بھی کان ہوتے ہیں اور نبیؐ کے بھی کان ہوتے ہیں۔وہؐ بھی سنتے ہیں اور ہم بھی سنتے ہیں۔وہؐ بھی دیکھتے ہیں اور ہم بھی۔اب آپ غور فرمائیں کہ مذکورہ بالا آیات میں حضرت سلیمانؑ مع اپنے لشکر کے بڑھتے جا رہے ہیں کہ انؑ کی نظر چیونٹیوں پر پڑی۔ یہاں ایک لمحہ رک کر بتائیں کہ کیا ہم سینکڑوں گز کے فاصلے پر چیونٹی کو دیکھ سکتے ہیں؟اگر نہیں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نبیؑ بھی ہماری ہی طرح کی آنکھیں رکھتے ہیں؟ایک چیونٹی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی ہے کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور سلیمانؑ کو خبر بھی نہ ہو۔سوچیے کہ اتنے گزوں کے فاصلے پر چیونٹی

بولتی ہے تو نبیؑ نے چیونٹی کی بات کیسے سُنی ؟اور پھر کیسے سمجھا؟اور ان کی زبان میں کیسے بولے؟اور پھر چیونٹیوں نے سمجھ کیسے لیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب منکرین سے قیامت تک نہ بن پڑیں گے۔ ہم ان منکرین کے کانوں میں چیونٹی کو گھسا دیتے ہیں جب تک زندہ رہیں ہم پوچھتے رہیں گے کہ جناب آپ نے چیونٹی کی آواز سُن لی ہے؟اس نے کیا کہا؟ آپ کی سمجھ میں کیا آیا؟ پھر آپ نے کوئی جواب دیا؟ تو کس زبان میں دیا؟ کیا آپ کو تمام جانوروں کی زبانیں آتی ہیں؟ جب کہ سلیمانؑ نے سنا تھا مسکرائے تھے اور جواب دیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ بغیر سُنے ،سوچے، سمجھے، بولے ہو گیا تھا؟ تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے کان بھی نبیؑ کی طرح ہوتے ہیں؟

سارا قرآن ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ ایک مثال اور سُن لیں فرمایا ہے کہ:۔

وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ.....الخ(21/87)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: ''اور مچھلی والے یعنی یونسؑ کو ہدایت کی جس وقت گیا غصہ کھا کر پس جانا یہ کہ ہرگز نہ تنگ پکڑیں گے ہم اوپر اس کے پس پکارا بیچ اندھیروں کے یہ کہ نہیں کوئی معبود مگر تو، پاکی ہے تجھ کو تحقیق میں تھا ظالموں سے''

ان چند سطروں میں نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ مچھلی یقیناً بہت بڑی ہونی چاہئے جو ایک کم از کم چھ فٹ کے آدمی کو سالم نگل سکے۔ اس مچھلی کے دانت کتنے بڑے اور تیز ہوں گے ؟اگر یونسؑ اللہ سے ناراض اور خفا ہو کر گئے تھے تو مچھلی نے انہیں امانت کیسے سمجھا؟ دانتوں سے قیمہ قیمہ کیوں نہ کر دیا؟ وہ کون سی وجہ تھی کہ یونسؑ محفوظ رہے؟ جواب جو بھی ہو ''مِّثْلُكُم'' کو سامنے رکھئے۔ نبیؑ کا جسم بھی بظاہر ہمارے جسم جیسا ہوتا ہے۔ بقول روایت حضرت یونسؑ چالیس روز تک مچھلی کے پیٹ میں رہے (لغات القرآن جلد 6 مولانا

عبدالرشید نعمان صفحہ 324) مچھلی کے پیٹ میں شدید گرمی ہوتی ہے۔ روشنی اور ہوا کا گزر تک نہیں۔ کھانے پینے کا سامان نہیں۔ رفع حاجات کے لئے جگہ نہیں اور قرآن بتا رہا ہے کہ حضرت یونسؑ وہاں بے ہوش یا انتقال نہیں فرما گئے تھے بلکہ قرآن کی آیت تلاوت فرماتے رہے۔ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ O (21/87)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: نہیں کوئی معبود مگر تو، پاکی ہے تجھ کو تحقیق میں تھا ظالموں سے"

اگر ایک آدمی کو بڑے مضبوط صندوق میں بند کر دیا جائے جس میں ہوا کی آمد و رفت بالکل نہ ہو اور پھر صرف آدھے گھنٹہ بعد نکالا جائے تو یقین کیجئے ہمیں چار مزدور درکار ہوں گے جو اسے قبرستان لے جائیں اور گورکن کا انتظام کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ نبیوں کی آنکھیں اور ہوتی ہیں اور ہماری آنکھیں اور۔ انؑ کے جسم اور ہوتے ہیں اور ہمارے اور۔ انؑ کے دیکھنے سُننے کی قوتیں اور ہوتی ہیں اور ہماری اور، علیٰ ہٰذ القیاس ظاہری مماثلت کے سوا یہ ہستیاں ہر طرح سے انسانوں سے علیحدہ نوع ہیں۔ ارے جن کے پسینہ سے فرشتے اور نبیؑ پیدا ہوں ان کے لئے یہ کہنا کہ وہ ہماری طرح خطا کار اور گناہ گار بشر تھے انتہائی گھٹیا بات ہے۔ یاد رکھیں اور کبھی نہ بھولیں کہ جو نسبت ایک جانور کو انسان سے ہے وہی نسبت ایک انسان کو نبیؑ سے ہے اور جو نسبت ایک انسان کو نبیؑ سے ہے وہی نسبت تمام انبیاؑ کو محمدؐ مصطفیٰ سے ہے۔ حضرت محمدؐ وہ ہستی ہیں کہ اگر آپؐ کا نام کلمہ میں نہ لیا جائے تو کافر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمارا تمہارا نام لے کر کلمہ پڑھا جائے تو مسلمان بھی کافر و مشرک ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ: "قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ O" (38/75)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: کہا اے ابلیس کس چیز نے منع کیا تجھ کو یہ کہ سجدہ کرے تو واسطے اس

چیز کے کہ بنایا میں نے ساتھ دونوں ہاتھوں اپنے کے کیا تکبر کیا تو نے یا تھا تو بلند مرتبہ والوں سے‘‘

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اللہ جسم و جسمانیت، اعضاء و جوارح سے منزّہ ہے تو پھر یہ کون سے دو ہاتھ ہیں جو اللہ کے ہاتھ کہلائے ہیں؟ کوئی ایسی ہستی ہونا چاہئے جس کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ کہلا سکیں۔ اور آپ مانیں یا نہ مانیں یہ دو ہاتھ اور کوئی نہیں محمدؐ و علیؑ ہیں۔ اسی لئے علیؑ کو یداللہ کہا گیا ہے۔ کس عظمت اور بزرگی کے یہ لوگؑ تھے جو آدمؑ جیسی مخلوق کی تخلیق کے ذمہ دار ہیں۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ العالینؑ ہیں جو میں نے تخلیق کر رکھے ہیں وہ ہر مخلوق سے قبل ہی ہونا چاہئیں۔ وہؑ ایسے بزرگ تھے جو آدمؑ کو سجدہ سے مستثنیٰ تھے اور ابلیس نے بھی اُن کی بزرگی کو تسلیم کیا تھا اور العالینؑ میں سے ہونے کا انکار کیا تھا۔

2) یُوحَیٰ اِلَیَّ :

قرآن کریم میں تمام رسولوںؑ کو ’’بَشَرٌ مِّثۡلُکُم ‘‘ فرمایا گیا ہے لیکن انؑ کے لئے ’’یُوحَیٰ اِلَیَّ ‘‘ کا فرق بیان نہیں کیا گیا ہے۔ گفتگو اُس فرق پر ہونا چاہئے جو اللہ نے ساری نوع انسان یا نوع بشر میں اور آنحضرتؐ میں فرق اور خصوصیت کے طور پر بیان کی ہے وہ یہ اعلان ہے کہ ’’کہہ دو کہ میں تمہاری مثل بشر تو ہوں مگر میری طرف وحی ہوتی ہے‘‘ (41/6 وغیرہ)۔

آیت کا یہ دوسرا جملہ (وحی میری طرف ہوتی ہے) ایسا ہے جو عربوں اور قریش ہی کو نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہر قوم کو معلوم تھا کہ انبیاؑ و رسل علیہم السلام پر اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے خواہ سب اقوام نے اس کو مانا ہو یا نہ مانا ہو۔ معلوم سب کو تھا چنانچہ قریش کو اللہ نے اگر ایک ایسا جواب دلوایا ہے جو ان کو اور سب کو پہلے سے معلوم تھا تو

یہ سعی لا حاصل ہے۔ فضول اور خلاف حکمت اور بے اثر بات ہے ورنہ اس جملے کے کوئی حقیقی اور بہت عظیم الشان معنی ہونا لازم ہیں۔

قارئین کو معلوم ہے کہ اللہ نے قریش سے اور ساری دنیا سے کہا کہ ''یہ رسولؐ تمام عالمین یعنی پوری کائنات کے لئے رحمت ہے'' (انبیا 21/107) اور یہ بھی کہ ''یہ رسولؐ پوری کائنات کے لئے نذیر ہے'' (فرقان 25/1) اور یہ بھی کہ ''یہ رسولؐ کائنات کے اولین نذیروںؑ میں سے ایک نذیرؐ ہے'' (نجم 53/56) اور جہاں یہ فرمایا کہ ''کائنات کی ہر ہر چیز اسلام لائی ہے'' (عمران 3/83) وہیں یہ بتایا کہ ''یہ رسولؐ کائنات کی ہر چیز سے پہلا مسلم ہے'' (انعام 6/164) اور جہاں یہ بتایا کہ ''کائنات کی ہر چیز عبادت کرتی ہے'' (حدید 57/1) وہیں اپنے رسولؐ کے لئے فرمایا کہ وہ کائنات کی ہر مخلوق سے پہلے سے عبادت کرنے والی ہستیؐ ہے'' (زخرف 43/81)۔

قارئین سوچیں کہ جس رسولؐ کی ہر بات کائناتی وسعتوں پر حاوی ہو، کیا اس کے متعلق یہ جواب کافی ہے کہ ''جس طرح اور چھوٹے بڑے انبیاءؑ و رسلؑ کو وحی ہوتی تھی اسی طرح مجھے بھی وحی سے ہدایات ملتی ہیں''؟

اَرے حضور اس رسولؐ کی وحی بھی تو ہمہ گیر وسعتوں کی حامل ہونا چاہئے اور آیت کے الفاظ کو تبدیل کئے بغیر کم از کم یہ ہمہ گیر معنی ہونا چاہئیں کہ ''وحی میری ہی طرف ہوتی ہے'' یعنی میں مرکز وحی خداوندی ہوں یا یہ کہ ''میں ذخیرہ وحی الٰہی ہوں''

وحی کسی کو ہو ہی نہیں سکتی جب تک میرا وسیلہ حاصل نہ ہو جائے یہ بات حدیث معصومؑ میں دیکھ لیں۔

حضرت سدیر رضی اللہ عنہ جناب امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں کہ ''آپؑ

کی پوزیشن کیا ہے'' امامؑ نے فرمایا کہ ہم علم خداوندی کے خزانے ہیں اور اللہ کی وحی کو ترجمہ کرنے والے ہیں'' (اصول کافی کتاب الحجة باب ولاة امر الله و خزنة علمة)

اور اسی باب اور اسی صفحہ 367 کی پہلی حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبدالرحمٰن بن کثیرؒ کو بتایا کہ ''ہم اللہ کے احکامات پہنچانے والے حاکم ہیں اور اللہ کے علوم کے خزانہ دار ہیں اور اللہ کی وحی کا ذخیرہ و مرکز ہیں'' اسی باب کی آخری حدیث میں فرمایا گیا کہ ''اللہ نے ہماری تخلیق کی اور سب سے بہترین تخلیق کی۔ پھر ہمیں شکل و شمائل عطا کیا اور یہ بھی بہترین صورت میں کیا اور ہمیں آسمانوں اور زمینوں کے لئے اپنے علوم و عطیات کا خزینہ دار بنایا ہمارے لئے درخت باتیں کرتے ہیں اور ہماری عبادت کو دیکھ دیکھ کر دوسری مخلوقات نے اللہ کی عبادت سیکھی اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ کوئی سیکھ سکتا اور نہ اللہ کی عبادت ہوتی'' (اصول کافی باب وصفحہ ایضاً)

ان احادیث سے جہاں یہ ثابت ہو گیا کہ محمدؐ اور اُنؐ کے جانشین آئمہ اہلؑ بیت علومِ خداوندی کا ذخیرہ ہیں وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جس قدر علم کسی بھی مخلوق کو ملا وہ اسی ذخیرہ ہی میں سے ملا ہے اور یہ کہ وہ حضرؑات تمام احکامات خداوندی کے نافذ کرنے والے ہیں لہٰذا تخلیق کائنات سے قیامت تک اللہ کی طرف سے جو احکام صادر ہوئے وہ ان حضرؑات کے وسیلے سے نافذ ہوئے اور یہ کہ وہ حضرؑات اللہ کی وحی کے ذخیرہ کے حامل ہیں لہٰذا روز ازل سے جہاں کہیں وحی بھیجی گئی وہ ان کے ذریعے سے بھیجی گئی اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ وہ کن معنی میں اوّل المسلمینؑ و اوّل العابدینؑ ہیں یعنی وہی عبادت سکھانے کے ذمہ دار ہیں ملائکہ ہوں یا کوئی اور مخلوق سب نے عبادت و حمد و تسبیح ان حضرؑات سے سیکھی یعنی وہ تمام مخلوق سے پہلی مخلوؑق ہیں اور یہ کہ وہی اوّلین نذیرؑ ہیں۔ جہاں یہ فرمایا

گیا ہے کہ:وَمَآ اَرْسَلنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ O قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O (سورہ انبیاء 21/107-108)

''اور ہم نے تمہیں صرف اس مقصد کے لئے رسوؐل بنایا ہے کہ تم پوری کائنات کے لئے ہماری رحمت فراہم کرو لہٰذا ان کو بتادو کہ اس کے سوا ہر تصور غلط ہے کہ وحی صرف میری طرف بھیجی جاتی ہے اور یہ کہ تمہارا معبود بھی صرف ایک ہی ہے جو کہ میری طرف وحی کرتا رہتا ہے کیا تم ان دونوں حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہو؟''

معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا نفاذ محمدؐ کے ذریعے سے ہوتا ہے اور وحی وہ طریقہ کار بتاتی ہے جس سے رحمت کا اجراء ہوگا اور اللہ کا یہ عمل درآمد روز ازل سے بطور قانون جاری ہے۔اب قارئین اس سورہ (حٰمٓ السجدہ) کی بارہویں آیت کو دیکھیں جہاں اللہ نے پوری کائنات میں وحی جاری کی ہے۔اور تمام آسمانوں اور زمینوں کو ان کے فرائض سے مطلع رکھنے کا انتظام کیا ہے چونکہ وحی آنحضرتؐ ہی کی معرفت نافذ ہونا طے ہوگیا۔لہٰذا یہ سمجھنا اب مشکل نہیں ہے کہ بے زبان چیزوں کو وحی کا ترجمہ ان کی بے زبانی کو مدنظر رکھ کر کیا جائے گا۔تاکہ ان کی فطرت وجبلّت میں فطری نشوونما کو جاری رکھا جائے اور ان کے ارتقائی اٹھان کو صعودی صورت میں ترقی پذیر رہنے میں مدد دی جاتی رہے۔اسی بنا پر سربراہان اسلام کو وحی خداوندی کا مترجم بھی فرمایا ہے۔تاکہ منشائے خداوندی کو مادی صورت میں متعلقہ الفاظ و اشارات ومحسوسات کے ساتھ ہر قسم کے مخاطب کو پہنچائیں چنانچہ آیت (41/11) میں آسمانوں اور زمینوں کو اللہ کی اطاعت کے لئے حاضر ومخاطب ہونے کا حکم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی معرفت دیا جاسکتا تھا۔اس لئے کہ ساری کائنات کی ہر مخلوق محمدؐ مصطفیٰ کے مادہ سے وجود میں لائی گئی تھی اور آنحضرتؐ سے تخلیقی رشتہ وتعلق رکھتی تھی۔

آیت زیر بحث میں اگر لفظ ''مِّثْلُکُم'' نہ ہوتا تو آپؐ حقیقتاً بشر ہوتے۔ یہ لفظ ہی ثابت کرتا ہے کہ آپؐ نوع بشر کی مثال ہیں۔ حقیقت میں آپؐ کا نوع بشر سے کوئی تعلق نہیں ہے آیت کا دوسرا حصہ ''یُوْحٰی اِلَیَّ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقی تمام انبیاءؑ کا سردار اور تمام کائنات کو ہر لحاظ سے آپؐ کا محتاج ثابت کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

رجس سے پاک وطاہر لائقِ درود وسلام اہلؑ بیت کون؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا O

(سورۃ الاحزاب، آیت 33)

ترجمہ شاہ رفیع الدین:

''اور ٹکی رہو بیچ گھروں اپنے کے اور مت بناؤ کرو تم بناؤ جاہلیت پہلی کا اور قائم کرو نماز کو اور دیا کرو زکوٰۃ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور رسوؐل اس کے کی سوائے اس کے نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ تا کہ دور کرے تم سے پلیدی اے اس گھر والو اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا'' (33/33)

قارئین سے درخواست ہے کہ جنبہ داری، تعصب اور جھوٹے افسانوی تقدس کو الگ رکھ کر سورۃ الاحزاب کی آیات 56 تا 28 تلاوت فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ رسوؐل اللہ کو ایذا پہنچانے والی ازواجِ رسوؐل جن کی بدعملیوں کے متعلق خود بیان کرنے میں رسوؐل اللہ شرم محسوس کرتے تھے۔ اللہ نے وہ تمام حقائق ہمیشہ کے لئے قرآن میں ریکارڈ کر دیئے۔ وہ ازواج سرکش اور ساز باز کرنے والی، غیر مردوں سے انسیت کا اظہار کرنے والی، زمانہ

جاہلیت کی طرح حُسن و جمال کی نمائش کرنے والی، رسوؐل اللہ کے خلاف محاذ بنانے والی تھیں۔ان میں اسلام، ایمان، فرمانبرداری، توبہ، عبادات، تلاوتِ قرآن اور نماز، زکوٰۃ کی ادائیگی، روزہ وغیرہ کا فقدان تھا۔اب غور طلب یہ بات ہے کہ کیا ایسی ازواج کے لئے الفاظ ''طاہرہ'' اور ''مطہرات'' صادق آسکتے ہیں؟ کیا خدا خود اُن کو اِسی قرآن میں طاہرہ و مطہرات کہہ سکتا ہے؟ کیا اللہ وملائکہ اُن پر درود وسلام بھی بھیج سکتے ہیں؟؟

اس آیت کا ترجمہ اور اصل منشاء آخر میں ملاحظہ فرمائیں گے یہاں پہلے علامہ مودودی کی بے چینی اور بددیانتی دیکھتے چلیں:

علامہ مودودی کا ترجمہ وتشریح: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا O (سورۃ الاحزاب، آیت 33)

''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیتِ نبیؐ سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 92)

علامہ کے نزدیک اس آیت میں ازواج رسوؐل مخاطب ہیں۔

اس ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''جس سیاق وسباق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ''اہل بیت'' سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔کیونکہ خطاب کا آغاز ہی یٰنِسَاءَ النبی کے الفاظ سے کیا گیا ہے اور ماقبل ومابعد کی پوری تقریر میں وہی مخاطب ہیں۔علاوہ بریں ''اہل البیت'' کا لفظ عربی زبان میں ٹھیک انہی معنی میں استعمال ہوتا ہے جن میں ہم ''گھر والوں'' کا لفظ بولتے ہیں۔اور اس کے مفہوم میں آدمی کی بیوی اور اس کے بچے دونوں شامل ہوتے ہیں۔بیوی کو مُستثنیٰ کرکے ''اہل خانہ'' کا لفظ کوئی نہیں بولتا'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 92)

آیت تطہیر پر عائشہ کی تصدیق اور چادر میں داخلہ نہ ملنے پر ان کا بیان۔

''ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ سے ایک دفعہ حضرت علیؑ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ''تم ایسے شخص کے متعلق پوچھتے ہو جو رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور جس کی بیوؑی حضوؐر کی وہ بیٹیؑ تھی جو آپؐ کو سب سے بڑھ کر محبوب تھی'' اس کے بعد حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنایا کہ حضوؐر نے حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر ایک کپڑا ڈال دیا اور دعا فرمائی **اللھم ھولاء اھلؑ بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرًا**۔ خدایا یہ میرے اہل بیتؑ ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور انہیں پاک کر دے'' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا میں بھی تو اہل بیت میں سے ہوں (یعنی مجھے بھی اس کپڑے میں داخل کر کے میرے حق میں دعا فرمایئے) حضوؐر نے فرمایا۔ تم الگ رہو۔ تم تو خیر ہو ہی'' اس سے ملتے جلتے مضمون بکثرت احادیث مسلم، ترمذی، احمد ابن جریر، حاکم، بیہقی وغیرہ محدثین نے ابوسعیدؓ خدری، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت واثلہؓ بن اسقع اور بعض دوسرے صحابہ سے نقل کی ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 93) اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ:

حدیث کے بَل پر قرآن کی ثابت شدہ واضح حقیقت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

''ان میں سے بعض احادیث میں جو یہ بات آئی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس چادر کے نیچے نہیں لیا۔ جس میں حضوؐر نے ان چاروں اصحاب کو لیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضوؐر نے ان کو 'اپنے گھر والوں' سے خارج قرار دیا تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں تو اہل بیت میں شامل تھیں ہی، کیونکہ قرآن نے انہی کو مخاطب کیا۔ لیکن حضوؐر کو اندیشہ ہوا (یعنی اللہ سے غلط کام کر لینے کی امید ہوئی۔ احسنؔ)

کہ ان دوسرے اصحابؓ کے متعلق ظاہر قرآن کے لحاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ یہ اہل بیت سے خارج ہیں۔اس لئے آپؐ نے تصریح کی ضرورت ان کے حق میں محسوس فرمائی نہ کہ ازواجِ مطہرات کے حق میں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 93)

دوستدارانِ اہل بیتؑ کے خلاف یہ لکھا کہ:

''ایک گروہ نے اس آیت (33/33) کی تفسیر میں صرف اتنا ہی ستم نہیں کیا کہ ازواج مطہرات کو''اہل بیت'' سے خارج کر کے صرف حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی اولادؑ کے لئے اس لفظ کو خاص کر دیا بلکہ اس پر مزید ستم یہ بھی کیا ہے کہ اس کے الفاظ''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے'' سے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی اولادؑ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ گندگی سے مراد خطا اور گناہ ہے اور ارشاد الٰہی کی رو سے یہ اہل بیتؑ اس سے پاک کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ آیت کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ تم سے گندگی دور کر دی گئی اور تم بالکل پاک کر دیئے گئے ہو۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں''اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور تمہیں پاک کر دینا چاہتا ہے'' سیاق وسباق بھی یہ نہیں بتاتا کہ یہاں مناقب اہل بیت بیان کرنے مقصود ہیں۔ بلکہ یہاں تو اہلبیتؑ کو نصیحت کی گئی ہے کہ تم فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو۔اس لئے کہ اللہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ تم فلاں رویہ اختیار کرو گے تو پاکیزگی کی نعمت تمہیں نصیب ہوگی ورنہ نہیں۔تاہم اگر یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا کا مطلب یہ لے لیا جائے گا۔کہ اللہ نے انہیں معصوم کر دیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وضو اور غسل اور تیمّم کرنے والے سب مسلمانوں کو معصوم نہ مان لیا جائے کیونکہ ان کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: وَلٰکِنۡ یُرِیۡدُ لِیُطَہِّرَکُمۡ وَلِیُتِمَّ

نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ مگر اللہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے۔۔۔''
(سورۃ المائدہ آیت 6)(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 94)

آیت تطہیر (33/33) اور عصمت اہل بیتؑ پر علامہ کے بیانات پر تنقید اور ان کی تردید و مذمت۔

قارئین نے دیکھ لیا ہے کہ اپنے قدیم راہنماؤں کی ساکھ بنانے کے لئے، علامہ جائز و ناجائز کوئی پہلو استعمال کئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ آل محمدؐ کی ضد میں انہوں نے یہ مان لیا کہ آیت تطہیر میں کسی کو پاک نہیں کیا گیا بلکہ نصیحت کی گئی ہے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو۔ یعنی ازواج رسولؐ جو کہ بقول علامہ آیت (33/33) میں مخاطب ہیں اور جو کہ ضرور اہل بیت ہیں سے کہا گیا کہ: ''تم فلاں رویہ اختیار کرو گے تو پاکیزگی کی نعمت ملے گی ورنہ نہیں'' (علامہ کی آخری سطریں)۔

علامہ کے بیان کے نتائج۔۔۔۔۔ازواجِ رسولؐ کو مطہرات لکھنا ایک افتراء ہے

علامہ کے اس ضداً اقرار کے بعد منہ چڑاتا چیلنج موجود ہے کہ قرآن میں کہیں ان ازواج رسولؐ کا توبہ کر لینا اور ان کے شرمناک اور گندے جرائم کا بخش دیا جانا مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا وہ جیسی ناپاک و مجرم قرآن کی سترہ (17) آیات میں بتائی گئیں بدستور ویسی ہی ناپاک و مجرم قیامت میں اٹھائی جاویں گی اور علامہ صاحب والا کوئی عذر و حیلہ کام نہ آئے گا۔

علامہ اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے سیاق و سباق کی آڑ میں مذکر و مونث کا فرق غائب کر جاتے ہیں۔

چنانچہ ازواج رسولؐ کو آیت تطہیر میں شامل کرنے کے عذرات آپ نے دیکھ لئے اور عذرات ان کے ہم عقیدہ لوگوں اور عقیدت مندوں کیلئے بڑے زوردار دلائل اور اطمینان

بخش ثبوت ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام عذرات مغالطات ہیں عذرات و دلائل نہیں ہیں۔ذرا دیر میں آپ سب ہم سے متفق ہو جائیں گے۔پہلی بات تو یہ سن لیں کہ واقعی آیت تطہیر کے الفاظ کے ظاہری معنی سے کسی کو پاک کیا گیا نہ معصوم بنایا گیا۔اس سلسلہ کے وہ تمام بیانات غلط و باطل ہیں جن میں یہ سمجھا، یا سمجھایا گیا ہے کہ اس آیت کے آنے کے بعد آل محمدؐ یا جناب علی و فاطمہ وحسن وحسین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم کو پاک یا معصوم کر دیا گیا تھا یہ شیعوں کا عقیدہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو رسوؐل کو نزولِ قرآن سے پہلے کافر و ناپاک مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جبرئیل نے سینہ چاک کر کے انہیں پاک کیا تھا اور اسی نے یا اس کے کسی بھائی بہن نے رسوؐل کو ایمان و قرآن عطا کیا تھا (شوریٰ 42/52) اور اسی عقیدہ کا تقاضہ ہے کہ وہ علیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو بھی آیہ تطہیر کے ذریعہ پاک و معصوؐم سمجھیں لیکن ہم انہیں مجسم ایمان و دین و قرآن و عصمت سمجھتے ہیں مگر یہ سب کچھ آیت تطہیر کی بنا پر نہیں ہے۔ساتھ ہی ہم لفظ اہل بیت میں نہ صرف اہل خانہ کی ازواج کو شامل سمجھتے ہیں بلکہ اس کی تحویل میں جو افراد ہوں سب کو اہل بیت یعنی گھر والوں میں شمار کرتے ہیں۔ بلکہ گدھوں، گھوڑوں اور اونٹوں اور مرغیوں کو بھی لفظ ''گھر والوں'' سے خارج نہیں سمجھتے لیکن ہم اس آیت تطہیر (33/33) میں بھی مردوں کو مرد اور عورتوں کو عورت سمجھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ اس آیت میں بھی اور اس سے پہلے کی آیت میں بھی اور اس آیت سے اگلی آیت میں بھی ازواج رسوؐل مخاطب ہیں۔مگر اللہ نے اچانک اس آیت میں یہ جملہ بول دیا ہے ''لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ'' ایک عربی کا طالب علم اس جملے میں لفظ عَنْكُمُ کی بنا پر وہ ترجمہ کرے گا جو ہم نے کیا ہے یعنی ''اے مردانِ اہل بیت'' تم سے گندگی کو دور کر دے'' اور اگر یہاں مستورات اہل بیت کہنا ہوتا تو لفظ ''عَنْكُم'' کی جگہ ''عَنْكُنَّ''

لازم تھا لہٰذا اللہ نے اہل بیتؑ کی مستورات پر پابندیاں عائد کرتے کرتے علامہ کے مندرجہ ذیل مسلّمہ قاعدے کی رُو سے اپنا خطاب اہل بیتؑ کے مردوں کی طرف موڑ دیا۔

سیاق وسباق کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ اپنا مخاطب بدل دیا کرتا ہے۔

''ایک ہی مضمون مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں دہرایا جارہا ہے۔ایک مضمون کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اچانک شروع ہوجاتا ہے۔ بلکہ ایک مضمون کے بیچ میں دوسرا یکا یک آجاتا ہے۔مخاطب اور متکلم بار بار بدلتے ہیں۔اور خطاب کا رُخ رہ رہ کر مختلف سمتوں میں پھرتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 14 مقدمہ)

ہم علامہ کے اوپر ان کا ''مقدمہ'' بطورِ حجت دائر کر کے اپنے قارئین سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ پہلے یہ بتائیں کہ آیت (33/33) تطہیر میں بھی اگر اللہ اپنے خطاب کو عورتوں سے ہٹا کر مردوں کی طرف پھیر لے تو علامہ کو کیوں پسند نہیں آتا؟ صرف اس لئے نا کہ وہ بھی ان عورتوں کے اسی طرح اندھے پرستار ہیں جس طرح آپ نے آیات میں دیکھ لیا ہے۔ پھر قارئین یہ بتائیں کہ کیا الفاظ ''عَنْکُم'' اور ''عَنْکُنَّ'' میں زنانہ ومردانہ فرق موجود ہے یا نہیں ہے؟ پھر یہ سنیں کہ مرد جب شادی شدہ ہوتے ہیں اور ان کی ازواج سے لوگ ان کی اجازت کے بغیر اور بلا اطلاع دیئے میل جول پیدا کر لیتے ہیں اور عورتیں ایسے میل جول کو پسند کر لیتی ہیں تو اس میل جول سے مردوں یعنی شوہروں کو تکلیف ہوتی ہے، بیویوں کو نہیں ہوا کرتی۔اسی بنا پر یہ کہا گیا کہ ان حرکتوں سے رسولؐ کو ایذا پہنچتی ہے۔ چنانچہ اہلبیتؑ کے مردوں کی تکلیف وایذا کو رفع کرنے کے لئے اللہ نے ان عورتوں اور مردوں پر پابندیاں عائد کر کے اہل بیتؑ کے مردوں کو یہ بتایا کہ ہم نے یہ پابندیاں لگا کر تمہیں اس ناپاک اور تکلیف دہ صورت حال سے علیحدہ کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔تا کہ تمہارے

بلند کردار پاکیزہ ماحول کو بلند تر مقام کی طرف بڑھایا جا سکے ۔ یہ کہہ کر پھر عورتوں پر پابندیوں میں اضافہ فرمایا ہے اور ازواجِ رسولؐ کو تلاوت قرآن وغیرہ میں مصروف رہنے کا تقاضا کیا ہے اور بتایا ہے کہ تمہارے گھروں میں جو تلاوتِ قرآن ہوتی رہتی ہے تم بھی اس میں شامل رہا کرو وغیرہ وغیرہ۔ بتایئے اس صاف وسادہ اور علامہ کے مسلّمہ طریقے پر بات کرنے میں کیا نقص اور کیا عیب ہے؟ اور علامہ قرآن کی کون سی آیت یا کس لفظ کو دلیل بنا کر ان عورتوں کی طرف داری کرتے ہیں جنہوں نے بقول قرآن رسولؐ کے خلاف جنگی محاذ بنا رکھا ہے جنہوں نے غیر مردوں سے رسولؐ کی اجازت واطلاع کے بغیر شرمناک اور تکلیف دہ انسیت افروز تعلق پیدا کر رکھا ہے ۔اور جنہیں بقول علامہ: اللہ شدت سے تنبیہ فرمائے ۔(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 26-25)۔ان کی جانبداری کرنا کیا اللہ ورسولؐ کے خلاف محاذ کی جانبداری نہیں ہے؟ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس آیت (33/33) میں اہلبیت کے مناقب بیان نہیں ہوئے ہیں بلکہ سیاق وسباق بتاتا ہے کہ ان آیات میں بڑی رسوا کن مذمت بیان ہوئی ہے اور اسی کا تقاضا تھا کہ مردوں کو ان رسوا کن مذمتوں اور حالت سے مستثنیٰ ہونے کی فوراً اطلاع دی جائے اور بتایا جائے کہ حقیقی معنی میں اہلبیتؑ رسولؐ کون ہیں؟ اور جن کی مذمت ہوئی ہے وہ کون کون ہیں؟ چنانچہ اگلی آیت (33/34) میں مسلسل بتادیا کہ وہ وہی عورتیں ہیں جو تلاوت قرآن میں حصہ نہیں لیتیں جو ذکر اللہ سے دلچسپی نہیں لے سکتیں اور آوارہ گردی کرتی پھرتی ہیں آئندہ وہ تلاوت اور دینی تذکرہ میں حاضر رہیں گی اور مردوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ انہیں حاضر رکھیں اور خلاف ورزی پر انہیں آیت (33/51) کے ماتحت ماخوذ کر کے عزلت کی سزا دیں ۔تخریب کاری کرنے والی عورتوں سے استفادہ کرنے والے پھر ایک بار سنیں کہ جب تک قرآن کی ایک ایسی آیت نہیں دکھائی

جائے جس میں مذکورہ دونوں عورتوں کی توبہ اور بخشش موجود ہو اور اللہ کا حکم ہو کہ ان دونوں کو آئندہ طاہرہ کہا کرو صدیقہ سمجھو اس وقت تک ایسا کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نے ازواج کو اہلبیت میں شامل رکھنے کی قرآنی سند میں بھی مغالطہ دیا ہے

ہم ازواج کو ''گھر والوں'' میں داخل سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں علامہ کی پیش کردہ آیت (28/12 قصص) پر ان کی بات ذرا تکلف سے مانے لیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی بہن نے جن اہلبیت کا ذکر کیا اس میں وہ خود اور ان کی والدہ شامل تھیں لیکن علامہ نے دوسری آیت (ھود 11/73) میں اسی طرح فریب دیا ہے جس طرح یہاں آیت تطہیر میں ''ضمیر جمع مذکر و مؤنث مخاطب'' میں فریب دیا ہے یہ صحیح ہے کہ وہاں فرشتہ زوجہ ابراہیمؑ سے بات کر رہا تھا اور بات اس لئے کرنا پڑی کہ وہ پیش گوئی سن کر یقین کرنے کی بجائے حیران و ششدر رہ گئیں جو ابراہیمیؑ خاندان کی تعلیم و تربیت کے خلاف بات تھی۔ لہٰذا فرشتے نے ان پر تعجب کرنے کا الزام عائد کرتے ہوئے مردمانؑ اہل بیتؑ کو رحمت و برکت کی دعا دے کر ان کو اس عورت کی کمزوری نوٹ کرائی تھی اور وہاں بھی لفظ عَلَیْکِ یا عَلَیْکُنَّ نہیں کہا کہ رحمت و برکت عورتوں کی طرف جائے بلکہ لفظ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ھود 11/73) (تم مردمان اہلبیتؑ پر) کہا تھا، نہ کہ عورت یا عورتوں پر، ورنہ کہا جاتا کہ عَلَیْکُنَّ اَھْلَ الْبَیْتِ یہ ہے وہ فریب جو عربی جانتے ہوئے علامہ نے دیا۔

غسل و وضو وغیرہ والی آیت (مائدہ 5/6) سے ڈبل فریب اور سیاق و سباق کی خلاف ورزی

پھر ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے مسئلہ وضو، غسل اور تیمّم کے سلسلے میں بھی تقریباً وہی الفاظ فرمائے ہیں جو آیت تطہیر کی ذیل میں کہے ہیں۔ آپ دونوں جملوں کو یہاں ایک جگہ دیکھ لیں۔

1۔آیت تطہیر میں کہا ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ .....اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا O (سورۃ الاحزاب، آیت 33)

2۔وضو غسل کیلئے کہا۔وَلٰکِن یُرِیدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہُ عَلَیْکُمْ (مائدہ 5/6)

گو اِن دونوں جملوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے مگر ہم فی الحال یہ مانے لیتے ہیں کہ ان دونوں جملوں میں کوئی فرق نہیں ہے مگر اس کو کیا کریں کہ وضو اور غسل اور تیمّم میں اللہ اپنے مخاطبین کو پاک نہیں کرتا بلکہ انہیں پانی یا مٹی استعمال کر کے خود کو خود اپنے ہاتھوں سے پاک کرنے کی ترکیب بتا کر ان پر غسل و تیمّم اور وضو کو واجب کرتا ہے لیکن آیت تطہیر میں یہ کام بِلا کسی مادّی ذریعہ کے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔2۔اور وضو و غسل وغیرہ میں لوگ سچ مچ خارج سے آنے والی ناپاکی میں مبتلا ہوتے ہیں۔یعنی پہلے ناپاک ہوتے ہیں تو انہیں اس خارجی ناپاکی اور گندگی کو دور کر کے پاک رہنا واجب کرتا ہے۔لیکن اہل بیتؑ تو کسی خارجی گندگی سے ملوث نہ تھے بلکہ انؑ کے آس پاس رہنے والی باوضو عورتیں بھی نا قابل برداشت ناپاک ہی تھیں۔لہٰذا ایسی ہستیوں کو پاک رکھنا صرف اللہ ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ذرا علامہ والی اس آیت (5/6 مائدہ) کا ترجمہ خود علامہ کے قلم سے ملاحظہ کریں اور ناک پر رومال رکھ لیں۔ارشاد ہے۔

''اَے لوگو جو ایمان لائے جو جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہئے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر ''پاک ہو جاؤ''۔اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو بس اس پر ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا مگر وہ چاہتا ہے کہ

تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے شاید کہ تم شکرگزار بنو‘‘ (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 449-448) اس ترجمہ پر علامہ نے تین حاشیئے یا تشریحات لکھی ہیں۔

غسل وتیمّم والی آیت کے مخاطبوں کو علامہ نے ناپاکی کی حالت میں مانا ہے

علامہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس آیت (5/6) کے مخاطب لوگ ناپاک ہوتے ہیں چنانچہ ترجمے میں ان کو پاک رہنے کا تقاضا موجود ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان کو ’’پاک کرنا‘‘ نہیں بلکہ ’’پاک رکھنا چاہتا ہے‘‘ تاکہ وہ ناپاکی کی حالت میں نہ نماز پڑھیں نہ مسجدوں میں جائیں۔ نہ قرآن پڑھیں۔ اس طرح چونکہ ان ناپاک رہنے والے لوگوں کو پاک رہنے پر مجبور کیا گیا ہے اس لئے کہا کہ ہمارا یہ حکم تمہاری زندگی دوبھر کرنے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ تم لوگوں کو ہم پاک صاف رکھنا چاہتے ہیں تاکہ تم عبادت کے لئے اور شریفوں سے ملاقات کے لئے فٹ رہو اور اس طرح وہ نعمتیں تمہیں بھی مل سکیں جو ناپاکی کی حالت میں نہیں دی جاسکتیں۔ بتایئے اس صورت حال کو علامہ نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اہل بیتؑ کی حالت کے برابر کرنے کی جسارت کی ہے۔ حالانکہ ان مخاطبوں کی یہ ناپاکی ان کے ساتھ ہمیشہ برقرار رہے گی۔ روزانہ انہیں خود نہا کر پاک ہونا پڑا کرے گا۔ لہٰذا اس ناپاکی کو دور کرنے کے لئے تو ان سے آلات شہوت یا شہوت کو سلب کرنا پڑے گا اور کھانا پینا بند کرنا یا ڈاٹ لگانا پڑے گا۔ تب جا کر وہ ویسے پاک رہیں گے جیسا کہ اہل بیتؑ بلا کسی تکلف کے پاک تھے۔ یہی مستقل اور کبھی نہ چھوٹنے والی ناپاکی تھی۔ اس لئے ان کے سلسلے میں لفظ ’’اِنَّمَا یُرید اللّٰہ ‘‘ نہیں آیا۔ پھر مستقل ناپاک ہوتے رہنے ہی کی وجہ سے ان کے لئے وَیُطھرکُم تَطْھِیرا نہیں فرمایا۔ اور اسی بنا پر یہ نہیں کہا کہ ہم تم سے ناپاکی کو دور کررہے ہیں اور ہمیشہ ناپاکی دور رکھیں گے (لیذھب عنکم الرجس) علامہ کو بتا

دو کہ یہاں مضارع کا صیغہ دونوں جگہ پر ہے اور اس کے معنی قواعد کی رُو سے یہ ہوتے ہیں کہ ''اللہ نے اہل بیتؑ سے گندگی کو دُور رکھتے رہنے کا ارادہ کر رکھا ہے'' اور ''اللہ اہل بیتؑ کو حق طہارت کی انتہائی حدود تک طاہر رکھتا چلا آیا ہے اور رکھتا چلا جائے گا'' یعنی جب بھی کسی قسم کی گندگی انؑ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کا موقع پیدا ہوگا تو اللہ عادت کے طور پر اس گندگی کو دور یا الگ کر دے گا'' چنانچہ جب وہ مخصوص قسم کی عورتیں اپنے ناپاک عزائم و اعمال کے ساتھ سامنے آئیں انہیں الگ کر دیا گیا اور اس کی اطلاع مردمانِ اہل بیتؑ کو دے دی گئی۔ یہ مطلب نہیں کہ اس آیت کی بنا پر انہیں پاک کیا گیا تھا ورنہ اس سے پہلے (معاذ اللہ) وہ پاک نہ تھے۔ یا اس آیت سے انہیں معصوم قرار دیا گیا تھا اور پہلے وہ خطا کار تھے۔ وہؑ تو ایسی نورانی مخلوق تھے کہ ساری کائنات اور کائنات کی پاکیزگی ان کے نور کی شعاعوں سے پیدا ہوئی۔ وہ تو ہر اچھائی کی بنیاد (اَصَلَ کُلِ خَیر) ہیں۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ سورہ مائدہ کی وضو والی آیت (5/6) میں ہرگز پاؤں کو ٹخنوں تک یا کہیں اور تک دھونے کا حکم نہیں ہے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے جسے ذاتی اجتہادات کی رُو سے قرآن کے سر تھوپا جاتا ہے۔ جن اعضاء کو وضو میں دھونا واجب کیا ہے ان پر اسی آیت میں مسح کرنے کا حکم آیا ہے اور جن پر مسح کا حکم تھا (سر اور پیر) وہ ساقط ہو گیا ہے۔ اور ان لوگوں کا چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا بھی ان کے باطل اجتہاد کا ایک موٹا سا ثبوت ہے۔ پاگلوں کے لئے موزوں پر مسح جائز، پیروں پر نا جائز ہے۔

ہمارا ترجمہ: ''اور آئندہ تم اپنے اپنے گھروں کے اندر رہا کرنا اور زمانہ کفر و گمراہی کی طرح اپنی سج دھج اور حسن اور رعنائی کی نمائش کرتی نہ پھرا کرنا۔ اور تم نماز قائم کیا کرنا اور زکوٰۃ دیا کرنا اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرنا حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اَے

مَردُمان اہل بیتِ رسولؐ، اللہ نے ازواج پر پابندیاں لگا دیں کہ تم سے ہر قسم کی گندگی کو دور کر دینے کا ارادہ کیا ہوا ہے اور یہ بھی کہ تمہیں ہر ناپسندیدہ حال سے ایسا پاک کر دیا جائے جو پاکیزگی کی انتہا کہلا سکے'' (33/33)

(ب) اِنَّ اللّٰہ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO (33/56)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: ''تحقیق اللہ اور فرشتے اس کے درود بھیجتے ہیں اوپر نبیؐ کے اَے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو اوپر اس کے اور سلام بھیجو سلام بھیجنا''۔

جس طرح محاذ آرائیوں اور بدعملیوں پر کاربند عورتوں کی ہدایت اور مذمت کے دوران رُک کر مردمان اہلبیتؑ کو مطمئن کیا تھا (33/33) اسی طرح سازش کرنے والے صحابہ کی مذمت اور ان کو پابند کرتے کرتے رسولؐ اللہ کو مبارک باد کے طور پر درود وسلام بھیجنے کا ذکر کیا گیا اور تمام ایمان لانے والوں پر درود وسلام بھیجنا واجب کیا گیا تھا (33/56) اور جس طرح پھر ازواجِ رسولؐ کا ذکر جاری رکھا تھا اسی طرح ان ملعون صحابہ کا ذکر بھی جاری رکھا گیا تھا۔ لیکن علامہ نے پلٹ کر یہ نہیں کہا کہ سیاق وسباق کو چھوڑ کر اللہ نے اچانک درود بھیجنے اور بھجوانے کا تذکرہ کیوں کر دیا؟ لیکن ہمیں یہ بتانا ہے کہ یہ درود وسلام بھی ان ہی حضرات پر بھیجنا واجب ہوا ہے جن کے خلاف مذکورہ ازواج رسولؐ اور اصحاب رسولؐ نے محاذ آرائی کر رکھی تھی۔ جو اپنی ناہنجار وزشت اسکیموں سے رسولؐ کو اور مردمان رسولؐ کو ایذا پہنچا رہے تھے تاکہ جہاں ان کے تقدس وطہارت اور مقام بلند کا ذکر کر کے دشمنان دین ازواج واصحاب کی ناپاکی کو الگ کر دیا جائے وہیں یہ بتایا جائے کہ اہلبیتؑ پر تمام مومنین کو درود وسلام بھی بھیجنا واجب ہے اور یہ کہ اللہ اور ملائکہ خود یہ کام کرتے رہتے ہیں۔

علامہ درود وسلام کے قائل تو ہیں مگر آل محمدؐ میں سارے مسلمانوں کو شریک کرتے ہیں۔

قومی علماء اور لیڈروں کو آل محمدؐ اور پاک و پاکیزہ اہلبیتؑ سے ایسی عداوت ہے کہ انہوں نے آل محمدؐ کے باقی حقوق کے ساتھ درود و سلام کو بھی غصب کرلیا ہے۔ اور یہ اس طرح کہ انھوں نے مذکورہ ازواج واصحاب ہی کو نہیں بلکہ پوری اُمت کو بھی رسولؐ کی آل بنا کر آل محمدؐ کو عوام الناس کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ چنانچہ علامہ نے لکھا کہ ''رہا آل کا لفظ تو وہ محض حضورؐ کے خاندان والوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب لوگ آجاتے ہیں جو آپؐ کے پیرو ہوں۔ اور آپؐ کے طریقے پر چلیں۔ عربی لغت کی رو سے آل اور اھل میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی آل وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی مددگار اور متبع ہوں خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ اور کسی شخص کے اہل وہ سب لوگ کہے جاتے ہیں جو اس کے رشتے دار ہوں خواہ وہ اس کے ساتھی اور متبع ہوں یا نہ ہوں۔۔۔ پس آل محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہ ہو۔ خواہ وہ خاندان رسالت ہی کا ایک فرد ہو اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضورؐ کے نقش قدم پر چلتا ہو خواہ وہ حضورؐ سے کوئی دور کا بھی نسبی تعلق نہ رکھتا ہو۔ البتہ خاندان رسالت کے وہ افراد بدرجہء اولیٰ آل محمدؐ ہیں جو آپؐ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہوں اور آپؐ کے پیرو بھی ہوں۔''
(تفہیم القرآن جلد 126/4)

اگر تمام پیروانِ محمدؐ، آل محمدؐ ہیں تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجنا کن لوگوں پر واجب یا سنت ہوا ہے؟

علامہ نے اپنے بیانات میں یہ بھی بتایا ہے کہ

اوّل ''جب بھی حضورؐ کا نام آئے تو درود پڑھنا مستحب ہے۔''

دوم ''نماز میں اس کا پڑھنا مسنون (سنت) ہے۔''

سوم ''پوری عمر میں حضورؐ پر ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے۔''

چہارم ''یہ کلمہ شہادت کی طرح ہے کہ جس نے ایک مرتبہ اللہ کی الٰہیّت اور رسوؐل اللہ کی رسالت کا اقرار کر لیا اس نے فرض ادا کر دیا۔ اسی طرح جس نے ایک دفعہ درود پڑھ لیا وہ فریضہ صلوٰۃ علی النبی سے سبکدوش ہو گیا۔ اس کے بعد نہ کلمہ پڑھنا فرض ہے نہ درود۔''

پنجم ''ایک اور گروہ نماز میں اس کا پڑھنا مطلقاً واجب قرار دیتا ہے۔ مگر تشہد کے ساتھ اس کو مقید نہیں کرتا۔''

ششم ''ایک دوسرے گروہ کے نزدیک ہر دعا میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔''

ہفتم ''کچھ اور لوگ حضورؐ کا نام سنتے یا کہتے وقت درود پڑھنا واجب کہتے ہیں۔''

ہشتم ''یہ اختلافات صرف وجوب کے معاملے میں ہیں۔ باقی رہی درود کی فضیلت اور اس کا موجب اجر و ثواب ہونا اور اس کا ایک بہت بڑی نیکی ہونا تو اس پر ساری امت متفق ہے۔ اس میں کسی ایسے شخص کو کلام نہیں ہو سکتا جو ایمان سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہو۔ درود تو فطری طور پر ہر اس مسلمان کے دل سے نکلے گا جسے یہ احساس ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 127)

قارئین ہم نے یہ آٹھ عدد بیانات اس لئے لکھے ہیں کہ آپ کو جہاں یہ معلوم ہو جائے کہ درود کے متعلق علماء اور لیڈروں نے کیا کیا فیصلے کئے ہیں وہاں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ درود کا پڑھنا واجب کہنے میں کس قدر تکلف کیا گیا ہے؟ حالانکہ اللہ نے آیت میں یہ بتایا تھا کہ ''اللہ اور فرشتے نبیؐ پر ہر وقت درود پڑھتے رہتے ہیں (33/56) اور ہمیشہ درود پڑھتے رہیں گے۔'' اس لئے کہ ''یُصَلُّونَ'' مضارع ہے اور اس میں حال و مستقبل اور عادت پوری طرح داخل ہیں۔ لیکن علماء نے درود پڑھنا زندگی بھر میں ایک دفعہ کافی قرار دے دیا

ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا ان علماء سے اللہ و ملائکہ خوش ہوں گے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ شکر کیجئے کہ علماء نے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا تو مان لیا۔ورنہ صورت حال تو یہ ہے کہ جب وہ علماء اوران کے عوام رسولؐ اللہ کی آل ہیں تو ان پر نہ درود پڑھنا واجب ہے نہ سنت ہے بلکہ وہ تو وہ لوگ خود ہیں جن پر درود وسلام بھیجا جانا چاہئے۔لہٰذا اللہ و ملائکہ ہی کو نبیؐ پر درود بھیجنا واجب ہے۔اور کسی پر واجب نہیں ہے۔

علامہ اینڈ کمپنی کے متضاد بیانات باطل اور دشمنِ آل محمدؐ پر مبنی ہیں۔

قارئین نے دیکھ لیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ ان کی نام نہاد اور دشمن قوم (فرقان 25/30-31) کے لیڈروں نے کیسا کیسا ظلم وستم کیا ہے۔لیکن الحمدللّٰہ کہ قرآن کریم محمدؐ وآل محمدؐ کے مقام بلند کا پورا پورا تحفظ کرتا ہے اور ہم صرف اور خالص قرآن صامت و قرآن ناطقؐ کے پیرو ہیں۔اور ہمارے اسلامی عقائد وتصورات نہ صرف ان دونوں کے فرمانات پر پورے اُترتے ہیں بلکہ دشمنان آل محمدؐ بھی ہماری تصدیق کرنے پر مجبور ہوتے چلے آئے ہیں۔چنانچہ اگر علامہ کے اس باطل تصور کے ساتھ ساتھ وہ آٹھ مختلف فیصلے موجود نہ ہوتے تو ہمارے لئے ذرا مشکل ہو جاتی لیکن اب تو صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ مولانا خود اپنے متضاد بیانات کی زد میں آ کر پوری اُمّت کو۔آل محمدؐ۔ بناڈالنے میں باطل پرست ثابت ہو گئے۔اس لئے کہ اللہ نے تمام مومنین کو یہ کہہ کر درود بھیجتے رہنے کا حکم دیا تھا کہ:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی اُن پر درود اور سلام بھیجو۔''

(سورہ الاحزاب 33/56) (علامہ کا ترجمہ تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 123)

درود و سلام کے حکم کے سلسلے میں کون کون افراد متعلق ہیں؟

اول ۔اللہ ہے جس نے یہ حکم نافذ کیا ہے۔

دوم ۔محمدؐ رسولؐ اللہ ہیں جن پر اللہ و ملائکہ کے ساتھ تمام ایمان لانے والوں کو درود وسلام بھیجنا واجب کیا گیا ہے۔

سوم ۔مومنین یعنی وہ تمام انسان ہیں جو اللہ اور محمدؐ کی خدائی ورسالت واطاعت پر ایمان لائیں۔ان تینوں افراد میں جس فرد پر یہ حکم عائد نہیں ہوتا وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہہ دے کہ تمام مومنین محمدؐ ہیں تو اُسے یقیناً پاگل یا دشمنِ خدا اور رسولؐ کہا جائے گا۔اس لئے کہ وہ تمام مومنین کو محمدؐ بنا ڈالنے اور ان کو اللہ کے حکم واطاعت سے خارج کرنے کا مجرم ہے۔اور زبردستی اللہ و ملائکہ کو اپنا دعا گو بناتا ہے۔اسی طرح وہ تمام مومنین مجرم ہیں جو خود کو اور تمام ایمان لانے والوں کو اپنی خباثت نفسی کی بنا پر یا غلطی سے آل محمدؐ بناتے اور بتاتے ہیں۔لہٰذا علامہ بہر حال محمدؐ وآل محمد (صلوٰۃ اللہ علیہم) کے دشمنان میں شمار ہوں گے۔

بخاری کی پہلی حدیث میں صحیح درود ہے۔ازواج واصحاب خارج۔

سب سے معتبر کتاب بخاری جسے اھل سنت علماء نے قرآن کے بعد دوسری کتاب کا درجہ دیا ہوا ہے۔اس کے خلاف اس کی پہلی حدیث کو قطعاً چھپا کر درود وسلام میں ازواج واصحاب اور ساری اُمّت کو گھسا دیا ہے۔حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ:''کعب بن عجرہ کا بیان ہے کہ رسولؐ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ حضورؐ ہم آپؐ کو سلام کرنا تو جان چکے ہیں مگر یہ فرمائیے کہ آپؐ پر درود کیسے اور کیا کہہ کر بھیجا جائے۔فرمایا کہ تم یوں کہا کرو کہ''اے اللہ تو محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر درود بھیج جیسا کہ تو نے ابراھیمؑ کی آل پر درود بھیجا ہے۔بیشک تو صاحب ولائق حمد وعزت ہے۔اَے اللہ تو محمدؐ اور آل محمدؐ پر برکتیں نازل فرما جیسا کہ ابراھیمؑ کی آل پر برکتیں نازل کی ہیں۔اور تو بلا شبہ قابل حمد وبزرگی ہے

۔۔الخ'' (مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع، جلد دوم صفحہ 708، 1381 ہجری، 1961 عیسوی)
قارئین نوٹ فرمالیں کہ صحیح بخاری بعد از کتاب باری کے درود وسلام میں یہاں نہ ازواج رسولؐ کو شامل کیا گیا ہے نہ اصحاب رسولؐ کا کہیں پتا ہے۔اور یہ کہ جن روایات میں آل محمدؐ کے ساتھ ازواج و اصحاب کو لایا گیا ہے وہ ان لوگوں کی خود ساختہ پرداختہ روایات ہیں جنھوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کے دیگر ہزاروں حقوق غصب کئے تھے۔انھوں نے ازواج و اصحاب کی شان بڑھانے کے لئے ہزاروں روایات گھڑوائیں ہزاروں کتابیں لکھوائیں جو سب ان کے طرفدار ہونے کی بناپر ہر عدالت میں ساقط الاعتبار ہیں۔پھر یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ اس مندرجہ بالا درود میں آل ابراھیم علیہ السلام بھی خود محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کا اپنا خاندان اور سربراہانِ خاندان مثلاً حضرات قصیٰ، ھاشم، عبدالمطلب اور ابی طالب وغیرھم علیہم السلام ہی ہیں۔اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس درود میں محمدؐ سے آل محمدؐ کو دور رکھنے والا لفظ ''علیٰ'' دو مرتبہ نہیں لایا گیا ہے۔یعنی علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ پر درود بلافصل واجب ہے۔نہ کہ علیٰ محمدؐ و علیٰ آل محمدؐ۔ایسا درود بھی رسولؐ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ خواہ اس میں ازواج وصحابہ نہ بھی ہوں۔اور علمائے شیعہ جنھوں نے دو دفعہ لفظ ''علیٰ'' والا درود لکھا، یا پڑھا، یا سکھایا وہ بھی ملاعین اور دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ ہیں جو شیعہ نقاب میں منافق گزرے ہیں۔اور آخری بات یہ نوٹ کریں کہ درود کی مندرجہ بالا حدیث میں علامہ نے اپنی طرف سے دو مرتبہ علیٰ محمدؐ و علیٰ آل محمدؐ کا اضافہ کر کے بددیانتی اور دشمنیٔ آل محمدؐ کا مزید ثبوت دیا ہے۔(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 125) اور بڑی ڈھٹائی اور ترکیب سے بخاری کا حوالہ بھی دیا ہے۔اگر وہ ذرہ برابر بھی ایمان و دیانت رکھتے ہوتے تو اس حدیث کو بجنسہٖ لکھتے خواہ پھر تردید کر دیتے اور انھوں نے اس میں بخاری کے خلاف دو دفعہ ''علیٰ

ابراھیمؑ'' بھی درود میں اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔

خود ساختہ مختلف درودوں میں بھی ''ازواج محمدؐ '' کو الگ رکھا گیا ہے۔

بہر حال علامہ اینڈ کمپنی پوری اُمّت کو'' آل محمدؐ '' بنانے میں کاذب اور نا کام رہی ہے۔ چنانچہ ان کے نقل کردہ درودوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں چنانچہ آپ علامہ کے لکھے ہوئے کل سات عدد درود دیکھیں گے۔جن میں سے چھ درودوں میں نہ اصحاب ہیں اور نہ ازواج ہیں۔اوران کے متعلق ہم تو یہ کہیں گے کہ درود میں نہ اصحاب کو شامل کیا جا سکتا ہے نہ ازواج اس قابل ہیں کہ ان پر محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ درود بھیجا جائے۔لیکن علامہ اینڈ کمپنی یہ حیلہ کر سکتی ہے کہ ازواج واصحاب اور تمام مومنین چونکہ آل محمدؐ میں شامل وشریک ہیں اس لئے ان کا تذکرہ ان درودوں میں الگ سے کرنے کی ضرورت نہ تھی اور آل محمدؐ پر درود بھیجتے ہی تمام صحابہ اور ازواج ودیگر مومنین پر درود وسلام پہنچ گیا۔اگر اتنا ہی ہوتا تو پھر ہمارے لئے مشکل پیدا ہو جاتی مگر اپنی بدقسمتی سے دشمنان اھل بیتؑ نے ایسے درود بھی گھڑ دیئے جن میں ازواج کو لایا گیا اور آل محمدؐ کی جگہ رسولؐ کی ذریت کو بیان کیا گیا ہے۔وہ درود یہ ہے کہ۔ اَللّٰھُم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وذُرِّیّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ انَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 125)

اے اللہ تو محمدؐ اور اس کی ازواج اور اس کی ذریّت پر درود بھیج جس طرح تو نے ابراھیمؑ پر درود بھیجا تھا اور برکت نازل فرما محمدؐ اور اس کی ازواج اور اس کی ذریت پر جیسے کہ تو نے برکت نازل کی تھی ابراہیمؑ کی آل پر حقیقتاً تو وہ ہے جس کی حمد وثنا اور بزرگی بیان ہوتی چلی آئی ہے''

اس درود کا من گھڑت اور گھڑنے والوں کے لئے مصیبت ہونا۔

اس درود کو بار بار پڑھ کر یہ دیکھیں کہ صرف یہی اکیلا درود ہے جو باقی تمام منقولہ چھ درودوں سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس درود میں حضرت ابراہیمؑ والا دوسرا حصہ ناقص و نامکمل رہ گیا ہے۔ہم اس خانہ ساز درود کو ان تمام درودوں کے مستقل معیار پر لانے کے لئے وہ الفاظ بڑھاتے ہیں جو اس کے گھڑنے والوں سے رہ گئے ہیں۔

پہلا نقص یہ ہے کہ اس میں وہی کچھ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بھی ہونا چاہئے تھا جو حضرت محمدؐ کے لئے طلب کیا گیا ہے۔یعنی اسے یوں ہونا چاہئے تھا

پہلا حصہ حضورؐ کے لئے۔ اَللّٰھُم صل عَلٰی محمدؐ و ازواجه و ذریته.

''اے اللہ درود بھیج محمدؐ اور اس کی ازواج اور اس کی ذریت پر''

دوسرا حصہ جس کے مانند درود طلب کیا ہے۔ کماصلیت علٰی ابراھیمؑ (وازواجه و ذریته) ''جیسا کہ درود بھیجا تھا تو نے ابراہیمؑ (اور اس کی ازواج اور ذریت پر)''

پہلا حصہ حضورؐ کے لئے۔ وبارک عَلٰی محمدؐ و ازواجه و ذریته

''اور برکت نازل فرما محمدؐ اور اس کی ازواج اور ذریت پر''

دوسرا حصہ جس کے مانند درود طلب کیا گیا۔ کما بارکت عَلٰی (ابراھیمؑ وازواجه و ذریته) و آل ابراھیمؑ.

''جیسا کہ برکت نازل کی تو نے (ابراہیم اور اس کی ازواج اور اس کی ذریت) اور اس کی آل پر'' قوسین میں لکھے ہوئے افراد وہ ہیں جو اس درود میں قاعدے کے مطابق ہونا لازم تھے۔لیکن درود گھڑنے والوں نے حضرت ابراہیمؑ کو مثال میں رکھا مگر مثالی حصہ کو غلطی سے پورا نہ کر سکے۔بہر حال جس کے مانند درود طلب کیا گیا وہ حضرت ابراہیمؑ تھے اور چونکہ ان

کی ازواج درود میں شامل نہ تھیں اس لئے ازواج رسولؐ کو درود میں شامل کرنا غلط ہو گیا۔ اور جب ابراہیمؑ کی ازواج پر درود لکھا ہی نہیں تو ازواج رسولؐ پر درود لکھنا اور مانند کہنا بکواس بن گیا۔ پھر جب ذریت ابراہیمؑ پر درود نہیں تو ذریت رسولؐ پر کس کی مانند درود طلب کیا گیا اور کیوں؟ بہر حال اس خود ساختہ درود میں بھی ازواج، آل اور ذریت سے باہر رکھی گئی ہیں اور خود علامہ بھی ازواج کو نہ آل میں شمار کرتے ہیں نہ ذریت میں۔ چنانچہ خالی الذہن ہونے کی حالت میں یہ جملہ ان کے قلم سے نکلا ہے۔ سنئے:

''ثانیاً حضورؐ کی شان کرم نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ تنہا اپنی ہی ذات کو اس دعا کے لئے مخصوص فرما لیں بلکہ آپؐ نے اپنے ساتھ اپنی آل اور ازواج اور ذریت کو بھی شامل کر لیا''
(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 126)

بات ختم ہو گئی علامہ محض فریب دینا چاہتے تھے ورنہ ان کے اس بیان میں آل محمدؐ میں تمام اہل ایمان یا پوری اُمت تو کہاں خود رسولؐ کی ازواج اور ذریت بھی شامل نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ تمام مسلمان باطل پرست ہیں جو ازواج رسولؐ یا صحابہ رسولؐ کو درود میں شامل کرتے ہیں۔

ازواج رسولؐ ہرگز اہل بیتؑ یا ذریت رسولؐ میں داخل نہیں ہیں آخری فیصلہ

پہلے یہ سمجھ لیں کہ حضرات حسن و حسین علیہما الصلوٰۃ والسلام کی وہ تمام اولاد جو قیامت تک پیدا ہو گی ذریت رسولؐ ہے اور ان میں سے وہ لوگ جو حتیٰ الوسع پیروی محمدؐ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام میں ہر تکلیف برداشت کرنے میں تامل نہیں کرتے وہ مجازی طور پر آل محمدؐ کے پسندیدہ حضرات ہیں۔ لیکن حقیقی آل محمدؐ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پلہ اور ان کے متعین کردہ اور ان کے نور کے ٹکڑے علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور باقی آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ جن سب کو کُلُّنَا محمدؐ فرمایا گیا ہے جو سب نفس رسولؐ اور زبان و

جان رسوؐل ہیں۔اب آپ علامہ اینڈ کمپنی کی معتبر ترین کتابوں سے چند فیصلے سن کر یہ فیصلہ کر ڈالیں کہ نہ تو تمام اہل ایمان آل رسوؐل میں داخل ہیں نہ ازواج واصحاب، آلؐ واہل بیتؐ رسوؐل میں شامل ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں یہ بحث کرتے ہوئے کہ آیا غیر نبیؐ پر فرداً فرداً درود بھیجا جاسکتا ہے یا نہیں اس کے جواب میں بتایا گیا ہے کہ:۔

قال ابن القاسم اَلمختار ان یصلی عَلَی الانبیآء والملائکۃ وازواج النبیؐ صلعم وآلہ وذریتہٖ واھل الطاعۃ علی سبیل الاجمال ویکرہ فِی غیر الانبیاء لشخص مفرد کذا فی القسطلانی (بخاری جلد 2صفحہ 941 نور محمدؐ)

''ابن قاسم کہتے ہیں کہ جو مسئلہ اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر نبیّوں پر اور ملائکہ اور ازواج النبیؐ اور ہر نبیؐ کی آل اور نبیؐ کی ذریت اور تمام اطاعت کرنے والے مومنین پر اجمالی حیثیت سے درود بھیج دیا جائے تو ٹھیک ہے مگر کسی خاص شخص پر الگ درود بھیجنا مکروہ سمجھا گیا ہے۔جیسا کہ قسطلانی میں بیان کیا ہوا ہے''

اس بیان میں چھ مختلف افراد کا نام لیا گیا ہے۔ یعنی۔ا۔انبیّاء۔۲،ملائکہ۔۳،ازواج رسوؐل ۴،آل رسوؐل۔۵،رسوؐل کی ذریت۔۶،اور رسوؐل کے پیرو۔اگر علامہ اینڈ کمپنی کا عقیدہ صحیح ہوتا تو یہ چھ الگ اور مختلف افراد بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔لہٰذا ثابت ہوا کہ:

1۔ازواج رسوؐل، آل رسوؐل نہیں ورنہ الگ ذکر نہ ہوتا۔پھر

2۔رسوؐل کی ذریت بھی آل رسوؐل نہیں اس لئے الگ تذکرہ ہوا ہے۔پھر

3۔4۔انبیّاء وملائکہ بھی آل رسوؐل میں شامل نہیں ان کو الگ رکھنا ضروری ہوا۔

5۔رسوؐل یا اسلام کے پیرو بھی آلؐ رسوؐل نہیں ہیں۔اور یہی بات زیر بحث ہے۔

جسے ہم نے ہر ہر حیثیت سے باطل وبکواس بنا کر رکھ دینا ہے اور ہرگز مضمون کے طویل ہو

جانے کی پرواہ نہیں کرنا ہے اور یہ بھی ساتھ کے ساتھ دکھاتے جانا ہے کہ آل محمدؐ کو حکومت الٰہیہ سے الگ رکھنے والی حکومتوں کے لیڈروں اور علما نے حقائق سے کفر کرنے میں کس حد تک بد دیانتی جاری رکھی ہے۔ آیئے آپ کو قرآن کی مشہور آیت کی تفسیر صحیح مسلم سے دکھائیں۔

صحیح مسلم کی احادیث سے ازواج رسولؐ نہ تو آل رسولؐ ہیں نہ اہلبیت رسولؐ ہیں

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَ آبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُم وَاَنفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ (3/61آل عمران)دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وعلیہ وسلم عَلِيًّا و فَاطِمَةَ وحَسَناً وَحُسَيْناً فقال اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِی (مسلم کتاب الفضائل باب فضائل علیؑ جلد دوم صفحہ 278)

''جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلا لو اور ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلا لو اور ہم اپنے جان برابر لوگوں کو بلاتے ہیں تم بھی اپنے نفوس کو بلا لو'' تب رسولؐ اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور اللہ سے عرض کیا کہ اَے اللہ یہ ہیں میرے اہل۔''

لہٰذا علامہ نے حضرت عائشہ کی روایت میں غلط تصور پیش کیا تھا اور خود اپنی طرف سے لکھا تھا کہ ''تم تو اہلبیتؑ ہو ہی'' حالانکہ رسولؐ اللہ نے ان کی درخواست کے باوجود انہیں چادر میں داخل ہونے سے روک کر یہ بتایا تھا کہ تم جن معنی میں اہل بیت ہو اُن معنی میں تو گھر کے جانور بھی داخل ہوتے ہیں۔ یہاں بات ان لوگوں کی ہو رہی ہے جو میری جان و روح و نور میں برابر کے شریک ہیں۔ اور ان کی پاکیزگی کی حد یہ ہے کہ:۔

ازواج رسولؐ جو خوراک کھا سکتی ہیں وہ آل رسولؐ کے لئے ناپاک و حرام ہیں۔ ان دونوں

کے تقدس میں زمین و آسمان اور کفر و ایمان کا فرق ہے۔ چنانچہ حدیث ملاحظہ ہو جناب زید بن ارقم سناتے ہیں کہ۔

''زید نے بیان کیا کہ ہمارے درمیان رسولؐ اللہ خطبہ دینے لگے تو فرمایا کہ..... پھر آخر میں کہا کہ میں تمہارے درمیان دو ثقلین چھوڑ رہا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے اس سے تمسک رکھنا اور دوسری میرے اہل بیت ہیں۔

1۔ میں تمہیں اللہ کے حضورؐ اپنے اہلبیتؑ سے تمسک کی تاکید کرتا ہوں۔ 2۔ میں تمہیں اللہ کے حضورؐ اپنے اہلبیتؑ سے تمسک کی تاکید کرتا ہوں۔ 3۔ میں تمہیں اللہ کے حضورؐ اپنے اہلبیتؑ سے تمسک کی تاکید کرتا ہوں۔ زید سے پوچھا گیا کہ رسولؐ کے اہل بیتؑ کون ہیں؟ کیا رسولؐ کی ازواج رسولؐ کی اہل بیت نہیں ہیں۔ زید نے کہا کہ وہ اہل خانہ تو ہیں مگر اہلؑ بیت تو وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ کا مال کھانا حرام کیا گیا ہے۔ پوچھا گیا وہ کون کون ہیں؟ زید نے کہا کہ وہ علیؑ کی آل ہے، عقیل کی آل ہے، جعفرؑ کی آل ہے۔ اور عباس کی آل ہے پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے۔ زید نے کہا ہاں حرام ہے؟''

(صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 279 کتاب الفضائل باب فضائل علیؑ)

قارئین دیکھ لیں کہ ازواج رسولؐ آل رسولؐ میں ہرگز شمار نہیں ہیں اور ساری اُمت تمام علما متفق ہیں کہ ازواج رسولؐ پر صدقہ حرام نہ تھا۔ رہ گئے بقول زید آل علیؑ کے علاوہ دوسرے مذکورہ لوگ؟ ان سے ہمیں یہاں تعرض کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہنا ہے کہ عباس بنی ہاشم سے نہیں تھے یہ کھلا فریب ہے۔ اور اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ حضورؐ کو معلوم تھا کہ ان کی نام نہاد قوم اہلؑ بیت کے ساتھ ظلم و ستم کا رویہ اختیار کرنے کا انتظام کر رہی ہے۔ اس لئے تین مرتبہ اہلؑ بیت سے تمسک کی اپیل کی تھی۔ مگر جو کچھ

اہلؑ بیت کے ساتھ کیا گیا اسے تمام اقوم عالم جانتی ہیں اور یہ محرم کا مہینہ جو کل ختم ہوا ہے ان ہی کے ظلم وستم کی یاد دلاتا چلا آ رہا ہے۔اور مودودی اینڈ کمپنی نے ابھی اپنے ظلم وستم سے ہاتھ نہیں اٹھایا ہے وہ آج بھی ساری اُمت کو آل محمدؐ بنا کر خود بھی علیؑ و فاطمہؑ کے برابر ہو جانا چاہتے ہیں(لَعنتہ اللّٰه عَلَی الکاذبین) صحیح مسلم کے اگلے صفحہ پر پھر زید بن ارقم سے ازواج رسولؐ کے متعلق وضاحت چاہنے کا تذکرہ سن لیں۔

ازواج رسولؐ اہل بیتؑ رسولؐ نہیں تھیں۔انہیں اہل بیت رسولؐ کہنا غلط ہے

''چنانچہ ہم نے زید سے کہا کہ کیا ازواج رسولؐ، رسولؐ کے اہلؑ بیت نہیں؟ زید نے کہا کہ نہیں۔اس لئے کہ ایک عورت زوجہ بن کر دنیا میں ایک مدت تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔چنانچہ اگر وہ اس عورت کو طلاق دے دے (یا مر جائے) تو وہ عورت اپنے باپ اور اپنی قوم سے ملحق ہو جاتی ہے رسولؐ کے اہل بیت تو اس کی بنیاد سے تعلق رکھتے ہیں اس کے قریب تر عزیز ہوتے ہیں۔چنانچہ رسولؐ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے''
(ایضاصفحہ 280)

یہاں زید نے سابقہ بیان میں آئے ہوئے لفظ ''رسولؐ کی بیویاں گھر والوں میں شمار ہیں'' کی وضاحت کرتے ہوئے انہیں خارج کر دیا ہے۔

علامہ نواوی ازواجِ رسولؐ کو مذکورہ احادیث کی تشریح میں اہلؑ بیت نہیں مانتے ہیں۔

اب قارئین اہل سنت کے ایک زبردست عالم کی تشریحات ملاحظہ فرمائیں جو صحاح ستہ کے شارحین میں ایک سربرآوردہ شارح ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''رسولؐ اللہ کا یہ فرمانا کہ میں تم میں دو ثقل چھوڑ رہا ہوں اس کے لئے علما نے یہ کہا ہے کہ ثقلین ان دونوں یعنی قران اور اہلؑ بیت کی عظمت شان اور بزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔اور زید کا یہ کہنا

کہ اہلؑ بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہوا ہے ہمارے نزدیک صدقہ کا مطلب زکوٰۃ ہے اور وہ بنی ہاشمؑ اور مُطلب کی اولاد پر حرام ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ صرف بنی ہاشم پر حرام ہے اور کہا یہ بھی گیا ہے کہ قصیؑ کی اولاد پر بھی صدقہ حرام تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام قریش پر بھی صدقہ حرام تھا۔ اور دوسری روایت میں یہ جو کہا کہ پھر ہم نے پوچھا کہ کیا رسولؐ کی ازواج اہلؑ بیت ہیں تو زید نے کہا کہ نہیں رسولؐ کی ازواج اہلؑ بیت نہیں ہیں۔ زید کا یہ انکار اس بات کی مستحکم دلیل وثبوت ہے کہ قریش پر ہرگز صدقہ حرام نہ تھا۔ یہ قول باطل ہے اس کی مثال یہ ہے کہ رسولؐ کی بیویاں عائشہ، حفصہ، ام سلمہؑ، سودہ اور ام حبیبہ قریشی عورتیں تھیں۔ اور پہلی روایت میں یہ جو کہا کہ رسولؐ کی ازواج اہلؑ بیت تو ہیں مگر اہلؑ بیت تو وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زید نے ازواج رسولؐ کو اس بنا پر اہلؑ بیت کہا کہ وہ تمام لوگ اہل خانہ یا گھر والوں میں شمار تھے جو رسولؐ کے مکانوں میں سکونت رکھتے تھے۔ چنانچہ رسولؐ کی بیویوں وغیرہ پر صدقہ حرام نہیں تھا۔ اور زید نے یہ جو کہا کہ ایک عورت ایک مدت کسی کے نکاح میں رہتی ہے مطلب یہ ہے کہ پھر وہ الگ ہو جاتی ہے۔ اس کے اہل بیت میں نہیں رہتی ہے۔ (صحیح مسلم ایضا صفحہ 279 وصفحہ 280)

ہم سمجھتے ہیں کہ علامہ اینڈ کمپنی کی کافی درگت بن چکی ہے اور دشمنی اہلؑ بیت ثابت ہوگئی ہے ساتھ ہی محمدؐ وآل محمدؐ کی شان واضح تر ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ اور ان تمام مومنین پر لعنت واقع ہو چکی ہے جو محمدؐ وآل محمدؐ کو اذیت دیا کرتے تھے یا آئندہ اذیت دینے والے تھے۔ (33/57-58)

☆☆☆☆☆

ذنب واستغفار

(گناہگار و قصوروار اور بخشش کا طلبگار نبیؐ (معاذ اللہ)

ترجمہ شاہ رفیع الدین:
''پس صبر کر تحقیق وعدہ اللہ کا سچ ہے اور بخشش مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور پاکی بیان کر ساتھ تعریف پروردگار اپنے کے تیسرے پہر اور صبح کو''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بَالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِO
(سورۃ المومن آیت 55)(40/55)

ترجمہ شاہ رفیع الدین:
''تو کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں سے اور جو کچھ پیچھے ہوا اور تو کہ تمام کرے نعمت اپنی اوپر تیرے اور دکھلاوے تجھ کو راہ سیدھی''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَاتَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًاO
(سورۃ الفتح آیت 2)(48/2)

قارئین کرام یہ دونوں آیات مثال کے طور پر تحریر کی گئی ہیں جن میں لفظ ''ذنب'' آیا ہے ایسی ہی آیات کو ذریعہ بنا کر صاحبانِ زیغ نہ صرف یہ کہ خود گمراہ رہتے ہیں بلکہ عوام کو بھی گمراہ کرنے کے لئے ایسی ہی آیات کا نام نہاد سہارا لیتے ہیں۔اسی گروہ نے ''ذنب'' کے معنی گناہ اور قصور کر لئے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا سرزد ہونا اور اس گناہ سے طلب استغفار کرنا ثابت کیا جا سکے۔اس لئے کہ آپؐ کی جانشینی اور خلافت کو غیر

معصوم، خطا کاروں و گناہگاروں یہاں تک کہ خبیث الباطن لوگوں کے لئے جائز کر کے یزید و معاویہ کی خلافتوں اور حکومتوں کو خلافت الٰہیہ قرار دیا جا سکے۔اس ناہنجار مقصد میں انہیں ناکام کرنے کے لئے وہ تمام قربانیاں دی گئی تھیں جن کا منتہٰی امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ۔قرآن میں تحریف، عربی زبان کا ستیاناس، کروڑوں بے گناہوں کا قتل و غارت اور ساری دنیا کو فتنہ وفساد کی راہ پر گامزن کرنا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ تعلیمات خداوندی کو اپنے اجتہاد کے ماتحت لایا جا سکے۔

مادہ ''ذ۔ن۔ب'' اور ''غ۔ف۔ر'' سے بننے والے قرآن میں نازل شدہ الفاظ

ذنوبھم	3/11,3/135,5/49,6/6,7/100,8/52,8/54, 9/102,28/78,40/21	10
ذنوبنا	3/16, 3/147,3/193,12/97,40/11	5
ذنوبکم	3/31,5/18,14/10,33/71,46/31,61/12,71/4	7
ذنوب	3/135,17/17,25/58,39/53,51/59,51/59	6
ذنب	26/14,29/40,40/3,55/39,81/9	5
لذنبک	12/29,40/55,47/19,48/2	4
ذنبھم	67/11,91/14	2
	ٹوٹل	39

اسی طرح ''غ۔ف۔ر'' سے بننے والے مختلف الفاظ 234 مرتبہ نازل ہوئے جیسے:

غفور، نغفر، استغروا، غفرانک، یغفر، فاغفر، سیغفر، تغفروا.

ذنب کے حقیقی لُغوی معنی کرنے میں نہ کوئی قباحت ہے نہ دِقت

قارئین یہاں آپ زحمت فرما کر عربی سے اردو اور عربی سے انگریزی زبان کی دو معتبر ترین

ڈکشنریوں سے ذنب کے اوّلین معنی پر نظر ڈالیں۔

ذَنَبَ ـِـ ذَنُبًا

1۔کھوج لگانا، 2۔دُم کے پیچھے پیچھے چلنا، 3۔پیروی کرنا

4۔آگے والے کا نشان قدم نہ چھوڑنا، 5۔دُم کو زمین پر ٹکانا۔

ذَنَّبَ الْعَمامۃ: پگڑی کا شملہ لٹکانا،دُم چھلا لگانا،

ذَنَّبَ الکتاب: کتاب کا دیباچہ لکھنا، کتاب کا تتمّہ لکھنا،

ذنب الجراد: مکڑی کا انڈے دینے کے لئے زمین میں دھنسنا، کسی چیز میں دُم لگانا۔

ذنب oi ذَنُبًا	To track any one
ذَنَّبَ	To become spotted on its stalk(date)
ذَنَبَ ہ	To make a tail to a turban,
	To add an appendix to a book
تَذَنَّبَ	To follow a path , To make a tail to,
	To enter the end of a valley.

اگر آپ لغات کو برابر وہاں تک پڑھیں جہاں تک ’’ذ۔ن۔ب‘‘ سے بننے والے الفاظ لکھے ہوئے ہیں تو کہیں کہیں آپ کو گناہ اور قصور بھی لکھا ہوا مل جائے گا۔یعنی بعض لوگوں نے اس لفظ کو اپنی جہالت یا ادبی رنگین مزاجی سے گناہ یا قصور کی جگہ بھی رگڑ دیا ہے۔ جہالت اس لئے کہ اُنہیں عصیان و معاصی، اثم و آثم، خطا و خاطی، جُرم و مجرم کا نہ فرق معلوم تھا نہ صحیح استعمال کی خبر تھی۔شاعرانہ و ادیبانہ رنگینی اس لئے کہ یہ لوگ ابرو کو کمان اور شمشیر بنانے، اور نظر کو تیر لکھنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔اور حقیقی بات یہ ہے کہ تیرہ سو سال

سے حکومتوں کے خزانے قرآن کو اور عربی زبان کو متزلزل و مشکوک کرنے پر صرف ہوتے رہے ہیں اور ہم یہ تفصیلات جگہ جگہ لکھتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا قصور و قاصر اور قصر خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی کمی کرنے کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ذنب کے ترجمہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سب بکواس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ چونکہ رسولؐ اللہ پر لازم تھا کہ اللہ کی اُن تعلیمات کو مدنظر رکھ کر عمل کریں اور احکام دیں جو آدمؑ سے لے کر اُن کے زمانہ تک اللہ نے بھیجی تھیں۔ اُن کا مستقل فریضہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ کی تعلیم اور مطلوبہ نتیجہ کو سامنے رکھیں اور وہاں تک نوع انسانی کو لے جانے کے لئے مختلف طبیعتوں اور حالات کا کھوج لگائیں اور کامیابی کے لئے ایسی تدریج قائم کریں کہ عمل کرنے والوں کا ہر قدم اُس راہ پر پڑے یا اُس راہ کی طرف بتدریج مُڑتا جائے جو انتہائی طور پر مطلوب ہے۔ اِس تمام عمل درآمد کو لفظ ''ذنب'' سے ظاہر فرمایا گیا۔ چونکہ کسی چیز کے کھوج لگانے یا کسی کی قدم بہ قدم پیروی کرنے میں غلطی، خطا اور بھول چوک کا امکان ہے اور انبیاء علیہم السلام کو ہر لغزش و خطا اور بھول چوک اور گناہ یا عصیان سے پیدائشی طور پر منزہ اور معصوم رکھا گیا ہے اس لئے اللہ کی طرف سے ایسا داخلی و خارجی انتظام لازم ہے جس سے اُن حضراتؑ کا ہر خیال اور ہر عمل اور ہر حکم بلا ناغہ محفوظ و مامون رہے۔ اب اُس آیہ مبارکہ کو دیکھیں۔ وہاں رسولؐ اللہ کے ہر عمل کی گارنٹی دی گئی ہے۔

اللہ کے وعدے سچے اور پورے ہو کر رہیں گے۔ آنحضرتؐ کی راہنمائی قیامت تک کامیاب اور معصوم رہے گی۔

اب آپ مذکورہ آیت 40/55 کا ہمارا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''چنانچہ آپؐ ذرا صبر سے کام لیں اور اپنے متعلقات کے لئے تحفظ طلب کرتے رہیں اور

اپنے رب کی حمد وثنا میں صبح وشام تسبیح جاری رکھیں اور مطمئن ہو جائیں کہ اللہ کے وعدے سچ اور پورے ہوں گے‘‘ (سورۃ المومن 40/55)

سورہ فتح میں فرمایا گیا کہ: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا O لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا O وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا O (فتح 48/1-3)

’’یقیناً ہم نے اِس مقصد کے لئے کھلی فتح آپؐ کو دی ہے تا کہ اللہ تمہاری تحقیقی تنفیذِ اسلام (تمام تر اقدامات ومتعلقات) کے ماضی وحال ومستقبل کو قطعاً محفوظ کر دے اور اپنی نعمتوں کو آپؐ کے لئے پوری کر دے اور حسبِ سابق حال و مستقبل میں آپ کے نظام کی راہنمائی وہدایت کاری صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اور اب اور آئندہ تمہیں ہمیشہ غالب رہنے والی نصرت سے نوازتا رہے‘‘

قارئین ہمارے اس ترجمہ میں سابقہ پیراگراف کی معنوی وضاحت میں اس قدر اور اضافہ کیا گیا ہے کہ غَفَرَ، یَغْفِرُ ،مغفرۃ کے حقیقی معنی کئے گئے ہیں مِغْفَرٌ اُس ٹوپی (Helmet) کو کہتے ہیں جو سر پر اس لئے پہنی جاتی ہے کہ تلوار سے سر میں زخم نہ لگے۔ ہرڈکشنری ہماری تائید کرے گی۔ گناہوں کی بخشش اس لئے کہا گیا ہے کہ گناہوں سے محفوظ کر دینا، گناہوں پر کنٹوپ چڑھا کر انہیں چُھپا دینا مُرادی معنی ہیں۔ حقیقی معنی محفوظ کر دینا، غلاف میں محفوظ کرنا وغیرہ۔ پھر یغفر ،یُتِم، یَھدی، یَنصر مضارع کے صیغے ہیں۔ اُن میں حال اور مستقبل دونوں کے معنی ہوتے ہیں۔ دونوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ کھوج لگا کر پیروی کرنے کو ہم نے ’’تحقیق کر کے تنفیذ‘‘ قرار دیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ آنحضرتؐ کو گناہگار وخطار کہنا چاہتے ہیں اُن کا منہ بند کر کے کالا کر دیا گیا ہے۔

گناہوں کی بخشش کا مُسلّمہ قانون کیا ہے؟

اِس آیت (فتح 48/2) میں گناہوں کی بخشش کے معنی کرنے والوں کو بتا دو کہ قرآن کریم اور عقلِ سلیم جرم و گناہ کی بخشش کیلئے پہلے نمبر پر مجرم یا گناہگار کی شرمندگی اور انفعال کو ضروری قرار دیتے ہیں پھر اپنے جرم و گناہ پر توبہ اور طلبِ استغفار لازم ہے۔ یعنی عملاً اُس نقصان کو پورا کرنے میں انہماک اور دل سے خدا کے یا متعلقہ فرد کے رُوبرو مِنّت و لجاجت کے مطلوبہ معیار اور حد پر پہنچنا۔ اِس کے بعد بھی بخشنا یا نہ بخشنا متعلقہ فرد یا خدا کا احسان ہے۔ اُن پر لازم نہیں کہ وہ ضرور بخش دیں۔ پھر یہاں تو یہ بات ہی اُلٹ جاتی ہے یعنی ایک تو گناہگار ہے، معافی اور مغفرت طلبی اور شرمندگی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ پھر مجرم کو فتح مبین دی جاتی ہے تاکہ وہ فتح مبین اس کے جرائم یا گناہوں کو بلا طلب دھو ڈالے۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ بھی جس قدر گناہ یا جرائم کرے وہ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔ عقل اس قسم کی بات ماننے سے قاصر ہے۔ اور قرآن کا قانون اس کے خلاف ہے۔ ایک ایسی آیت بتلائی جائے جس میں گناہگار یا مجرم کو بلا طلب اور بلا توبہ بخش دیئے جانے کا وعدہ ہو یا جس میں کسی شخص کو مستقبل میں جرائم اور گناہ کی کھلی چُھٹی دی گئی ہو؟ ہے کوئی جو بات کرے؟ یا ہماری وضاحت اور معنی پر غلط ہونے کی دلیل قائم کرے؟ یعنی ہے کوئی مردود جو مسلمان بھی ہو اور رسوؐل اللہ کو (معاذ اللہ) گناہگار کہنے اور ثابت کرنے کیلئے ہم سے دو دو باتیں کرے یا خط و کتابت کرے؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بعض جہلا نے بریکٹ وغیرہ لگا کر ترجموں اور حاشیوں میں لکھا ہے کہ ''اَے رسولؐ آپ کی اُمت کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون'' مطلب واضح ہے کہ یزید و معاویہ، حجاج اور خود مترجمین کے اور اُن کے تمام بزرگوں کے گناہ قیامت تک معاف ہو گئے۔ لہٰذا بوسفیان وغیرہ جنتی ہیں۔

عفو۔ عفا۔ معاف (غلط کار اور معافی کا طلب گار رسولؐ (معاذ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَھُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ O (سورۃ التوبہ آیت 43)

ترجمہ علامہ مودودی:

''اے نبیؐ، اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی؟ (تمہیں چاہیئے تھا کہ خود رخصت نہ دیتے) تاکہ تم پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے'' (9/43)

سورہ انفال (8/5-7) میں اللہ و رسولؐ کے مخالف مومنین کیلئے کہا گیا ہے کہ ان مسلمانوں کو یہ پسند نہیں کہ رسولؐ کے حصے میں کوئی بھلائی یا اچھائی یا صحیح اقدامات آئیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو انہیں دکھ ہوتا ہے اور اگر رسولؐ کے مشن میں کوئی مصیبت یا بُرا نتیجہ نکل آتا ہے تو انہیں بہت خوشی ہوتی ہے (9/50)۔ یہی ذہنیت جناب علامہ مودودی میں اگر پائی جائے تو ہر شخص کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ بھی اسی اسلام سے تعلق رکھتے ہیں جو رسولؐ اللہ کے مخالف مومنین نے تیار کیا تھا (8/5-7)، فرقان (25/27-29) نساء (4/150-151)۔

چونکہ مذکورہ آیت (9/43) میں معافی کا ذکر ہے اس لئے علامہ کے لئے اچھا موقع تھا کہ یہاں رسولؐ اللہ کے (معاذ اللہ) غلط کار ہونے کا زیغ چسپاں کر دیا جائے۔ لہٰذا کمی یہ تھی کہ اس آیت میں رسولؐ کو مخاطب دکھایا جائے چنانچہ علامہ نے بلا تکلف اور بلا قوسین (بریکٹ) جملہ ''اے نبیؐ'' ترجمہ کی ابتدا میں لکھ دیا۔ حالانکہ آیت میں ''یَاَیُّھَا النَّبِیُّ'' نہیں تھا۔ پھر ترجمہ کے وسط میں ایک عدد بریکٹ لگا کر یہ جملہ بڑھا دیا کہ ''تمہیں چاہیئے تھا کہ خود رخصت نہ دیتے'' ان دونوں تصورات کے اضافے سے بات یہ

ہوگئی کہ رسوؐل وہ رسوؐل نہ رہا اور اللہ وہ اللہ نہ رہا جس کے متعلق اللہ نے یہ کہا تھا کہ:

1) وَمَایَنطِقُ عَنِ الْھَوٰیO اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیO (سورہ النجم۔4-3)

''اور نہیں بولتا خواہش اپنی سے، نہیں وہ مگر وحی کہ بھیجی جاتی ہے'' (رفیع الدین)

2) قُل.....اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوحٰی اِلَیَّO (10/15،46/9،6/50)

''کہہ دو کہ ۔۔۔نہیں پیروی کرتا ہوں میں مگر اس چیز کی کہ وحی کی گئی ہے طرف میری'' (رفیع الدین)

3)... فَاحْکُم بَیْنَھُم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَاتَتَّبِعْ اَھْوَاءَ ھُمْ .. (سورہ المائدہ۔48)

''پس حکم کر درمیان ان کے ساتھ اس چیز کے کہ اتاری اللہ نے اور مت پیروی کر خواہشوں ان کی کی'' (رفیع الدین)

اللہ نے ذمہ داری لی تھی کہ محمدؐ جو کچھ بھی بولتا ہے یا کہتا ہے وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے اور یہ کہ ہم نے اسے لوگوں کی ذاتی خواہشات کی پیروی سے منع کر دیا ہے لہٰذا وہؐ جو عمل بھی کرتا ہے وہ ہماری وحی کی پیروی میں کرتا ہے۔ سوچیئے کہ وہی اللہ خود اپنے سینکڑوں اقوال کے خلاف کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ محمدؐ نے لوگوں کی خواہش کی پیروی کر کے مجھ سے دریافت کئے بغیر، میری رضامندی اور پسند کے خلاف آدمیوں کو جنگ سے چھٹی دے دی؟

قارئین یہ بھی سوچیئے کہ اللہ نے یہ کیوں کہا کہ ''اللہ تجھے معاف کرے (عفا اللّٰہ عنک 9/43) کیا اللہ کا بھی کوئی اور اللہ ہے؟ اگر اللہ کو یہی کہنا ہوتا تو یہ کہتا کہ: ''میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ آئندہ ایسا نہ کرنا'' لہٰذا یہ قولِ خدا نہیں اور اگر اللہ ہی نے فرمایا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ اللہ خود رسوؐل کو دعا دے اور کہے کہ اللہ تجھے معاف کرے۔

علامہ مودودی آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) غلط کار و خاطی اور اللہ کی مرضی کے خلاف عمل کرنے

والا ثابت کرنا چاہتے ہیں اس لئے اپنے ترجمہ میں لفظ ''معاف'' جس غرض سے لکھا ہے وہ غرض ان کے بریکٹ میں لکھے ہوئے جملے سے ثابت ہے یعنی رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) اللہ کی اجازت اور مرضی کے خلاف کچھ لوگوں کو جنگ سے رخصت دے کر گناہ یا قصور کیا تھا اس لئے اللہ نے اس معافی سے بات شروع کی ہے جو اُردو زبان میں قصوروار کو دی جاتی ہے۔ ہم نے اس لفظ کے معنی بڑی تفصیل سے دکھائے ہیں۔ عربی زبان میں لفظ۔ عفا۔ عفو۔ کے معنی ہرگز بخشنا (PARDON) نہیں ہوتے بلکہ مستقبل کو بہتر، شاندار اور نقصان سے مبرا رکھنے کے لئے نظر انداز کرنا، صرفِ نظر کرنا، کسی کو اصلاح کا موقعہ دینا یا فاضل قرار دے دینا ہوتے ہیں۔ یہی لفظ سورہ بقرہ میں بھی انہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

سورہ البقرہ (2/219) میں ''انفاق'' خرچ کرنے کے متعلق سوال کے جواب میں یک لفظی جواب دیا گیا ''اَلْعَفْوَ'' جو بھی نظر انداز کیا جانا ممکن ہو۔ اسی پر محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ اور حقیقی مومنینؓ کا عمل تھا۔ یہ نظر اندازی، معافی کے معنی ہیں۔ یعنی مستقبل کو شاندار بنانے کے لئے مال و دولت اور لذتوں کو دنیا میں نظر انداز کر دو اور تمام انسانوں کی مادی، مالی اور روحانی قوت کو بڑھاتے چلے جاؤ اور ان میں جو سب سے غریب ہو اس کی خوراک و پوشاک سے خود کو نہ بڑھاؤ رفتہ رفتہ غربت کو دنیا سے رخصت کر دو اور اب لذائذ و نعماتِ خداوندی سے جنتیوں کی طرح لطف اندوزی جائز سمجھو ورنہ حرام سمجھو اور اپنی تمام قوت و وسائل غربت کے خلاف خرچ کر دو۔

بہر حال علامہ نے اپنے ترجمہ میں گویا یہ کہا ہے کہ: ''اَے نبیؐ تم نے ہماری بلا اجازت اور ہماری مرضی کے خلاف یہ اجازت دے کر غلطی اور قصور کیا ہے جس کی تمہیں معافی مانگنا چاہئے'' اس کے بعد علامہ اپنی تشریح میں وہ کمی پوری کر دیتے ہیں جو آنحضرتؐ کو خطا کار و گناہگار

ثابت کرنے میں رہ گئی ہے سنئے ارشاد ہے: ''بعض منافقین نے بناوٹی عذرات پیش کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مانگی، اور حضورؐ نے اپنے طبعی حلم کی بنا پر یہ جاننے کے باوجود کہ وہ محض بہانہ کر رہے ہیں ان کو رخصت عطا فرما دی تھی۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا اور آپؐ کو تنبیہہ کی کہ ایسی نرمی مناسب نہیں ہے رخصت دے دینے کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ اگر انہیں رخصت نہ دی جاتی اور پھر یہ گھر بیٹھے رہتے تو ان کا جھوٹا دعوائے ایمان بے نقاب ہو جاتا'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 197 حاشیہ 45)

قارئین ازراہِ خدا انصاف کریں کہ اس بیان کا قرآن سے کہاں تک تعلق ہے؟ اور یہ الزامات اللہ نے کہاں قائم کئے ہیں؟ یہ علامہ کی اپنی معاندانہ ذہنیت ہے جس میں رسولؐ اللہ جان بوجھ کر اللہ کی اجازت اور وحی کے بغیر کام کرتے ہیں۔ یعنی اللہ نے یہ کہتے ہوئے کچھ زیادہ غور و فکر نہ کیا تھا کہ: ''ان سب کو بتا دو کہ میں تو صرف وحی پر عمل کرتا ہوں'' (انعام 6/50، یونسؑ 10/15، احقاف 46/9) یعنی معاذ اللہ رسولؐ ہی غلط کار اور سرکش نہیں ہے بلکہ اللہ بھی ویسا ہی ہے وہ بھی بلا سوچے سمجھے ٹھیکہ لے لیتا ہے کہ ''وہ منہ سے کچھ بولتا ہی نہیں مگر یہ کہ وہ ہماری بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے وَمَایَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیO (سورہ النجم 4-3)

قارئین سورہ توبہ کی آیت 43 کے بعد آنے والی آیات (48-9/44) میں دیکھ سکتے ہیں جو کچھ رسولؐ اللہ نے کیا تھا وہ ان کو عالم الغیب ثابت کرتا ہے اور قرآن کی سینکڑوں آیات کی تصدیق ہوتی ہے کہ رسولؐ کا ہر خیال ہر بات اور ہر عمل سو فیصد اللہ کی مشیت، اللہ کے ارادہ اور اللہ کی رضامندی کے ماتحت وقوع میں آتے تھے۔ اور رسولؐ کا ان مومنین کو اجازت دینا، ان مومنین کا جنگ کے لئے نہ اٹھنا، خود اللہ چاہتا تھا۔ اور اگر رسولؐ

اللہ ان مومنین کو جنگ میں لاتے تو تباہی کا سبب بنتے یہ سب کچھ اللہ نے فرمایا اور علامہ نے پڑھا۔ مگر وہ اللہ و رسوؐل کے مخالف مسلمان لیڈروں کے مرید ہیں اس لئے انہیں موقع ملنے پر محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کو اپنے راہنماؤں کے برابر لانے کے لئے خاطی، غلط کار اور گناہ گار ثابت کرنے کی غلط کوشش کرنا لازم ہے۔

قارئین کرام نوٹ کر لیں کہ مادہ ع۔ف۔و سے بننے والے 35 عدد الفاظ مندرجہ ذیل مختلف صورتوں میں قرآن کریم میں نازل ہوئے اور ان سب میں عفو کے بنیادی معنی برقرار رہیں گے۔ **عـفـونا، فاعفوا، عفی، عفا، العفو، یعفون، یعفوا، تعفوا، واعف، و العافین، فاعف، عفوا، نعف، لعفو۔**

آخر میں قارئین کرام سورہ توبہ کی آیت 43 کا ترجمہ ہمارے قلم سے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

''اللہ تمہیں فی الحال (مستقبل کو بہتر، شاندار اور نقصان سے مبّرا رکھنے کے لئے) نظر انداز کرے، تم نے ان لوگوں کو جنگ سے چھٹی کی اجازت کیوں دے دی قبل اس کے تم پر سچ بولنے والے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ کو جھوٹوں کا بھی علم ہو جاتا''۔

☆☆☆☆☆

محمدؐ کے بندے یا اللہ کے بندے ؟ نجات کی بشارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ O (سورہ الزمر 39/53)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین:

''کہہ اے بندو میرے جنہوں نے زیادتی کی ہے اوپر جانوں اپنی کے مت نا امید ہو رحمت اللہ کی سے تحقیق اللہ بخشتا ہے گناہ سارے تحقیق وہی ہے بخشنے والا مہربان''۔

اس آیت میں اللہ نے محمدؐ کے بندوں کو نجات کی بشارت دی ہے لیکن دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے مشرکانہ عقائد و جذبات کو سخت ٹھیس لگی ہے۔ اس آیت پر گفتگو سے پہلے ایک علامہ صاحب کے تاثرات اور فتویٰ سن لیں تو ہم عرض کریں گے فرمایا ہے کہ:۔

حاشیہ 70 ''بعض لوگوں نے ان الفاظ (قُلْ یٰعِبَادِیَ) کی یہ عجیب تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ''اے میرے بندو'' کہہ کر لوگوں سے خطاب کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا سب انسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک ایسی تاویل ہے جسے تاویل نہیں بلکہ قرآن کی بدترین معنوی تحریف اور اللہ کے کلام کے ساتھ کھیل کہنا چاہئے۔ جاہل عقیدت مندوں کا کوئی گروہ تو اس نکتے کو سن کر جھوم اٹھے گا۔ لیکن یہ تاویل اگر صحیح ہو تو پھر پورا قرآن غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن تو از اوّل تا آخر انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ قرار دیتا ہے۔ اور اس کی ساری دعوت ہی یہ ہے کہ تم ایک اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بندے تھے۔ ان کو اللہ نے رب نہیں بلکہ رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اور اس لئے بھیجا تھا کہ خود بھی اس کی بندگی کریں اور لوگوں کو بھی اس کی بندگی سکھائیں۔ آخر کسی صاحب عقل آدمی کے دماغ میں یہ بات کیسے سما سکتی ہے کہ مکہ

معظّمہ میں کفار قریش کے درمیان کھڑے ہو کر ایک روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یکا یک یہ اعلان کر دیا ہو گا کہ تم عبدالعزٰی اور عبدالشّمس کے بجائے دراصل عبد محمدؐ ہو۔ **اعاذ نا اللّٰہ من ذٰلک** ''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 379)

<u>علامہ کے مشرکانہ جذبات کو سخت ٹھیس لگی ہے۔بلبلا کر انہوں نے معنوی تحریف کہہ دی ہے</u>

علامہ چونکہ وہابی یعنی مشرک العقیدہ ہیں اس لئے ان کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اورانہوں نے چند ایسے اتہام لگا دیئے ہیں جن کی گنجائش کسی طرح نکالی نہیں جا سکتی۔ یہ تو صحیح ہے کہ شیعہ سنی مفسرین نے یہاں محمدؐ کے بندے سمجھا اور ہم نے بھی ترجمہ میں یہی لکھا ہے۔مگر اس میں یہ کہاں سے لایا گیا کہ:

1۔محمدؐ اور محمدؐ کے بندے خدا کے بندے نہیں ہیں؟ اور یہ کہ:

2۔محمدؐ کی بھی بندگی کیا کرو؟ یا یہ کہ:

3۔محمدؐ اپنے بندوں کے تنہا پروردگار ہیں اور اللہ کے محتاج نہیں؟

4۔یا یہ کہ محمدؐ نے لوگوں کو خدا کی بندگی نہیں سکھائی؟

یہ چار عدد تہمتیں ایسی ہیں جن کا کوئی وجود نہ ہے نہ تھا اور نہ کسی کلمہ گو نے ایسا لکھا یا مانا ہے۔اور جوش غضب میں علامہ نے یہ کہہ دیا کہ'' قرآن از اوّل تا آخر انسانوں کو صرف اللہ کا بندہ قرار دیتا ہے'' اور حواس باختگی میں یہ بھول گئے کہ قرآن تمام عربوں کے پاس ان کے بندوں کی موجودگی بتاتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے بندوں (**عِبَادِکُمْ وَ اِمَائِکُمْ**) اور بندیوں کے نکاح کر دو (نور 24/32) اور ان کو بندہ بنا کر رکھنے والوں پر فضل و کرم کرنے اور انہیں مستغنی کر دینے کا وعدہ کرتا ہے (24/32) اور علامہ بہت ناراض ہیں کہ محمدؐ کو عربوں کے برابر کیوں کر دیا اور کیوں ان کے بندے مان لئے گئے؟

علامہ نہیں چاہتے کہ محمدؐ کا کوئی بندہ ہو۔اس لئے کہ عربوں کے بندے ماننے سے شرک نہیں ہوتا بلکہ وہ عین توحید پرستی ہے۔ پھر علامہ کو یہ بھی یاد دلائیں کہ اللہ نے قرآن میں دو عدد ایسے بندوں کی مثال دی ہے جنہیں ''عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا'' فرمایا ہے (نحل 16/75-76) اور علامہ نے ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کرتے ہوئے بھی جس طرح عربوں پر غصہ نہ کیا تھا۔ یہاں بھی انہیں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا علامہ کاذب وملعون ہیں اس لئے کہ وہ قرآن کے بیانات کو جھٹلاتے ہیں اور صاف مُکر جاتے ہیں کہ قرآن میں صرف اللہ کے بندوں کا ذکر ہے۔انسانوں کے بندوں کا تذکرہ نہیں ہوا۔حالانکہ ہم نے یہ دو حوالے قرآن ہی سے پیش کر دیئے ہیں۔

علامہ نے آیت (39/53) کے ترجمہ پر معنوی تحریف کی تہمت لگائی ہے۔

اب ہم دکھاتے ہیں کہ آیت (39/53) کا ترجمہ وہی ہے جو مفہوم میں سمجھا گیا ہے واقعی اللہ ہی نے یہ فرمایا ہے کہ اے محمدؐ تم کہہ دو کہ اے میرے بندو (قُلۡ يٰعِبَادِیَ) یعنی تم ''اپنے بندوں سے کہہ دو'' اگر اللہ کو یہ کہلوانا ہوتا کہ ''کہہ دو کہ اے اللہ کے بندو'' تو آیت کے الفاظ یوں ہونا چاہیں تھے۔'' (قُلۡ يٰعِبَادَ اللّٰهِ) اسی مطلب کو اللہ نے یوں بھی فرمایا ہے کہ:

1) قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا (ابراہیم 14/31)

علامہ کا ترجمہ: ''اے نبیؐ میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو''۔

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 487)۔

اگر اللہ اپنے بندوں کو مخاطب کرنا چاہتا تو آیت (39/53) میں یہی الفاظ فرما دیتا جو اس آیت (14/31) میں فرمائے ہیں۔اللہ کو علامہ والے مقصد کو بیان کرنا آتا تھا اور قرآن

میں بار بار اپنے بندوں کو یوں بھی مخاطب کروایا ہے۔ مثلاً:

2) قُلْ لِّعِبَادِیَ یَقُولُوا الَّتِی ھِیَ اَحْسَنُ (بنی اسرائیل 17/53)

علامہ کا ترجمہ ''اور اے محمدؐ میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو'' (ایضا 17/53 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 623)

ان قرآنی مثالوں کے بعد اب علامہ کی ایک بات سنیں:

''اس کے بعد جو لوگ قرآن سے ..... مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے تک کا سلیقہ نہیں ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 258)

علامہ حضور نے اپنی تفہیم القرآن میں ایک خود ساختہ قرآن تیار کیا ہے اور اپنے ان بزرگوں اور راہنماؤں کی تمنا پوری کر دی ہے جنہوں نے رسوؐل اللہ سے کہا تھا کہ یا تو آپ ایک دوسرا قرآن پیش کریں جس کی تعلیمات سے ہم بھی تعاون کر سکیں یا پھر اسی قرآن میں عوامی و قومی و ملکی مصلحتوں کے ماتحت معنوی تبدیلی کا اصول مان لیں (یونس 10/15)

علامہ نے ان تمام قرآنی حقائق کا یا تو انکار کیا ہے۔ یا ان پر پردہ ڈالا ہے جن حقائق کو ان کے اپنے علمائے صالحین و مترجمین و مفسرین مانتے اور لکھتے چلے آئے تھے۔ یہاں اس آیت (39/53) میں اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''اے محمدؐ تم میری طرف سے کہہ دو'' یہ بھی نہیں کہا کہ ''اے محمدؐ تم میرے بندوں سے کہہ دو (قُلْ لِّعِبَادِیَ)'' علامہ اینڈ کمپنی اس خطاب کو مسلمانوں سے مخصوص نہیں کرتی ہے بلکہ ایک عام خطاب قرار دیتی ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو کیا اللہ یہ کہنا بھول گیا تھا کہ '' قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ '' اے محمدؐ کہہ دو کہ اے لوگو'' قارئین یاد رکھیں کہ یہاں (39/53) لفظ قُل کے بعد جو کہا گیا ہے وہ اللہ نے نہیں فرمایا

بلکہ محمدؐ سے اور محمدؐ کی طرف سے کہلوایا ہے۔ محمدؐ فرما رہے ہیں کہ:

''اَے میرے بندو'' اور محمدؐ کے بندوں کے سربراہ جناب علی مرتضی علیہ السلام نے اعلان فرمایا تھا کہ میں محمدؐ کے بندوں میں سے ایک چھوٹا سا بندہ ہوں۔

(اَنا عَبِیدٌ مِنْ عِبَادِ محمدٌ)۔

آیت (39/53) کا حقیقی یا باطنی بلا رعایت ترجمہ محمدؐ کا یقین اور وعدہ

بہرحال ہم یہاں بتا دینا چاہتے ہیں کہ جب تک قرآن کے ساتھ کھلی زیادتی نہ ہو رہی ہو ہم عام مترجمین کے معنی و مفاہیم اختیار کرتے چلے جاتے ہیں اور الفاظ کے معنی کی بحث نہیں اٹھاتے تاکہ ضخامت مختصر رہ سکے لیکن جہاں بالکل دھاندلی، حق تلفی اور ظلم کیا گیا ہو وہاں ہم باطل کی تمام بنیادیں اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ہم پر واجب ہے کہ علامہ اینڈ کمپنی کو اس آیت (39/53) کا حقیقی ترجمہ دکھایا جائے اور جو قرآن کی مجموعی تعلیمات کو واضح کرتا ہو وہ ترجمہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ تمام مسلمان، عوام و خواص، کافر و منافق، مسلم اور غیر مسلم مانتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری کائنات کے لئے رحمتؐ فرمایا ہے (21/107 سورہ انبیاءؑ) اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

''اے محمدؐ تم کہہ دو کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں تم مجھ سے یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔ یقیناً اللہ میرے بندے ہونے کی بنا پر تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا اس لئے کہ وہ میرے بندوں کے لئے خاص طور پر غفور و رحیم ہے'' (39/53)۔

یہ ہے وہ ترجمہ جس سے قرآن کے وہ تمام بیانات ہم آہنگ رہتے ہیں جو

آنحضرتؐ کی پوزیشن پر دیئے گئے ہیں اور اس آیت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور تعمیل احکام میں اپنی سوجھ بوجھ ذاتی تجربہ اور عقلی تقاضوں، ذاتی یا جماعتی مصلحتوں کو دخل نہ دیں یعنی بالکل اسی طرح اطاعت کریں جیسے اپنے خالق و پروردگار اللہ کی کرنا چاہئے یا کم از کم اتنی اور اسی طرح کی اطاعت تو کریں جتنی عربوں کے غلام اپنے آقاؤں کی اطاعت کرتے ہیں۔ تو قارئین بتائیں کہ اس بیان و تصور میں وہ کونسی مصیبت ہے کہ جو علامہ کو پسند نہیں؟ کیا اللہ نے قرآن میں از اوّل تا آخر رسولؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت نہیں کہا۔ ۲۔ کیا رسولؐ کے حکم پر دل میں پوشیدہ کراہت پر جہنمی اور ایمان سے خارج نہیں کیا۔ ۳۔ کیا رسولؐ کے حضور میں غلاموں کی طرح رہنے کا بار بار حکم نہیں دیا۔ ۴۔ کیا رسولؐ کے سامنے ہر قسم کی بلند آوازی کو حرام نہیں کیا۔ ۵۔ کیا ان کی بے چوں و چرا فرمانبرداری واجب نہیں کی۔ ۶۔ کیا ان کے نافرمان کو جہنمی نہیں کہا۔ ۷۔ کیا رسولؐ کو اپنی جان و مال و اولاد و اعزاء سے عزیز تر رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ ۸۔ کیا اللہ کی اطاعت سے رسولؐ کی اطاعت کو الگ کرنا کفر حقیقی نہیں ہے؟ سارا قرآن رسولؐ کی بندگی واجب کرنے کے لئے بھرا پڑا ہے لیکن یاروں نے ہمیشہ رسولؐ کی مخالفت کی اسی لئے لعنتی ٹھیرے۔

☆☆☆☆☆

اللہ تمام کائنات کا رب، لیکن محمدؐ صرف دنیا کے محدود انسانوں کے لئے رحمت؟

رب العٰلمین ، رحمة للعٰلمین ،نذیر للعٰلمین

1۔رحمٰن: یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی صفات سے مخصوص ہے۔اوّل اس لئے کہ وہ تمام صفات کا خالق ہے۔دوم اس لئے کہ اس نے ہمیں اور ساری مخلوقات کو بہترین اور موزوں ترین صورت وشکل اور صفات وخصوصیات عطا کر کے پیدا کیا ہے۔جن کو حاصل کرنے کے لئے کسی مخلوق کو نہ علم ہی تھا۔نہ ہی کسی نے انہیں حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت کی تھی۔نہ کسی کا کوئی حق اللہ پر واجب الادا تھا۔یہ عطیات ہی اسے رحمٰن ثابت کرتے ہیں۔اور اس نے اپنی صفت رحمانیت کو مسلسل جاری وباقی رکھنے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تمام صفات کا عموماً اور صفت رحم ورحمانیت کا خصوصاً مظہر بنا کر پیدا کیا تھا۔ اور آپؐ کے نور ہی کے توسط سے اپنی تخلیق کی ابتداء فرمائی تھی۔اور آپؐ کو اوّلین مخلوق کا مقام بلند عطا فرمایا تھا۔آپؐ ہی اللہ کا نور وعرش وکرسی ولوح وقلم ہیں۔آپؐ کی تخلیق وتربیت لاتعداد ولامحدود زمانہ تک جاری رہی تاکہ ہر مخلوق عالم وجود میں آتے ہی رحمت خداوندی کی آغوش میں تربیت وتکمیل کا موقع پائے۔اور کسی لمحہ رحمت سے محروم نہ رہ سکے۔

2۔رحیم: یہ لفظ اُس صاحب اختیار وارادہ وقدرت ہستی کے لئے بولا جانا چاہئے جو کسی کی خود مختارانہ کوشش ومحنت کے صلے میں خوش ہو کر بطور جزا رحم کرے یعنی وہ محنت وکوشش کرنے والے کو اُس کے حق سے زیادہ بدلہ عطا کرے۔اللہ کے بعد یہ لفظ رسولؐ اللہ کی ایک مستقل صفت ہے۔(توبہ 9/128) باقی لوگوں کے لئے رحم وکرم کے الفاظ عارضی و محدود ہوتے ہیں۔

3۔رب العالمین: رب کے معنی میں کسی چیز کو باقی رکھنے اور ترقی کرانے کا تمام سامان فراہم کرتے رہنے کا سارا انتظام اور اہتمام داخل ہے۔اسی اصول پر ماں باپ کو بھی رب کہا گیا ہے(بنی اسرائیل 17/24)اور فرعون کو بھی رب کہا ہے(یوسفؑ 12/41-42,50) لہٰذا اللہ تمام عالمین کا صرف خالق ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کائنات میں موجود تمام مخلوقات کو اپنی مقرر کردہ ایک خاص مدت تک باقی رکھنے اور ترقی کرانے اور دوسری مخلوقات سے استفادہ کرانے کا انتظام واہتمام بھی کرتا ہے۔ تاکہ تمام عالمین میں پھیلی ہوئی ساری مخلوقات آپس میں مربوط رہ کر اللہ کے آفاقی وانتہائی مقاصد کی تکمیل میں سرگرم رہ کر اپنے اپنے حصہ کے فرائض انجام دیں۔

4۔عالمین :اس سورج سے استفادہ کرنے والے دس بارہ ستاروں میں سے ایک ہماری زمین بھی ہے۔سورج کے اس خاندان کو ایک عالم یا سدیم کہتے ہیں۔ایسے کروڑوں بلکہ لاتعداد سورج اور ان کے خاندان یا عَالَم اللہ نے پیدا کئے ہیں۔اور یہ تخلیق ابھی جاری ہے۔ اور نا معلوم زمانہ تک جاری رہے گی۔یعنی عالمین میں برابر وسعت ہوتی چلی جارہی ہے۔ نئے نئے سورج چاند اور ستارے عدم سے وجود میں لائے جارہے ہیں۔لہٰذا یہ ماننا لازم ہے۔کہ ان تمام عالمین کا اور جو کچھ ان کے اندر مخلوق موجود ہے۔ان سب کا خالق ورازق ومعبود اور رب اللہ ہے۔کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔وہی موت اور حیات کا خالق ہے۔ وہی عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔وہی فنا اور بقا کا مالک ہے۔اور یہی رب العالمین کے معنی ہیں۔

5۔رحمۃ للعٰلمین : اور جب یہ عالمین پیدا کئے گئے تھے۔اس سے کروڑوں سال پہلے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا گیا تھا۔اسی زمانے سے آنحضرتؐ کو ان

عالمین کے لئے اپنی رحمانیت ورحیمی اورربوبیت ورزاقیت کا ذریعہ و وسیلہ قرار دیا تھا۔ اوراس عظیم الشان حقیقت کوقرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

وَمَاارْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَO(سورہ الانبیاء 107)

''آپؐ کو بھیجنے کی غرض اس کے سوا اور کچھ تھی ہی نہیں کہ آپؐ کوتمام عالمین پر رحمت بنادیا جائے''

لہٰذا جب سے مخلوق ہے۔اللہ کی صفتِ ربوبیت برسرکار ہے۔اوراسی زمانہ سے قیامت تک آنحضرتؐ تمام عالمین کی مخلوقات کے لئے رحمتؐ ہیں۔لیکن رسالت مآبؐ کے دشمن آپؐ کو صرف اورصرف دنیا کے لئے اورصرف تریسٹھ سال کے لئے رحمت مانتے ہیں۔

بطورِ ثبوت علامہ مودودی کا ترجمہ پڑھیئے:

''اَے محمدؐ ہم نے جوتم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیاوالوں کے حق میں ہماری رحمت ہے''
(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 189)

اس ترجمہ میں دوہری خباثت موجود ہے۔اوّل یہ کہ علامہ نے عالمین یا ساری کائنات کو تبدیل کرکے دنیا بنایا اور پھر ساری دنیا بھی نہ رہنے دیا بلکہ دنیا میں صرف انسانوں تک محدود کردیا۔باقی دنیاوی مخلوق کو خارج کردیا۔دوسرے یہ کہ اللہ نے محمد مصطفیٰ کو رحمت بنایا مگر علامہ نے حضورؐ کو رحمت نہیں مانا البتہ تشریح میں یہ لکھ مارا ہے کہ:

''۱۰۰ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ (یعنی ہے نہیں بلکہ ہوسکتا ہے مطلب یہ کہ علامہ کو یقین حاصل نہیں ہے) کہ: ''ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 192)

بات صاف ہے کہ علامہ آنحضرتؐ کو دوسرے درجہ میں اور وہ بھی صرف دنیا کے ان انسانوں

کے لئے رحمت مانتے ہیں جو اعلان نبوت کے بعد حضورؐ سے متعلق تھے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ حضورؐ کو ساری کائنات کی ہر مخلوق کے لئے رحمت قرار دیتے ہیں۔

6۔نذیر للعٰلمین : اور چونکہ کائنات یا عالمین میں ایسی مخلوقات ہیں جن کو اللہ نے عقل و ارادہ وقدرت واختیار بھی دیا ہے۔ سوجھ بوجھ اور اچھے بُرے اور مفید ومضر کی تمیز بھی حسب ضرورت دی ہے۔ لہٰذا ایسی مخلوق کو ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اچھا بُرا اور مفید ومضر سمجھانے اور تمیز کرانے اور اچھے وبُرے نتائج پر متنبہ رکھنے کے لئے بھی اپنے رحمۃ للعالمین ہی کو پوری کائنات کے لئے نذیر للعالمین بنا دیا تھا۔ چنانچہ یہ ذمہ داری بھی قرآن کریم نے یوں بیان فرمادی ہے کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِی نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیرا O(الفرقان 1)

''بڑی ہی برکتوں والی ہے وہ ہستی (اَلَّذِی) جس نے اپنے بندے پر صحیح وغلط اور حق وباطل اور مفید ومضر میں تمیز (فرقان) نازل کردی تاکہ وہ بندہ تمام عالمین کے لئے اچھے بُرے نتائج سے خبردار رکھنے والا (نذیر) بن جائے''۔

اور یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ:

وَرَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ O(الاعراف 156)

''میری رحمت کسی خاص علاقہ یا کسی خاص زمانے یا کسی خاص مخلوق کے لئے محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہر ہر مخلوق کو بہرہ اندوز کرنے کے لئے پوری کائنات کی ہر شے تک پھیلی ہوئی ہے''۔

☆☆☆☆☆

مستقل انعام یافتہ حضرات جو کبھی بھی معتوب اور گمراہ نہیں ہوئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ O

(سورہ الفاتحہ آیت 7)(1/7)

ترجمہ: علامہ مودودی:

''''اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ،جو معتوب نہیں ہوئے ،جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں''

ہمارے سوا تمام سابقہ شیعہ سنی ترجمے اور تفسیریں غلط تھیں

مودودی کا یہ ترجمہ بھی ہمارے مضامین کی جھلک دیکھ لینے کی بنا پر صحیح ہو گیا ہے۔ ورنہ وہ بھی تفہیم سے پہلے برابر غلط ترجمہ کرتے رہے تھے اور یہ صحیح ترجمہ نقل کر لینے کے بعد بھی انہیں حقیقت حال معلوم نہ ہو سکی بہر حال تمام مترجمین اور مفسرین نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن O(سورہ فاتحہ) سے یہاں دو پارٹیاں مراد لی ہیں۔ایک پارٹی اللہ سے انعامات پانے والی اور دوسری پارٹی جو اللہ کے غضب میں مبتلا ہوئی اور گمراہ رہی لہٰذا انعامات پانے والی پارٹی کی راہ کی راہنمائی طلب کی گئی اور گمراہ پارٹی کی راہ سے جدائی کی دعا کی گئی۔

مترجمین ومفسرین نے دو طرح کی غلطیاں کی ہیں۔

پہلی غلطی ترجمہ میں کی گئی ہے یعنی ایک پارٹی کو دو پارٹیاں بنا لیا گیا ہے۔فرمایا یہ گیا تھا کہ ہمیں اس پارٹی کے راستے پر چلانا جس پر صرف اور ہمیشہ انعامات ہوتے رہے ہیں۔جس پر نہ اللہ کو غصہ کرنے کا موقع ملا اور جو کسی حال میں بھی گمراہ نہیں رہی دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس پارٹی کے راستے کی راہنمائی کرنا جس کو نہ کبھی **ضال** کہا گیا

ہو نہ لفظ **غضب** اس کے لئے استعمال ہوا ہو۔

مودودی کی تشریح بھی منشاء سمجھنے میں مدد کرتی ہے۔

مودودی کی تشریح نمبر 10 کہتی ہے کہ :

''یعنی ''انعام'' پانے والوں سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں۔ جو بظاہر عارضی طور پر تیری دُنیوی نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ مگر دراصل وہ تیرے غضب کے مستحق ہوا کرتے ہیں اور اپنی فلاح وسعادت کی راہ گم کئے ہوتے ہیں۔'' اس سلبی تشریح سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ ''انعام'' سے ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور خدا کی خوشنودی کے نتیجے میں ملا کرتے ہیں نہ کہ وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو پہلے بھی **فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں** کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں اور بدکاروں اور گمراہوں کو ملے ہوئے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 45)

انعامات اور عتاب وعذاب خداوندی عام رہے ہیں۔

مودودی کی تشریح نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ انعامات خداوندی فرعونوں وغیرہ پر بھی ہوتے رہے ہیں یعنی کسی کا انعام یافتہ ہونا کافی نہیں ہے۔ بلکہ مستقل انعام پاتے رہنا مطلوب ہے لہٰذا مودودی کے نزدیک جو راستہ مطلوب ہے وہ مستقل انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ میں جو دعا کی گئی ہے یہ تشریح اس کے خلاف ہے یعنی مودودی کے ترجمہ کی رو سے بھی ان حضراتؑ کے راستے کی راہنمائی کی دعا کی گئی ہے۔ جو لوگ انعام یافتہ ہوں اور جو نہ معتوب ہوئے ہوں اور نہ بھٹکے ہوئے ہوں اس دعا میں مستقل انعام پانے والے حضرات ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ **معتوب اور ضال** نہ ہوں۔ یعنی

انعامات کے دوران میں یا بعد میں یا پہلے ان پر عتاب نہ ہوا ہوا اور وہ ضال نہ رہے ہوں یعنی سورہ فاتحہ میں جن لوگوں کی راہ پر چلانے کیلئے دعا کی گئی ہے وہ بہت مخصوص حضرات ؑ ہیں یعنی جو کبھی اور کسی حالت میں اور کسی بھی حیثیت سے بھٹکے ہوئے نہ ہوں جنہیں ہمیشہ اور ہر حالت میں اللہ کی خوشنودیاں ہی حاصل رہی ہوں۔

یہی وہ حضرات (جناب سیدہؑ و آئمہ اہلبیتؑ) ہیں جنؑ کا راستہ سورۃ فاتحہ میں مطلوب ہے۔ یہ سورہ دینِ حق کے جامع بیان کے ساتھ ساتھ معصومؑین کا تعین کرتی ہے اسی لئے سورہ فاتحہ کی تلاوت پورا قرآن پڑھنے کے برابر ہے بلکہ سارے قرآن پر سورۃ فاتحہ کی عظمت ہے۔ انہی حضرؑات کی وجہ سے سورہ فاتحہ روزانہ دس مرتبہ پڑھنا سارے مسلمانوں پر اور رسوؐل اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض کیا گیا تھا۔

اس سورۃ میں دین حق کا جامع بیان ہے یعنی تمام اصول دین کا بیان ہے اعمال کا اجمالی تذکرہ ہے مگر تمام اعمال کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں صرف ایک دعا یا تمنا مطلوب ہے اور وہ ہے برقرار رہنے والے راستے پر چلنا۔ یعنی قطعاً صحیح افکار و اعمال و اقدام کرنا۔ یعنی باقی تمام مرادیں اس دعا کے اندر سما جاتی ہیں اور اس راستے پر گامزن رہنے سے ہر مطلوب از خود ملتا جاتا ہے۔ غرض آفرینش کا حصول یعنی حصول دائمی اور لامحدود قدرت بھی اسی سے ممکن ہے۔ اس دعا میں واضح الفاظ میں ہدایات خدا حاصل کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ یعنی وہ تمام احکامات و ضابطہ عطا فرمائیں جس سے ہم وہ راہ اختیار کر لیں جو ہمیں تکمیل مقصدِ تخلیق میں معاون ہو اور بلا تجربہ اور ضیائع وقت و محنت ہم صحیح رُخ برقرار رکھیں اور وہ راستہ جو نہ صرف برقرار رکھے بلکہ محض انعامات کی منزلوں سے گزارے۔ ضلالت و غضب خداوندی کی سرحدوں سے بچا کر منزل مقصود تک لے جائے اور چونکہ ہر شخص کی

مختلف ضروریات، صلاحیت اور استعداد ہوگی۔ ہر زمانہ کے انسان کے سامنے ایک مختلف ماحول ہوگا۔ لہٰذا لازم ہے کہ صراط مستقیم ہر ہر دور میں ہر ہر ماحول میں مستقلاً قائم رہے اور اس پر چلنے کا نمونہ دینے کے لئے ہر زمانہ میں وہ لوگ ؑ موجود رہیں جن پر یہ اعتماد و یقین ہو کہ ان کا ہر فعل ان کا ہر قول صراط مستقیم کی طرح بے خطر اور مستقلاً رضامندیٔ خدا کے مطابق ہو۔ اس لئے یاد دلایا گیا کہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے وہ لوگ ؑ ضروری ہیں جو اس راہ پر قائم ہوں جو کسی صورت ڈگمگاتے نہ ہوں۔ ان کی بتائی ہوئی ہر بات بے عیب اور عین صراط مستقیم کے مطابق ہوگی۔ یہ حضرات معصومین ؑ ہیں۔ یہ اُن کی ذمہ داری ہے کہ امت اور طالب حق کو صراط مستقیم پر گامزن کریں اور پورے سفر حیات میں اس پر قائم رکھیں اور ضلالت و گمراہی و غضب خداوندی سے محفوظ کریں۔

صراط مستقیم کی کوئی مستقل تفصیل دینا غلط ہوگا اس لئے کہ مختلف حالات میں مختلف لوگوں کے لئے راہ صواب مختلف ہوتی ہے۔ آنت اُترنے کی صورت میں پیٹ چاک کروا کر آنت کا کٹوا دینا صراط مستقیم ہے۔ قبض کے عالم میں جُلاب لینا عین حکمت اور از راہِ صواب ہے مگر ایک تندرست انسان کے لئے یہ دونوں راہیں راہِ غضب ہیں۔ اس بوقلموں صورتحال کو سہل بنانے کے لئے ان حضرات ؑ کا ذکر کرنا لازم ہو جائے گا جو سامنے موجود رہیں اور جن کا فکر و عمل ہمیشہ صراط مستقیم رہتا ہے۔ یعنی سورۃ الحمد نے معصومین ؑ کی اطاعت و اتباع واجب قرار دے کر ہر عامی و جاہل کے لئے صراط مستقیم قابل عمل بنا دی۔ ایسے انسان ہرگز نہ ملیں گے جنہوں نے کوئی بھی نیک کام نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ فرعون، ھامان، شداد و نمرود و شیطان تک کچھ نہ کچھ نیک کام کرتے رہے اور اُن سب پر کچھ نہ کچھ انعام بھی ہوتے رہے مگر ہم پر جن لوگوں کی اتباع واجب کی ہے وہ وہ لوگ ہیں جن سے کوئی ایسا کام

نہ ہوا جو اللہ یا بندوں کو ناپسند ہو جس کا نتیجہ غلط نکلے۔

سورۃ فاتحہ کو ہر نماز میں دو دفعہ واجب کیا ہے۔یعنی اس کا سمجھ کر پڑھنا روزانہ دس مرتبہ لازم ہوا۔یعنی ہمیں روزانہ دس دفعہ اُن لوگوں سے رابطہ قائم کرنا چاہئے جو مجسم صراط مستقیم ہوں۔نماز کو اسی لئے جماعت سے پڑھنا لازم کیا کہ اس کی امامت تمہیں اس رابطہ میں مدد دے گی۔یہ پیش نماز یا خود انہی حضراتؑ میں سے ایک ہوگا یا ایسا شخص ہوگا جو اُن سے رابطہ رکھتا ہو۔پھر ان حضراتؑ کی تفصیل خود نماز میں بتا دی یعنی تشہد میں اُن کی شہادت دینا لازم کیا۔ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا واجب کیا۔جن کا تذکرہ اگر نماز میں نہ ہو تو پوری نماز مردود ہے۔یعنی ایسے لوگوں سے سورۃ الحمد بھی قبول نہیں۔یعنی ان کا تمام اصول پر ایمان لانا کفر میں بدل جاتا ہے اور اس خبر سے ان کی اہمیت یوں ثابت ہو جاتی ہے کہ تمام قرآن اور اس پر ایمان و عمل اللہ پر ایمان، رسالت پر ایمان، معاد پر ایمان اور اعمال صالحہ تمام ایک طرف اور ان حضراتؑ پر صلوٰۃ وسلام دوسری طرف۔آخر الذکر نہ ہو تو اول الذکر مکمل کفر۔

☆☆☆☆☆

غیر تربیت یافتہ، نزول وحی اور منصب نبوت ورسالت کے لئے غیر موزوں رسولؐ (معاذ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الۡمُزَّمِّلُ Oقُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا O ....اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌO

(سورہ المزمل، آیات 20-1)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین:

''اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑا آدھی اس کی یا کم کر لے اس میں سے تھوڑا سا یا زیادہ کر لے اوپر اس کے اور آہستہ آہستہ یعنی واضح پڑھ قرآن آہستہ پڑھنا۔ تحقیق ہم ڈالیں گے اوپر تیرے بات بھاری۔ تحقیق اٹھنا رات کا وہ بہت سخت ہے کچلنے نفس کے میں اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو۔ تحقیق واسطے تیرے بیچ دن کے شغل ہے بڑا اور یاد کر نام پروردگار اپنے کا اور منقطع ہو جاؤ طرف اس کی منقطع ہو جانے کر، پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا نہیں کوئی معبود مگر وہ پس پکڑ اسی کو کارساز اور صبر کر اوپر اس چیز کے کہ کہتے ہیں اور چھوڑ دے ان کو چھوڑ دینا اچھا اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں صاحبوں آرام کے کو اور ڈھیل دے ان کو تھوڑی سی تحقیق نزدیک ہمارے بیڑیاں ہیں اور آگ ہے اور کھانا ہے گلے میں اٹکنے والا اور عذاب درد دینے والا اس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ اور ہو جاویں گے پہاڑ ٹیلے بھر بھرے تحقیق ہم نے بھیجا ہے طرف تمہاری پیغمبرؐ گواہی دینے والا اوپر تمہارے جیسے بھیجا تھا ہم نے طرف فرعون کے پیغمبرؐ پس نہ کہا مانا فرعون نے پیغمبرؑ کا پس پکڑا ہم نے اس کو پکڑنا بھاری پس کیوں کر بچو گے تم اگر کفر کرو گے تم اس دن کہ کر دیوے گا لڑکوں کو بوڑھے آسمان پھٹ جانے والا ہے ساتھ اس کے رہے گا وعدہ اس کا کیا گیا تحقیق یہ نصیحت ہے پس

جو کوئی چاہے پکڑ لیوے طرف پروردگار اپنے کے راہ تحقیق پروردگار تیرا جانتا ہے یہ کہ تو کھڑا رہتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی اس کی کے اور تہائی اس کی کے اور ایک جماعت ان لوگوں میں سے کہ ساتھ تیرے ہیں اور اللہ اندازہ کرتا ہے رات کو اور دن کو جانا یہ کہ ہرگز نہ نباہ سکو گے تم اس کو پس پھر آیا اوپر تمہارے پس پڑھو جو میسر ہو قرآن سے جانا یہ کہ البتہ ہوں گے تم میں سے بیمار اور اور لوگ ہوں گے کہ چلیں گے بیچ زمین کے چاہتے ہوں گے فضل خدا کے سے اور لوگ ہوں گے کہ لڑتے ہوں گے بیچ راہ خدا کے پس پڑھو جو آسان ہو اس میں سے اور قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا اور جو کچھ آگے بھیجو گے تم واسطے جانوں اپنی کے بھلائی سے پاؤ گے تم اس کو نزدیک اللہ کے وہ بہتر اور بڑا ہے ثواب میں بخشش مانگو اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورہ مزمل کے مقاصد پر نمازِ تہجد کا پردہ ڈال کر اور معنی بدل کر قرآن کے قاریوں سے چھپا لیا گیا اور غور و فکر کی راہیں بند کر دی گئیں۔

قریشی حکومتوں کی خانہ ساز تاریخ و روایات کی تائید و تصدیق کے لئے ضروری تھا کہ سورہ مزمل کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا جائے جو باقی قرآن کے ساتھ کیا گیا ہے چنانچہ ان کی روایات کا تقاضہ تھا کہ سورہ مزمل کا شان نزول نماز تہجد (یعنی رات کو سوتے سے اٹھ کر نماز پڑھنے) کے حکم پر مبنی رکھا جائے۔ حالانکہ ان کی بدقسمتی سے اس سورہ میں آنحضرتؐ کو کسی قسم کی نماز کا حکم دیا ہی نہیں گیا۔ یا یوں عرض کروں کہ اس سورہ میں نماز کو موضوع بنایا ہی نہیں گیا ہے۔ جب سورہ کے تمام اغراض و مقاصد مکمل کر دیئے گئے تو معمول کے مطابق نماز و زکوٰۃ و قرض حسنہ کو یاد دلا کر سورہ کو ختم کر دیا گیا۔ معمول کے مطابق اس لئے کہا کہ نماز و زکوٰۃ کو قرآن میں یاد دلاتے رہنا اللہ نے لازم رکھا ہے۔ بہرحال شیعہ و سنی مترجمین اور علما

نے اس سورہ میں نمازِ شب کا حکم دیا جانا لکھا اور مانا ہے۔

مودودی اینڈ کمپنی اس سورہ کے نزول سے پہلے آنحضرتؐ کی نمازِ شب کا اور نزول قرآن کو برداشت کرنے کی قابلیت کا انکار کرتی ہے۔

مودودی نے اس جھوٹ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اوّل: ''یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ان الفاظ کے ساتھ حضورؐ کو مخاطب کرنے اور پھر یہ حکم دینے سے کہ ''آپ اٹھیں اور راتوں کو عبادت کے لئے کھڑے رہا کریں'' یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یا تو آپؐ ''سو چکے تھے'' یا ''سونے کے لئے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھے'' اس موقع پر آپ کو ''اے نبیؐ'' یا ''اے رسولؐ'' کہہ کر خطاب کرنے کے بجائے ''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے'' کہہ کر پکارنا ایک لطیف اندازِ خطاب ہے۔ جس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ''اب وہ دور گزر گیا جب آپؐ آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتے تھے۔ اب آپؐ پر ایک کارِ عظیم کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جس کے تقاضے کچھ اور ہیں''

(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ حاشیہ 1 صفحہ 126) اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

دوم۔ ''نمبر 5۔ قولًا ثقیلًا۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کلام ہم تم پر نازل کر رہے ہیں'' جس کا بار اٹھانے کے لئے تم میں اس کے تحمل کی طاقت پیدا ہونی ضروری ہے اور یہ طاقت تمہیں اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم وبیش عبادت میں گزارا کرو۔ قرآن کو بھاری کلام اس بنا پر بھی کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا .....(وغیرہ) ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس بنا پر بھی اس کو بھاری کلام کہا گیا ہے کہ اس کے نزول کا تحمل بڑا دشوار کام تھا''

(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 128-127)

سوم ''اولاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپؐ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں تا کہ آپؐ کے اندر نبوت کے بارِ عظیم کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضورؐ کی نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوا ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس منصب کے لئے آپ کی تربیت کی جارہی تھی'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 124)

چہارم ''ثانیاً اس میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز تہجد میں آدھی رات یا اس سے کم وبیش قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ یہ ارشاد خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت قرآن مجید کا کم از کم اتنا حصہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قرأت کی جا سکے''

(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 124)

ان بیانات میں قرآن اور رسولؐ کے خلاف تہمتیں تراش کر اللہ و رسولؐ کی توہین کی گئی ہے۔

ان بیانات میں مندرجہ ذیل تہمتیں لگائی گئی ہیں

1۔ سورہ مزمل کے نزول سے پہلے آنحضرتؐ رات بھر پاؤں پھیلا کر آرام سے سویا کرتے تھے۔ یعنی رات میں کوئی دینی کام یا عبادت نہ کرتے تھے۔

2۔ سورہ مزمل نے آ کر آپؐ کو نماز تہجد کا حکم دیا یعنی سورہ مزمل کے نزول سے قبل نماز تہجد کا وجود نہ تھا۔

3۔ اللہ نے آپؐ کو ایسی حالت میں نبیؐ بنا کر قرآن نازل کرنا شروع کر دیا تھا جب کہ ابھی آنحضرتؐ یہ کارِ نبوت بجالانے کے قابل تھے نہ نزول وحی کا وزن برداشت کر سکتے تھے۔ یعنی تربیت یافتہ نہ تھے۔ اور بقول مودودی نبوت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اور اللہ اب

ڈانٹ ڈپٹ کر تربیت کر رہا ہے۔

4۔قرآن کو قولًا ثقیلًا قرار دیا اور اس کا مستقبل میں اترنا اس ترجمے سے مانا کہ ''ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں (73/5)''یعنی جو سورہ مزمل کے نزول تک نازل نہ ہوا تھا؟

5۔اگر قرآن ابھی مستقبل میں نازل ہونا تھا تو سورہ مزمل اور اس سے پہلے نازل ہو چکنے والی سورتیں قرآن سے خارج ماننا ہوں گی یعنی قرآن کے اس پورے حصے کو قرآن سے خارج کرنا ہوگا جس کی طویل قرأت کئے جاسکنے کو بیان چہارم میں مانا گیا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ:

6۔سورہ مزمل کو اور اس کے قبل نازل ہونے والی تمام سورتوں اور آیات کو نا قابل اعتبار بھی ماننا ہوگا۔اس لئے کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ ابھی تربیت یافتہ نہ تھے۔اور وحی کے نزول اور منصبِ نبوت کو برداشت کرنا ان کے قابو سے باہر تھا۔

مودودی اینڈ کمپنی کے پاس ان کے خودساختہ افسانوں کے علاوہ کوئی عقلی وقرآنی ثبوت نہیں ہے۔

علامہ نے یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ بہت کچھ اس اطمینان پر بلا دھڑک لکھ مارا کہ شیعہ سنی مترجمین اور مفسرین نے بھی یہی کچھ لکھا ہے۔لہٰذا قرآن کا قاری مجبور ہو کر یہ سب کچھ مانتا چلا جائے گا۔چنانچہ چودہ سو (1400) سال سے قرآن اور سورہ مزمل کے متعلق یہی کچھ مانا اور لکھا گیا ہے۔مگر ہم ساری دنیا کو دکھاتے چلے آرہے ہیں کہ قرآن کے معاملے میں یہ سب کچھ ابلہ فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

رسولؐ اللہ اعلانِ نبوت سے پہلے ہی شب و روز عبادت کیا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اللہ نے ''اوّلُ العٰبدین'' فرما کر (زخرف 43/81) اپنی عبادت میں سب سے پہلا عابد اور عبادت کو شروع کرنے والا فرمایا ہے لیکن قریشی پالیسی میں یہ ماننا لازم رہا ہے کہ نبوت مل چکنے کے بعد بھی حضورؐ ایک نااہل شخص تھے جن کو نبوت مل جانے کے بعد بھی تربیت کی ضرورت تھی اور جنہیں سوتے سے جگا کر عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حالانکہ آپ کا غارِ حرا میں عبادت کرنا قبل اعلانِ نبوت بھی ثابت ہے۔ مودودی کی زبانی بھی سن لیں:

''پھر آپؐ تنہائی پسند ہو گئے اور کئی کئی شب و روز غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارتے پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کے لئے سامان آپؐ کو مہیا کر دیتی تھیں۔ ایک روز جب کہ آپؐ غارِ حرا میں تھے یکا یک آپؐ پر وحی نازل ہوئی'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 392) معلوم ہوا کہ علامہ نے سراسر جھوٹی تہمت لگائی تھی جو ذات پاک لاکھوں سال عالم نوری سے لے کر عالم مادّی تک عبادت میں مصروف رہی ہو اور جس نے تمام مخلوق کو عبادتِ خداوندی کی تعلیم دی ہو اسے ساری رات پاؤں پھیلا کر آرام سے سونے والا کہنا ایک ایسا جھوٹ ہے جو تنہا جہنمی بناتا ہے۔

نمازِ تہجد کا حکم سورہ مزمل میں نہیں بلکہ سورہ بنی اسرائیل میں دیا گیا ہے (12 سال نبوت)

سورہ مزمل میں مذکور شب بیداری اور نماز تہجد ایک دوسری سے وابستہ مگر دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ شب بیداری نبوت کے اعلان سے بھی قبل جاری ہوئی تھی۔ اور اسی شب بیداری کے دوران جہاں اور فرائض ادا کئے گئے وہاں (12) بارہ سال بعد نماز تہجد کو بھی اس میں شامل

کر لیا گیا تھا۔ اللہ نے بڑے واضح الفاظ میں نمازِ تہجد کا حکم دیا اور اس کا مقصد بھی یوں بتایا ہے کہ:

نمازِ تہجد کا حکم مقامِ محمود سلطانؐ و ناصر عطا کئے جانے کے لئے دیا گیا تھا۔

''اور اسی قرآنی شب بیداری کے ذریعہ سے اپنے لئے بطور تحفہ طلبی نمازِ تہجد بجالاؤ اس لئے کہ اس طرح تیرے پروردگار کی جانب سے یہ امید ہے کہ وہ تمہیں مقام ستائش میں قیام عطا کرے گا اور یہ دعا کرو کہ اے میرے پروردگار تو مجھے داخلہ بھی صدق کی بنیاد پر دینا اور میرے خروج کو بھی سچائی کی بنیاد بنانا اور تو اپنی جناب سے مجھے مستقل نصرت کرنے والا سلطانؐ مرحمت فرمانا'' لہٰذا قرآن سے ثابت ہوا اور علامہ مودودی کی تصدیق موجود ہے کہ نمازِ تہجد سورہ بنی اسرائیل (17/79) میں واجب ہوئی اور یہ سورہ ہجرت سے ایک سال قبل یعنی نبوت کے بارہویں سال نازل ہوئی تھی (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 586)

لہٰذا ماننا ہوگا کہ سورہ مزمل میں نہ کسی قسم کی نماز کا ذکر ہے نہ قرآن پڑھنے کی بات ہے۔

علامہ کی تیسری تہمت میں اللہ و رسولؐ دونوں کو ان کے مقام سے گرا دیا گیا ہے۔

قریشی علما آنحضرتؐ کو شروع سے آخر تک نبوت و رسالت کے لئے موزوں نہ سمجھتے تھے۔ انہیں ایک عام ممکن الخطا آدمی کہتے تھے اپنے مقابلہ میں انہیں پاگل قرار دیتے تھے۔ ان کی تفہیم میں غلطیاں اور اپنے لیڈروں کی رائے کو وحی کا ہم پلہ قرار دیتے تھے یعنی وحی ان کی رائے کے مطابق نازل ہوتی تھی اور اکثر رسولؐ اللہ کے فیصلوں کی مذمت ہوتی تھی (تفہیم القرآن) لیکن اگر ہم علامہ اینڈ کمپنی سے وہ آیت طلب کریں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ''ہم نے محمدؐ کو تربیت دیئے بغیر ہی پہلے نبوت دے دی اور انؐ پر قرآن نازل کرنا شروع کر دیا تھا اور جب اتنا قرآن نازل کر چکے کہ آدھی رات سے زیادہ دیر تک پڑھا جا سکے تو

محمدؐ کی تربیت کے لئے سورہ مزمل میں رات کی عبادت لازم کر دی تا کہ وہ قرآن وصول کرنے کی قوت بھی حاصل کر لے''

یہ مضمون یا مفہوم شیاطین کے دماغوں اور ان کی تصنیفات کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا۔ قرآن کریم اس قسم کی بکواس سے اس لئے بلند و بالا ہے کہ ایسا تصور نعوذ باللہ خود اللہ کی ناتجربہ کاری ناعاقبت اندیشی اور لاعلمی کا ثبوت ہوتا۔ قرآن سے یہ تو ہر نبیؑ کے لئے ثابت ہے کہ اللہ نے اسے اس کے منصب کے لئے تیار کر کے مبعوث کیا لیکن اس کے خلاف کا وہم بھی قرآن سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یاد رکھیں کہ کسی نبیؑ کا نااہل ہونا، خطا کار ہونا لاعلم ہونا اللہ کی اپنی شان و مصلحت کے خلاف ہے۔

قرآن کو قولًا ثقیلًا قرار دینا نہ صرف نازل شدہ قرآن کے ایک حصے کو باطل کرنا ٹھہراتا ہے بلکہ قرآن کی مخالفت بھی ہے۔

سورہ مزمل تو یہ بتاتی ہے کہ وہ قول جس کو'' ثقیلًا ''فرمایا گیا ہے۔ مستقبل میں پیش آئے گا (73/5) لفظ'' سَنُلْقِی '' کے معنی ''مستقبل میں نازل کرنا'' نہیں ہیں۔ بلکہ مستقبل میں ''ملاقات کرانا ''رُودررُو آمنے سامنے ہونا ''دو چار ہونا'' Face to Face اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی نبیؑ کے لئے سب سے گراں بار یا بھاری قول وہ ہوسکتا ہے جو اس کی نبوت و رسالت کو خطرے میں ڈال دے۔ مثلاً یہ قول کہ'' **و ان لم تفعل فما بلغت رسلته** ''5/67)'' اور اگر تم نے بالفعل نہ کیا تو تم نے اللہ کی رسالت پہنچائی ہی نہیں''، یعنی جس کے نہ کرنے پر نبوت و رسالت ہی بے نتیجہ اور بے مقصد ٹھہر جائے اور جب تک اللہ یہ اعلان نہ کر دے'' **و اللّٰہ یَعْصِمُک من النَّاسِ ان اللّٰہ لا یَھدی القوم الکٰفرینَ** O (مائدہ 5/67)

''اور اللہ تجھے مخالف لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً حق کے چھپانے والوں کی راہنمائی اللہ نہیں کیا کرتا ہے'' تو اس قول کو منہ سے نکالنا ممکن نہ ہو۔ یہ تھا وہ سخت خطرناک وثقیل قول جس کو رسولؐ برابر ٹالتے رہے (5/67) اور اس وقت تک اس قول کی تعمیل نہ کی جب تک رسالت کے ضبط وضائع ہو جانے کی دھمکی اور تحفظ کا وعدہ نازل نہ ہو گیا (مائدہ 5/67)

سورہ مزمل کے مخصوص الفاظ کا قریشی ترجمہ نا قابل اعتبار ہونے کا صرف ایک ثبوت کافی ہے۔

مودودی قسم کے علما کے عائد کردہ اتہامات کا یہ مختصر جواب دیکھ لینے کے بعد اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ تمام مترجمین نے مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بدل کر وہ تصورات پیدا کئے تھے جن کو رد کرنے کے لئے ہم نے اپنی تین تشریحات پیش کی ہیں۔

جن الفاظ کے معنی بدلے گئے۔

1۔اَلمُزَّمِّلُ ۔2۔وَرَتِّل ۔3۔تَرتِیلًا۔4۔نَاشِئَةَ۔5۔وَطاً وغیرہ۔ان پانچوں الفاظ کے معنی پر الگ الگ بحث وتفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم یہ دکھا کر آگے بڑھ جائیں گے کہ قریش کے وظیفہ خوار علما اور ان کے ہم عقیدہ مترجم ومفسر قرآن کے ان تمام الفاظ کے معنی بدلتے رہتے ہیں جہاں ان کے مذہب پر آنچ آتی تھی۔ مثلاً مودودی صاحب نے الفاظ وَرَتِّل اور تَرتِیلًا کے معنی ''ایک مخصوص ترتیب'' کئے تھے۔ آیت ملاحظہ فرمائیں اور علامہ کا ترجمہ دیکھیں:

جہاں خطرہ نہ تھا وہاں صحیح معنی کرنے کی مثال

''.....بِهٖ فُوادَکَ وَرَتَّلنٰهُ تَرتِیلًاO(فرقان 25/32)

''منکرین کہتے ہیں کہ اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟؟۔ ہاں، ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور اسی

غرض کے لئے ہم نے اس (قرآن) کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 448)

جب سورہ مزمل میں اس خاص ترتیب کیلئے راتوں کی بیداری کا ذکر ہوا تو ترجمہ بدل دیا گیا۔

قارئین نوٹ کریں کہ جب سورہ مزمل میں وہی الفاظ آئے تو مودودی نے اس کی فکر نہیں کی کہ اگر کسی نے میرا پہلا ترجمہ یاد رکھا تو وہ مجھے کیا کہے گا؟ لہٰذا وہ خوش فہمی کا شکار ہوئے کہ مودودی اور ان کے بزرگوں نے اُمت کو قرآن کی تلاوت بطورِ ثواب تک محدود کر رکھا ہے اس کتاب کو بطورِ ہدایت تلاوت کرنے اور اپنی ہدایت و اجر و ثواب حاصل کرنے سے محروم کر دیا لہٰذا وہ مجبور ہوئے کہ قریش کی خانہ ساز تاریخ و روایات کی تائید میں اپنے ترجمہ کے خلاف معنی و مفہوم لکھیں:

اَوْ زِد عَلَیہِ وَرَتِّلِ القرانَ تَرتِیلًاO (73/4)

علامہ کا غلط ترجمہ ''یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''

(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 126)

اگر علامہ صحیح ترجمہ کرتے تو یوں ہوتا:

''اور قرآن کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دے دو''

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 448)

قریشی علماء کی بددیانتی ثابت ہوگئی تو سورہ فرقان (25/32) سے سورہ مزمل کا ربط اور خاص ترتیب کا مقصد بھی دیکھ لیں

قارئین پہلے یہ سوچیں کہ تفہیم القرآن لکھتے ہوئے علامہ کے سامنے پہلے سورہ فرقان آئی تھی اور اس کا ترجمہ و تشریحات انہوں نے تیسری جلد میں مکمل کی تھیں اور وہاں

آیت (25/32) کا ترجمہ صحیح کیا تھا جو آپ نے دیکھ لیا ہے۔اس کے بعد مودودی صاحب نے پارہ نمبر 19 سے نمبر 29 تک اور سورہ نمبر 26 سے لے کر نمبر 72 تک ترجمہ کیا اور چھٹی جلد شروع ہوگئی یہاں 73 ویں نمبر پر سورہ مزمل آئی تو ساتھ ہی علامہ کو یاد آیا کہ ان کے اولین بزرگوں نے سورہ مزمل کی تلخ حقیقت کو چھپانے کے لئے رسوؐل کو بھی چادر اُڑھا کر نماز میں لگا دیا تھا لہٰذا اگر وہ یہاں صحیح ترجمہ کر دیں تو ایک نہایت خطرناک سازش منکشف ہو جائے گی اس لئے غریب و مقلد علامہ نے رسوؐل اللہ کو ''خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے'' کا حکم نافذ کر دیا۔انہیں یہ وہم تک نہ ہوا تھا کہ کوئی شخص ان کے منفی و مثبت دونوں سروں کو ملا کر قریشی سازش و مودودی بددیانتی کو روشنی میں لے آئے گا۔اور ان کا سارا تانا بانا بکھیر کر رکھ دے گا۔

سورہ فرقان ایک یار کے بیان اور قریش و قرآن پر روشنی ڈالتی ہے۔

آپ سورہ فرقان کی آنے والی آیات کی عربی بھی پڑھیں اور ہمارا ترجمہ بھی دیکھیں اور ہمارے ترجمہ کے توضیحاتی الفاظ کو عربی کے اہم الفاظ میں تلاش کرتے ہوئے اگلی آیت (25/27-32) پڑھتے چلیں:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا O يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا O لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا O وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا O وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا O وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ

تَرۡتِيۡلًاO(سورہ فرقان 32-25/27)

''اور اس روز ایک معروف ومشہور مجسمہ ظلم صحابیٔ رسوؐل اپنا ہاتھ چبا چبا کر یہ بیان دے گا کہ ''اے کاش میں نے محمدؐ رسوؐل اللہ کے دین والا راستہ اختیار کیا ہوتا اور ان کی مخالفت سے باز رہا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی کاش میں نے فلاں لیڈر کو اپنا یار نہ بنایا ہوتا حقیقت یہ ہے کہ اسی میرے یار نے مجھے رسوؐل اللہ کے خلاف بیعت لینے کے لئے ایسی صورت میں بھی گمراہ کر دیا جب کہ مجھے ایسی حکومت کے لئے منع کر دیا گیا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ شیطان دوست اپنے انسانی دوستوں کو بے سہارا چھوڑ دیا کرتا ہے۔'' اور محمدؐ رسوؐل اللہ نے کہا کہ اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے قومی راہنمائی جاری رکھنے کے لئے قرآن سے ہجرت اختیار کر لی ہے''۔ اور ''اسی طرح سے ہم نے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ہر نبیؑ کے دشمن برابر قائم رکھے ہیں اور تمہارے قرآنی مشن کے لئے تمہارا پروردگار نصرت اور ہدایت کے لئے کافی ہے کہ قرآن صحیح صحیح لوگوں تک پہنچے۔'' قریش کے حق پوش گروہ نے چاہا اور کہا تھا کہ محمدؐ پر سارا کا سارا قرآن ایک دم کیوں نہیں اتار دیا گیا یہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہمیں کیوں سنایا جاتا ہے ان کے اعتراض کو قبول کر لیا گیا تھا اس لئے کہ آپؐ کا ذہنی خلجان بھی ثابت ہوتا جائے اور ان کا قرآن کو مہجور کرنا بھی بے اثر ہو جائے اور اسی لئے ہم نے تمہارے ہاتھوں قرآن کی وہ خاص ترتیب اور جز بندی کی تھی جو سورہ مزمل میں مذکور ہے''

سورہ مزمل اور سورہ فرقان قریشی سازش کو اور اس کے مقابلہ پر اللہ کے انتظام کو واضح کرتی ہے۔

سورہ فرقان نے قریش اور دو قریشی لیڈروں کی سازش کو سامنے رکھا ہے عہد رسوؐل میں قریش کے دو راہنما لیڈر اپنے آپس کے یارانہ اور دوستی کے حقوق کو رسوؐل کے

خلاف استعمال کرتے ہیں اور قریش کے اس اجماعی فیصلے کو پروان چڑھاتے ہیں کہ رسولؐ کے بعد رسولؐ کی منشاء کے خلاف حکومت کو خاندانِ رسالت میں، یعنی علیؑ کے ہاتھوں میں نہ جانے دیں گے۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103) چنانچہ قریش نے اپنی قومی حکومت قائم کی اور علیؑ و اولادِ علیؑ کو حکومت سے، وراثتِ رسولؐ سے، اور تمام انسانی حقوق ہی سے محروم نہیں رکھا بلکہ قومی پروپیگنڈے اور دولت و تلوار کی قوت سے انہیں اُمت میں ملعون بھی قرار دلا کر پوری مملکت کی مساجد اور منبروں سے ان پر لعنت جاری کی اور پورے خانوادۂ رسولؐ کا قتل عام کرایا۔ اور یہ سب کچھ کرنے کی اسکیم عہد رسولؐ ہی میں بنائی (بقرہ 2/204-205) اور قرآن کو مہجور کرنے (25/30) اور جھٹلانے (انعام 6/66) کی مہم شروع کی تھی۔ قیامت میں باز پرس کے دوران ان دونوں یاروں میں سے ایک یار نے اپنے ان ہاتھوں کو چبا کر بیان دیا ہے جن سے وفاداریٔ حکومت کی بیعت لی تھی اور بتایا ہے کہ رسولؐ نے اسے ایسا کرنے سے منع بھی کیا تھا مگر اسے اپنے اوپر غالب رہنے والے شیطان یار نے مجبور کیا تھا کہ وہ رسولؐ کی قائم کردہ راہِ ہدایت یعنی حکومت الٰہیہ علوؑیہ کے خلاف قریش کی قومی حکومت کی سربراہی اختیار کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے یار کے کہنے سے یہ گمراہی اختیار کی تھی۔ اور جب آنحضرتؐ نے قریش کی اس سازش کی شکایت کی کہ قریش اپنی قومی حکومت اور ادارۂ اجتہاد قائم کرنے کے لئے قرآن سے ہجرت کر گئے ہیں تو اللہ نے بتایا کہ ان کی ہجرت سے قرآن کا کچھ نہ بگڑے گا اس کا علاج اس مخصوص ترتیب اور جز بندی سے کر دیا گیا ہے جس کے لئے تمہیں راتوں کو کم جاگنے اور قرآن کی ترتیب و تدوین کے لئے سورہ مزمل کے احکام میں بھی تعینات رکھا گیا تھا۔ اور تیری حقیقی خلافت دنیا پر واضح کرنے کا اسی ترتیب و جز بندی میں انتظام کر دیا گیا ہے۔ یہ اس طرح کہ تلاوتِ

قرآن کا یہ انداز انہیں عنوانات وموضوعات کا قبل از وقت پتہ نہ چلنے دے گا۔لہٰذا وہ قرآن کے الفاظ میں ردوبدل سے محروم رہیں گے اور قرآن ساتھ کے ساتھ لوگوں کے حافظوں میں محفوظ اور تحریف سے بلند ہوتا چلا جائے گا۔اور انہیں قرآن کو اس کے حقیقی متن کے ساتھ شائع کرنا پڑے گا۔اور یوں ان کی معنوی ردوبدل بے کار ہو کر رہ جائے گی''

چنانچہ آج ہم قرآن کے متن ہی کی وجہ سے قریش کی سازشوں اور پالیسیوں کو سمجھے اور اس کے حقیقی ومربوط مفاہیم ومقاصد کو پیش کرنے کی توفیق پا سکے ہیں۔اور قرآن کے قاریوں کو اس توفیق سے محروم کرنے اور قریش کی سازش پر پردہ ڈالنے ہی کے لئے مودودی اینڈ کمپنی یا یھا المزمل کے معنی ''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے'' کرتی رہی ہے تاکہ نہ تو لوگوں کو تزمیل رفاقت نبوت وامامت کا پتہ چلے اور نہ اس شب بیداری اور نبوت کے رفیقؑ کی تربیت ونشونما کا علم ہو سکے اور نہ ہی قرآن کی عملی ترتیب اور لوح محفوظ والی ترتیب کا فرق معلوم ہو سکے۔

آیات (73/1-10) کا مفہوم قرآن اور صاحبانِ قرآن کے تحفظ کا ذمہ دار ہے

اس سورہ میں حضورؐ کو اسی صفت یا لقب سے یاد کیا گیا ہے جس میں آپ مصروف تھے یعنی آپؐ ولایت اور ولیؑ کو نبوت اور نبیؐ سے ہم آہنگ اور ردیف رکھنے کا وہ کام بڑے انہماک سے کر رہے تھے جس کے لئے اللہ نے یہ حکم دیا تھا کہ:

''یقیناً ہم ہی نے آپؐ کے اوپر قرآن کو اس کی بہترین صورت میں نازل کیا ہے تم تو اپنے پروردگار کے احکام پر صبر کے ساتھ عمل درآمد جاری رکھو اور ان میں کے سب سے نمایاں گناہ اور جرم پر رغبت دلانے والے اور حقائق پر پردہ ڈالنے والے لیڈر کی اطاعت نہ کرو۔اور اسے ناکام کرنے کے لئے علی الصباح اور شام اپنے پروردگار کے خاص نام کا تذکرہ جاری

رکھو اور رات کو اس نام کی مطلق اطاعت (سجدہ) کا انتظام کرو اور پھر رات کی طویل ترین لمبائی بھر اس کی ہمہ گیری کا بندوبست کرتے رہو" (سورہ دہر 76/23-26)

رات رات بھر شب بیداری کے دوران نمازِ تہجد واجب ہوئی۔

اس حکم پر پوری پوری رات عمل کرتے ہوئے جب کافی عرصہ گزر گیا تو بارہ سال بعد نماز تہجد بھی اس شب بیداری میں شامل کر دی گئی۔ اور مقامِ محمود اور ایک نصرت کرنے والے سلطانؑ کے عطا کئے جانے کی دعا شامل ہوگئی اور جب مقام محمود عطا کرنے اور سلطاؑن کے سپرد کرنے کا وقت آ گیا تو سورہ مزمل میں یہ رعایت دی گئی کہ شب بیداری کو اپنے اختیار اور حالات کے مطابق کم سے کم کر لیا جائے لہٰذا فرمایا گیا کہ:

1۔ اے نبوت و امامت کی رفاقت میں توازن کے خواہاں رسوؐل تم۔ 2۔ رات کو اٹھتے تو رہو مگر اس میں کمی کر دو۔ ساری رات مصروف رہنے کی جگہ۔ 3۔ اب اسے آدھی رات یا آدھی رات سے بھی کم کر سکتے ہو۔ چونکہ۔ 4۔ تمہیں القرآن کو مخصوص ترتیب دے کر مکمل کرنا ہے لہٰذا اگر ضرورت پڑے تو تم شب بیداری میں اضافہ کر سکتے ہو۔ یہ بات سمجھ لو کہ۔ 5۔ ہم مستقبل قریب میں تم پر ایک بہت گراں گزرنے والی بات کی ذمہ داری پیش کرنے والے ہیں۔ اور یہ نوٹ کر لو کہ۔ 6۔ رات کے دوران موعودہ سلطاؑن کی تربیت اور نشو ونما ذہنی ہمواری اور فیصلوں میں استقامت کے لئے سخت ضروری ہے۔ جو کہ۔ 7۔ دن کی طویل مصروفیات میں ممکن نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس سلسلے میں۔ 8۔ اپنے رب کے مخصوص نام کا پرچار برابر دن میں جاری رکھو اور غیر ضروری تمام چیزوں سے لاتعلق ہو جانے کا انتظام کرتے رہو۔ 9۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ مشرقوں اور مغربوں کا ربوبیت کرنے والا اللہ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا تم اسی کو اپنی طرف سے قریش کے مقابلے

میں وکیل بنائے رکھو اور ہرگز۔10۔قریش کی اور ان کے فیصلوں اور اقوال کی پرواہ نہ کرو۔ صبر کے ساتھ اپنا عمل درآمد جاری رکھو اور تم بھی ان کی طرف سے اسی قسم کی خوبصورت ہجرت اختیار کرلو جیسی انہوں نے قرآن سے ہجرت کر رکھی ہے (فرقان 25/30) اور۔ 11۔ان سے نمٹنے کے لئے مجھے اور ان تکذیب قرآن کرنے والوں (انعام 6/66) کو مہلت دے کر آزاد چھوڑ دو اور دیکھو کہ۔12۔ہم نے ان کے لئے بیڑیاں، آگ کے گڑھے اور دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

یوں قریش کے مستقبل کو اپنے ہاتھ میں لے کر اللہ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ جو آیات (73/1-18) میں یہاں تک بیان ہوا ہے ایک ایسا تذکرہ ہے (73/19) جس سے ہر اس شخص کو اللہ کی حقیقی راہ معلوم ہوسکتی ہے جو حقیقی راہ جاننا چاہے۔یعنی یہ تذکرہ ان تمام رکاوٹوں کو دور کرتا ہے جو حق طلبی و دین فہمی میں ڈالی گئی ہیں اور اس سے نماز تہجد وغیرہ کی بکواس کے سارے پردے ہٹ جاتے ہیں اور قریش کی وہ سازش سامنے آجاتی ہے جو قرآن کے ساتھ کی گئی تھی۔اور جو اَب تک مودودی اینڈ کمپنی کی طرف سے جاری ہے۔

قریشی لیڈروں کے مکروفریب کے جواب میں قرآن کی پالیسی۔

علامہ مودودی نے مانا ہے کہ قرآن ان پہلوؤں کو کھول کر سامنے لانے سے احتراز کرتا ہے جو مخالف محاذ کے لئے اشتعال یا حربہ کا کام دیں اور اس طریقے کو ''حکمت تبلیغ کا ایک اہم نکتہ'' قرار دیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 100، صفحہ 282)

لہٰذا قارئین نوٹ فرمائیں کہ قرآن میں جہاں جہاں یہ آیت آتی ہے کہ:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا O

(73/19,74/54,76/29 وغیرہ)

''یقیناً یہ ایک ایسا تذکرہ ہے جس سے اگر کوئی چاہے اپنے رب کی راہ جان سکتا ہے'' وہاں ہر جگہ صاحبانِ قرآن علیہم السلام کے متعلق یا قریشی سازش کی تفصیل کے متعلق آیات گزر چکنا بتایا جاتا ہے بالکل اسی طرح اور اسی اصول پر رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرمایا جاتا ہے کہ:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ .... الخ (مزمل 73/8، دھر 76/25)''اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہ'' سوال یہ ہے کہ پروردگار کے کون سے نام کا ذکر کیا جائے ؟ اور بہترین جواب یہ ہے کہ ''اس نام کا ذکر کیا جائے جو اس آیت سے پہلے آنے والی آیات میں پوشیدہ رکھے گئے نام سے ملتا ہو اور آیات میں مذکور مقاصد سے تعلق رکھتا ہو'' اور وہ نام ''علیؑ'' ہوتا ہے۔ جس کو سننا تک قریش کو گوارا نہ تھا۔ اور جسے منہ سے کہنا بھی گوارا نہ تھا۔ اور نام لینے کے بجائے۔ ''رجلٌ'' کہا جاتا تھا اور قریش کا بچہ بچہ، مرد وعورت جانتے تھے کہ وہاں رجل حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا گیا ہے۔ اور قریش کی اسی عداوت کی بنا پر حضوؐر نے بھی جنگ خیبر میں یہ اعلان کرتے ہوئے''رَجُلًا كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ''ہی فرمایا تھا'' کل میں ایک ایسے مرد کو علم دوں گا جو جم کر جنگ کرنے والا اور جنگ سے فرار کر جانے والوں کے علاوہ ہوگا'' یہی وہ نام ہے جس کو اللہ نے جگہ جگہ اپنی صفت کی آڑ میں رکھا ہے مثلاً فرمایا کہ:

1) حٰمٓ (2) ہم بیان کرنے والی مجسم ومکمل کتابؑ کی قسم کھا کر اعلان کرتے ہیں کہ (3) ہم نے اسی کو عربی زبان میں قرآن بنا دیا ہے تا کہ تم اپنی عقل سے اپنی مادری زبان میں اس کے احکام کو سمجھ سکو (4) اور یقیناً وہ عربی قرآن دراصل کتابوں کی بنیاد یعنی لوح محفوظ میں ہمارے یہاں ضرور بالضرور صاحب حکمت علیؑ ہے (5) کیا ہم تمہاری حدود شکن

قوم کی وجہ سے اور اس کی بدعنوانیوں کے خیال سے الذکرؐ کی بات بھی اٹھا رکھیں؟''

الفاظ کے معنی بدلنے کی ایک شرمناک اور عام فہم مثال

قارئین کو یہ تجربہ ہوتا چلا آیا ہے کہ علامہ رفیع الدین مرحوم کو ہم نے دشمنانِ آلِ محمدؐ میں شمار نہیں کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے ترجمہ میں بھی اکثر حقیقی معنی نہیں ہوتے پھر بھی ہم نے ان کو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں جہاں الفاظ کے غلط معنی اختیار کرتے ہیں وہاں عموماً ان کی سادگی اور اردو زبان کی بے چارگی سے ایسا ہوتا ہے مثلاً انہوں نے لفظ ثقیلاً کے معنی بھی بھاری (53/5) کئے ہیں اور لفظ وَّبِیْلًا کے معنی بھی بھاری (73/16) ہی کر دیئے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہمارے علامہ رفیع الدین کو نشانہ نہ بنانے کے یہ معنی نہیں کہ ان کے معنی ہر جگہ صحیح ہوتے ہیں۔ ہم نے علامہ مودودی کو اپنی تنقیدات میں ہر وقت اور ہر معاملے میں سامنے رکھا ہے اس لئے کہ وہ نہ صرف دینیات اور قرآن کے معاملے میں سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے ہیں بلکہ وہ اردو زبان کے بھی ماسٹر کہلاتے ہیں۔ اور ہم نے ان کی تصنیفات کا عموماً اور ان کی تفہیم القرآن کا خصوصاً تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مودودی اس دور کا سب سے بڑا اور خطرناک اور کامیاب دشمنِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام ہے اور اس دشمنی کے لئے انہوں نے بددیانتی چالاکی مکر و فریب کو ان کی پوری وسعتوں تک استعمال کیا ہے اور قلم سے وہ کچھ کہا ہے جو خلفائے بنی امیہ و بنی عباس تلوار سے نہ کر سکے۔ اس لئے اس ملعون کو ہم اپنی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ ذرا یہ دو ترجمے دیکھیں۔

1۔ یایھا المزمل (73/1) ''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے'' (تفہیم 6 صفحہ 126)

2۔ یا یھا المدثر (74/1) ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے'' (تفہیم 6 صفحہ 142)

نبیؐ کی نافرمانی کرنے والوں پر اللہ کے یہاں وبال اور مواخذہ لازم ہے۔

قریشی مذہب میں نبیؐ کی نافرمانی جائز کرنے کے لئے نبیؐ کو بھی کئی حالتوں میں تقسیم کر دیا ہے ۔یعنی جب اور جس معاملے یا مسئلے میں رسوؐل اللہ کی نافرمانی ضروری ہو جائے وہاں یہ کہہ کر نافرمانی کر لی جاتی ہے کہ ''فلاں حکم یا فیصلہ رسوؐل اللہ نے ذاتی طور پر یا اپنے ذاتی اجتہاد سے نافذ کیا تھا''یعنی اس ابلیسی مذہب میں رسوؐل کا وہی حکم ماننا واجب ہے جو وہ وحی کے ماتحت دیں لیکن اس مذہب کے کرتا دھرتا لیڈروں اور خلفاء نے تو وحی کے نازل شدہ احکام کی بھی خلاف ورزی اور مخالفت کی ہے ۔مثلاً رسوؐل اللہ کی وراثت اور حکومت، مؤلفۃ القلوب کا حق وحصہ اور خمس رسوؐل خود ہضم کر گئے ۔(قرآن وتاریخ سے ثابت شدہ حقائق)

آیت (73/20) میں اس پروگرام کے مکمل ہو جانے کی اطلاع ہے جس میں حضوؐر اور حضوؐر کے ازلی ساتھی مصروف تھے۔

سورہ مزمل کے ساتھ ساتھ قرآن کی مخصوص ترتیب اور حضوؐر کے جانشین علیہ السلام کی تربیت (نَاشِئَةَ) مکمل ہو گئی ہے۔اس طویل آیت میں بھی کہیں نماز تہجد کا ذکر نہیں ہے۔اور دلیل خود یہ الفاظ ہیں ''و اقیموا الصلوٰۃ''یعنی جو کچھ پہلے بیان ہوا اس میں کسی طرح کی نماز کا ذکر نہ تھا۔رعایت ملی ہے اس عمل درآمد میں جو سورہ دھر (76/26) میں نقطہ عروج پر تھا۔جسے سورہ مزمل (73/1-5) میں تکمیل اور رعایت کی جانب لایا گیا تھا اب آئندہ رسوؐل اللہ اور ان کے مخصوصینؐ جہاد اور عالمی تبلیغ (73/20) کا انتظام کریں گے۔رہ گئی نماز تہجد؟ (بنی اسرائیل 17/79) وہ تو خود رسوؐل اللہ کے لئے نفل تھی اس میں کمی کے تذکرہ کی ضرورت ہی نہیں۔

گھٹیا معنی اختیار کر کے توہینِ رسولؐ کی گنجائش نکالنا۔

ناپاک و پلید لباس والا (معاذ اللہ)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین: ''اَے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو پس ڈرا لوگوں کو اور پروردگار اپنے کی پس بڑائی کر اور کپڑوں اپنوں کو پس پاک رکھ اور پلیدی کو پس چھوڑ دے''	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ O وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ O وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ O (سورہ المدثر آیات 5-1)

1۔ دشمنانِ محمدؐ نے توہینِ محمدؐ کے لئے ہر گنجائش کو استعمال کیا۔

وہ حضرات جو لغات یا ڈکشنری کو الفاظ اور معنی کی تحقیق کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ وہ برابر یہ دیکھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ کے بہت سے معنی لکھ دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ عربی زبان کے الفاظ کے دو معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ہر لفظ کے لئے ایک مصدر اور مادہ ہونا لازم ہے اور اس مادہ یا مصدر سے بننے والے تمام الفاظ میں وہ مصدری معنی موجود ہونا (یا رکھنا) لازم ہیں۔ عربی میں ایک ہی لفظ کے دو یا زیادہ معنی سے دو چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔ اوّل جو عموماً ممکن ہے یہ ہے کہ ایک شخص کو عربی کا وہ حقیقی لفظ معلوم نہ ہو یا حافظہ سے غائب ہو جو اس کے صحیح مفہوم کو پیش کر سکے تو وہ مجبوراً کوئی دوسرا لفظ استعمال کر لیتا ہے جو مذکورہ مفہوم کے قریب قریب ہو۔ اور اگر یہ بھولنے والا یا حقیقی لفظ سے ناواقف شخص کوئی بڑی مشہور اسامی ہے تو وہ مجبوراً استعمال کیا ہوا لفظ فیشن کے طور پر استعمال ہونے لگے گا۔ اور استعمال کی سند میں اس مشہور ادیب و شاعر یا عالم کا نام پیش ہونے لگے گا۔ اس کے علاوہ دوسری چیز یہ ہوگی کہ کسی خطرے کی وجہ سے ایسے الفاظ استعمال کر دیئے جائیں جو ہمارے

تیار کردہ لوگوں میں کچھ دوسرے معنی رکھتے ہوں۔ تا کہ عوام ان الفاظ کے روزمرہ والے معنی کر کے ہم پر اعتراض نہ کریں بلکہ مطمئن ہو جائیں۔ یہ دو صورتیں عموماً پیش آتی ہیں۔ ان دونوں صورتوں سے ان لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا ہے جو قرآن کے الفاظ کے استقلال کو تباہ کرنے کی اسکیم بنا رہے تھے اور چاہتے تھے کہ قرآن سے اپنے مقاصد برآمد کرنے کے لئے الفاظ کے معنی میں ردو بدل کی جائے (فرقان 25/30) ان لوگوں نے الفاظ کو بڑی چابکدستی کے ساتھ ادل بدل کر اس طرح استعمال کیا کہ ایک ایک لفظ کے ماتحت سینکڑوں معنی داخل کر دیئے حتیٰ کہ وہ معنی بھی لکھ دیئے گئے جن کا اس لفظ کے مصدر سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں ملتا۔ یہ وہ فریب ساز گروہ تھا جو قریشی حکومتوں نے اپنی دولت اور اثر و رسوخ سے تیار کیا تھا۔ اسی کے ممبران نے ایسی لغات تیار کیں جن میں الفاظ کے حقیقی معنی کا ستیاناس کر کے رکھ دیا گیا۔ انہوں نے ایسی روایات گھڑیں جن میں الفاظ کا غلط استعمال کر کے حدیث رسولؐ کے رعب سے غلط معنی اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بہرحال آج آپ کو لغات میں ہر لفظ کے نیچے بہت سی بکواس بھی لکھی ہوئی ملتی ہے۔ اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ آپ کو ایک لفظ کے نیچے اچھے اور برے، اعلیٰ درجے کے اور گھٹیا معنی بھی ملیں گے۔ یعنی آپ کو مختار بنا دیا گیا کہ آپ مصدر و مادہ کی فکر کے بغیر جو معنی آپ کو پسند آئیں یا آپ کی ضرورت پر پورے اُترتے ہوں وہ اختیار کر لیں۔ اسی فریب سے قریشی حکومتوں نے اسلام میں سینکڑوں فرقے تیار کئے۔ قرآن سب کے پاس ایک ہی رہا اس لئے کہ قرآن کے اپنے الفاظ مستقل اور ہر قرآن میں ایک ہی تھے۔ کیا یہ گیا کہ ہر فرقے کے مترجم نے وہ معنی اختیار کر لئے جو اس کے مذہبی تصورات کی تائید کرتے تھے۔

(الف) کم از کم اللہ، رسوؐل اور قرآن کے لئے تو اچھے معنی کا انتخاب کرنا چاہیئے تھا؟

یوں ایک قرآن کے سینکڑوں مختلف و متضاد قرآن بن گئے ۔ بہرحال اگر ہم یہ تقاضہ ترک کردیں کہ ہر مترجم کو مصدر و مادہ کی پابندی کے ساتھ معنی کرنا چاہئیں ۔تو اتنا ضرور کہیں گے کہ آپ اچھے برے موزوں و بے ہنگم اور اعلیٰ و ادنیٰ معنی میں سے وہ معنی اختیار کریں جن سے اللہ و رسوؐل اور قرآن کی توہین نہ ہوتی ہو۔ہم اس پہلو پر سورہ مدثر میں آپ کو متوجہ رکھنا چاہیں گے۔اور بتائیں گے کہ قریشی مذہب کے علماء نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ معنی اختیار کئے ہیں جن سے رسوؐل اللہ کو ان کے معلوم و مشہور مقام سے نیچے اتار کر ہی صبر نہیں کیا گیا بلکہ انہیں ایک شائستہ اور عقلمند و نفاست پسند آدمی کی سطح سے گرا کر ایک گندہ، گھناؤنا اور بدبودار راہب، بت پرست اور جاہل مطلق آدمی کی صورت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ ہم وہ آدمی آپ کو دکھاتے ہیں تا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تصویر آپ کے سامنے آجائے جس میں قریشی علما نے آنحضرتؐ کو اپنے ترجموں میں پیش کیا ہے دیکھیئے اور علامہ مودودی سمیت جتنے ترجمے ملیں ان سے ہماری تصدیق کیجئے پھر ہمارا ترجمہ اور لغات کو دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا مسلمانوں نے توہین رسالت کی ہے یا نہیں:

(ب) قریشی علما کے ترجموں سے آنحضرتؐ کی تصویر اور مرقع کشی ملاحظہ ہو۔

اوّل: (1) اے ناپاک کپڑے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے شخص (74/1-4)

(2) فی الحال اسی ناپاک حالت میں اٹھ کر تنذیر شروع کردے۔(74/2)

(3) اور اللہ اکبر کے نعرے مارتا چلا جا۔(74/3)

(4) آئندہ اپنے کپڑوں کو پاک رکھنا۔(74/4)

(5) گندہ رہنا اور بتوں سے تعلق چھوڑ دینا۔(74/5)

یعنی ان خبیث لوگوں کا رسوؐل سورہ مدثر سے پہلے ایک گندہ گھناؤنا اور بتوں سے وابستہ اور اللہ کی کبریائی سے الگ رہنے والا شخص تھا۔ شیعہ لیبل کے قریشی علما کی تصویر میں بتوں کے علاوہ باقی سب کچھ یہی ہے۔

دوم۔قادیانی تصویر (1)اے بارانی کوٹ پہن کر کھڑے ہونے والے۔

(2)دور دور جا کر تنذیر کر دے۔

(3)اللہ کی کبریائی بیان کر۔

(4)اپنے پاس رہنے والوں کو پاک کر۔

(5)شرک کو مٹا ڈال'' (74/1-5)

اگر قادیانی واقعی کافر ہیں؟ تو قریشی شیعہ سنی مسلمان علما سے قادیانی ترجمانی بہتر ہے۔

(ج)لغات کے وہ معنی جو قریشی مسلمان علما نے اختیار نہ کئے۔

1۔''مدثر''۔ ہلاک کرنے والا۔مٹا دینے والا۔تھک جانے والا۔

2۔''ثیاب'' اپنے ساتھی لوگوں کو جمع کرنا۔صحت یاب ہونا۔اللہ کی طرف واپسی۔

3۔''رجز''لرزنا۔کانپنا۔تلاوت کرنا۔شعر تیار کرنا۔شعر پڑھنا

(د)قریشی علما کی عادت ہے اور ان کے لئے باعث مسرت بھی ہے کہ کوئی گھٹیا لفظ مل جائے تو چپکا دیں۔

سورہ مزمل کی طرح سورہ مدثر کی آڑ میں بھی رسوؐل کے لئے چند افسانے گھڑے گئے اور انہیں اس قدر شہرت دی گئی کہ دشمنانِ قریش (یعنی نام نہاد شیعہ) بھی ان افسانوں کو نہ صرف صحیح سمجھتے ہیں بلکہ ان کو موقع بموقع اپنی کتابوں میں لکھتے بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں چند ایسے توہین انگیز جملے ملاحظہ ہوں جن کا قرآن میں وہم تک بھی نہیں ہے۔

1۔ جبرائیلؑ کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہو گئے تھے۔

2۔(74/4) کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لباس کو نجاست سے پاک رکھو کیونکہ جسم ولباس کی پاکیزگی اور روح کی پاکیزگی دونوں لازم وملزوم ہیں۔اسی لئے آپ کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ اپنی ظاہری زندگی میں بھی طہارت کا ایک اعلیٰ معیار قائم فرمائیں۔(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 143-142)

3۔''ایک مدت تک آپؐ پر وحی کا نزول بند رہا۔اور اس زمانہ میں آپؐ پر اس قدر شدید غم کی کیفیت طاری رہی کہ بعض اوقات آپؐ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنے آپؐ کو گرا دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 138) یعنی نبوت مل چکنے کے بعد بھی خودکشی کو جائز سمجھتے تھے(اناللہ وانا الیہ راجعون)۔

4۔''ابتدائی تعارف کرا کے آپؐ کو کچھ مدت کے لئے چھوڑ دیا گیا تا کہ آپؐ کی طبیعت پر جو شدید بار اس پہلے تجربے سے پڑا ہے اس کا اثر دور ہو جائے۔اور آپؐ ذہنی طور پر آئندہ وحی وصول کرنے اور نبوت کے فرائض سنبھالنے کے لئے تیار ہو جائیں۔اس وقفہ کے بعد جب دوبارہ نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سورہ (مدثر۔احسنؔ) کی ابتدائی سات (7) آیتیں نازل کی گئیں''(تفہیم القرآن جلد6 صفحہ 139)

(ہ) یہ خانہ ساز توہین کے قصے اور روایات قرآن کے اور خود خانہ ساز روایات کے بھی خلاف ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قرآن کریم میں نہ کہیں حضورؐ کا جبرائیل سے خوفزدہ ہونا مذکور ہے نہ کہیں وحی کے بند رہنے کی بات ہے نہ خودکشی کرنے کا تذکرہ ہے۔یہ سب قریشی حکومتوں کی پالیسی کے کرشمے ہیں جس میں رسولؐ اللہ کو اس لئے اپنے ایسا گندہ،ناپاک،ناعاقبت

اندیش و جاہل اور خطا کار شخص ثابت کرنا ضروری تھا کہ وہ آنحضرتؐ کی جانشینی کے لئے موزوں ثابت ہو جائیں۔ چونکہ اللہ نے حضورؐ پر وحی بند کر کے انہیں وحی وصول کرنے اور فرائض نبوت سنبھالنے کا موقع دینے کی بات کہی ہی نہیں لہٰذا آنحضرتؐ کے متعلق یہ خانہ ساز قصہ بار بار غلط نکلا ہے۔ یعنی اگر اللہ نے یہ موقع دیا ہوتا تو یقیناً رسولؐ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے اور آئندہ (بقول علامہ) وحی وصول کرنے میں غلطی نہ کرتے۔ مگر وہاں تو (بقول قریشی) برابر غلطیاں جاری رہیں۔ سنئے کہ سورہ مدثر کے بعد اور مذکورہ وقفہ و موقع مل جانے کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں بھی آنحضرتؐ (معاذ اللہ) غلطی اور گڑبڑ کرتے رہے ہیں۔

اول۔ سورہ قیامت کو وصول کرتے ہوئے پھر غلطی کا ہو جانا۔

''یہ جملہ معترضہ (یعنی آیات 19-75/16) اپنے موقع و محل سے بھی اور روایات کی رو سے بھی اس بنا پر دورانِ کلام میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت حضرت جبرئیلؑ یہ سورہ حضورؐ کو سنا رہے تھے اس وقت آپؐ اس اندیشے سے کہ کہیں بعد میں بھول نہ جائیں اس کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے دھراتے جا رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نزول وحی کا نیا نیا تجربہ ہو رہا تھا۔ اور ابھی آپؐ کو وحی اخذ کرنے کی عادت اچھی طرح نہیں پڑی تھی'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 160)

دوم۔ وہ خانہ ساز روایت جس کی تائید میں قرآن کو موڑا گیا ہے۔

قارئین وہ روایت بھی دیکھ لیں جس پر قرآن کو ڈھالنا ضروری ہوا ہے۔

''اوپر ان آیات کے درمیان یہ فقرے بطور جملہ معترضہ آنے کی جو توجیہہ ہم نے

کی ہے وہ محض قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ (قریشی حکومتوں کی تیار کردہ۔مصنف) معتبر روایات میں اس کی یہی وجہ بیان ہوئی ہے ۔مسند احمد ،بخاری ،مسلم ،ترمذی،نسائی، ابن جریر،طبرانی،بیہقی اور دوسرے محدثین نے متعدد سندوں سے حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضورؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا تو آپؐ اس خوف سے کہ کہیں کوئی چیز بھول نہ جائیں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ وحی کے الفاظ دہرانے لگتے تھے'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 168)

یہ روایت اور اسی قسم کی ہزاروں روایات ہیں جن کو بنیاد مان کر قرآن کریم کی تفسیر کی گئی اور قرآن کے تمام حقائق کو چھپا دیا گیا۔اسی حکمت عملی کو آنحضرتؐ نے یوں بیان فرمایا تھا کہ میری زندگی ہی میں میرے متعلق باطل احادیث گھڑی جارہی ہیں ۔اور یہ کہ جب تمہیں کوئی حدیث سنائے تو دیکھو کہ وہ قرآن اور میرے عمل کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اسی کی اللہ سے شکایت فرمائی تھی (فرقان 25/30) بہرحال یہ معلوم ہوگیا کہ قریشی روایات کی رو سے آنحضرتؐ برابر وحی کے اخذ کرنے میں گڑبڑ کرتے رہے۔ایک اور مقام دیکھیں جہاں سورہ مدثر اور سورہ قیامت کے بعد تیرہ سورتیں اور نازل ہوجانے کے دوران بھی وحی وصول کرنے میں غلطی کا ہونا مانا گیا ہے۔

سوم۔سورۃ الاعلیٰ کے وصول کرنے تک بھی وحی کے وصول کی مشق نہ ہوئی تھی۔

''سورۃ الاعلیٰ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جب رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی وحی اخذ کرنے کی اچھی طرح مشق نہیں ہوئی تھی اور نزولِ وحی کے وقت آپ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں میں اس کے الفاظ کو بھول نہ جاؤں'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 308)

پھر نوٹ کیا جائے کہ سورہ مزمل کی تشریحات میں یہ کہا گیا تھا کہ آنحضرتؐ کو قرآن جیسے

بھاری کلام کے لئے تحمل اور برداشت کی قوت حاصل نہ تھی۔اس لئے راتوں کو تہجد کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ ان کو قوتِ برداشت حاصل ہو جائے۔ پھر سورہ مدثر کی ذیل میں کہا کہ رسوؐل اللہ وحی وصول کرنے میں اناڑی تھے اور انہیں پریکٹس کا موقع دیا گیا تھا اور پھر یہ بتایا گیا کہ سورہ اعلیٰ کے نزول تک یعنی تیرہ مزید سورتیں نازل ہو چکنے کے دوران بھی آپؐ سے غلطی ہونا بند نہ ہوئی تھی۔

چہارم۔رسوؐل کو نبوت کرتے اور وحی وصول کرتے پانچ سال گزر گئے مگر۔۔۔۔

اب اس سلسلے کی آخری بات سن لیں اور وہ یہ ہے کہ پہلی وحی کے وقت سے لے کر ہجرت حبشہ تک پانچ سال نبوت کے گزر گئے اور برابر وحی جاری رہی مگر (معاذ اللہ) رسوؐل اللہ برابر وحی اخذ کرنے میں غلط عمل درآمد کی اصلاح نہ کر سکے۔علامہ نے لکھا ہے کہ:

''رخصت ہوتے ہوئے فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات پر خبردار کرتا ہے جو وحی نازل کرنے کے دوران میں اس کے مشاہدے میں آئی۔بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا گیا،اس لئے پیغام کی ترسیل مکمل کرنے کے بعد اب وہ فرشتہ اس کا نوٹس لے رہا ہے..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے اور زبان سے دہرانے کی کوشش فرما رہے ہوں گے۔اس کوشش کی وجہ سے آپؐ کی توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی۔سلسلہِ اخذ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہوگا۔ اور پیغام کی سماعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہوگی۔اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپؐ کو پیغام وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ (پانچ سال کے بعد آخر۔مصنف) سمجھایا جائے۔اور بیچ بیچ میں یاد کرنے کی کوشش جو آپ کرتے ہیں اس سے منع کر دیا جائے۔ابتدائی زمانے میں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی

اخذ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی آپؐ سے کئی مرتبہ یہ فعل سرزد ہوا ہے''۔

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 129-128)

یہ ہے وہ تصویر جو قریشی حکومتوں نے صدیوں کی کوششوں سے تیار کر کے دنیا کے سامنے پیش کی ہے اور نہ صرف یہ کہ قرآن کے مقاصد و مفاہیم کو اپنی شیطانی پالیسیوں پر فٹ کرلیا ہے۔ بلکہ خود رسولؐ اللہ کے لئے یہ تصور پیدا کر دیا ہے کہ وہ نہ وحی کو صحیح طریقہ پر وصول کرنے کی اہلیت رکھتے تھے اور نہ وحی کو صحیح طریقے پر نافذ کر سکتے تھے۔ یعنی کارِ نبوت کے لئے آنحضرؐت کو طرح طرح سے نااہل قرار دیا ہے۔ تاکہ ان کی وہ روایات قبول کی جا سکیں جن میں رسوؐل اللہ کی اجتہادی غلطیاں دکھائی گئی ہیں اور جن میں آپ کو قریشی صحابہ سے مشورہ پر مجبور دکھایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قریش کے لیڈروں میں ایک ایسا صحابی تھا کہ قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوا کرتا تھا اور یہ کہ اس کا بیان کردہ مسئلہ کبھی غلط نہیں نکلا۔

اب قارئین مذکورہ آیات کا ترجمہ ہمارے قلم سے بھی ملاحظہ فرمالیں اور دیکھیں کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے اور مکذب قرآن قوم نے کیا سمجھا:

يَآَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝قُمْ فَاَنْذِرْ۝وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۝وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۝

''(1) اَے دشمنانِ اسلام کی ہلاکت کی فکر سے تھک جانے والے رسوؐل۔ (2) اٹھو اور بدترین نتائج سے انہیں متنبہ کرو۔ (3) اور اپنے پروردگار کی بالادستی کا اعلان کرتے رہو۔ (4) لوگوں کو جمع کرتے اور پاک کرتے جاوٗ۔ (5) اور خوف سے لرزنے اور کانپنے سے ہجرت کر کے جم کر بے خوف کھڑے ہونے کا موقف اختیار کرلو'

محمدؐ و آلِ محمدؑ کا دنیا سے غربت، مفلسی، بے بسی، بے کسی مٹانے کا نظام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا O اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا O (سورۃ الدھر آیت 9-8)

ترجمہ: اَحسن زیدیؔ:

''اور اللہ کی محبت کی بنا پر وہ ابرؔار بے سہارا لوگوں کو اور یتیموں اور قیدیوں کو خوراک فراہم کرتے رہتے ہیں O اور اُن کو بتاتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل درآمد اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتا کہ ہم محض توجہاتِ خداوندی کے لئے تمہارے لئے خوراک و پوشاک کا بندوبست کرتے ہیں۔ ہم تم سے بدلہ اور شکریہ بھی نہیں چاہتے'' (76/8-9)

تمام علمائے صالحین کے نزدیک سورۃ الدھر علیؑ و فاطمہؑ اور حسنین صلوٰۃ اللہ علیہم کی شان بیان کرتی ہے۔ لیکن دشمنوں کو یہ پسند نہیں ہے۔ وہ خبیث علما اس سورۃ کو مکی کہتے ہیں۔ صدیوں تک قرآن کی سورتوں کی ابتدا میں ان کا مکی یا مدنی ہونا بلا اختلاف لکھا جاتا رہا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے، جن کا انتقال 911 ہجری میں ہوا، اپنی تفسیر الجلالین صفحہ 464 میں اس سورہ کو مدنی سورہ لکھا ہے۔ مگر جوں جوں تعصب اور قرآن کے رموز سے تعارف بڑھتا گیا نام نہاد علما نے قرآن کی سورتوں کے عنوان میں بھی اختلاف شروع کر دیا ایسے ہی نام نہاد علما ہیں جنہوں نے آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہ اجمعین کے فضائل کو چھپانے کے لئے اس سورہ کو مکہ میں نازل ہونے والی سورہ لکھا ہے۔ آج سے 94 سال پہلے جناب السید عمار علی صاحب نے اپنی تفسیر عمدۃ البیان میں لکھا ہے کہ ''سورۃ الانسان اور اس سورہ کو سورہ الدھر اور سورہ ابرار بھی کہتے ہیں اور یہ مدنی ہے اور اس سورہ میں جو اہل بیتؑ کے فضائل کا ذکر ہے

اس واسطے بعضے عداوت کی جہت سے اس کو مکی کہتے ہیں‘‘ (جلد 2 صفحہ 474)

سورۃ الدھر میں چار عدد کلیدی آیات (76/7-10) ہیں۔ جن میں اس نظام کا اور اس نظام کے قائم کرنے والوں کا تذکرہ ہے جو دین اسلام کی ایسی بنیادی غرض کی تکمیل کرتا ہے کہ جس میں حصہ نہ لینے والوں کو پورے اسلام کی تکذیب کرنے والا فرمایا گیا ہے۔ اور ایسے مسلمانوں کی نماز و دیگر عبادات و خیرات کو باطل قرار دیا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ:

1۔ ضرورت مندوں محتاجوں اور کمزوروں کو مستغنی اور قوی بنانا دین کی اوّلین شرط ہے۔

’’ملائکہ مجرموں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے جہنم سے منسلک کیا؟ وہ کہیں گے کہ ہم صلوٰۃ قائم نہ کرتے تھے اور وہ یوں کہ ہم مساکین کے لئے خوراک و پوشاک کا انتظام نہ رکھتے تھے‘‘ (سورہ مدثر 74/40-44)

اسی سلسلہ میں سورہ الماعون میں فرمایا گیا ہے کہ:

’’کیا تم نے اس خاص شخص کو دیکھا ہے جو پورے دین (اَلدِّیْن) کی تکذیب کرتا ہے وہ وہی شخص ہے جو یتامیٰ کو پھٹکار اور دھتکار بتاتا ہے اور مساکین کے لئے بھی خوراک و پوشاک کا کوئی انتظام نہیں کرتا۔ ایسے نمازیوں پر افسوس ہے جو حقیقتِ نماز ہی کو بھلائے ہوئے ہیں (الماعون 107/1-5)۔

’’اپنے تمام مال و دولت میں ضرورت مند اور محروم کا حق تسلیم کرنا اور اسے ادا کرتے رہنا‘‘ (الذاریات 51/19) (معارج 70/24-25)

’’رسوؐل اللہ کو ایسا نظام قائم کرنے کا حکم ملا تھا جو تمام نوع انسان کی پناہ گاہ بن جائے۔ جس میں ہدایت کاری کی فراوانی رہے جہاں غرباء و فقراء و یتامیٰ مستغنی کر دیئے جائیں اور کوئی کسی پر جبر و قہر نہ کر سکے‘‘ (الضحیٰ۔ 93/6-10)

ساری دنیا جانتی ہے کہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے بچے کائنات کے مالک ہوتے ہوئے دنیا کے فقیروں اور محتاجوں سے گھٹیا اور قلیل غذا کھاتے تھے۔ اور ضرورت مندوں کے ساتھ فداکارانہ اور نفس کشانہ ایثار سے پیش آتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ دنیا میں کوئی غریب ومحتاج وفقیر وضرورت مند نہ رہے وہ عہد رسولؐ میں بھی اور بعد وفات رسولؐ بھی محنت کش رہنے پر کاربند رہے۔ پھٹے پرانے کپڑوں اور جو کی روکھی سوکھی روٹی پر زندگی گزارتے رہے اور اس نظام کے لئے ہدایت کاری کرنے میں ہر لمحہ مصروف رہے اور آج ان کی اور ان کے صحابہ، ابوذر غفاری وغیرہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ضرب المثل ہیں اور دنیا میں کمیونزم وسوشلزم ان ہی کے نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں جن سے سرمایہ دارانہ نظام کانپ رہے ہیں اور ان کا نعرہ بھی یہی ہے کہ ''دنیا سے غربت وافلاس واستحصال کو مٹادو'' یہ تھا وہ مقصد جو سورہ دھر (76/7-10) میں مذکور ہوا ہے اور جس کے لئے اس نظام پر قربان ہوجانے والوں کو اللہ نے روز قیامت میں مسرتوں اور تابندگیوں کا مختار بنا دیا تھا (76/11) اور انہیں ان کے ایثار وقربانی وصبر واستقلال کے بدلے میں جنت حوالے کردی تھی (76/12)۔

مودودی نے فضائل علیؑ واولادِ علیؑ پر ایک قریش کی خانہ ساز روایت لکھی اور اس میں رکھے ہوئے نقائص پر نظر ڈالی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے یہاں قریش کی خانہ ساز روایت علامہ مودودی نے مفصل طور پر لکھی ہے اور ان پہلوؤں پر تنقید کی ہے جو روایت سازی کے وقت قریشی ماہرین نے روایت میں سمو دیئے تھے تاکہ بے عقل عقیدتمند علما وعوام فضائل کی چمک دیکھ کر یوں تیار کردہ روایت کو یاد کریں دوسروں کو سنائیں اور اپنی کتابوں میں نقل کرلیں اور جب موقع

ملے اور ضرورت بھی ہو تو قریشی علما اپنی خود ساختہ روایت پر تنقید کر کے روایت کی اور ماننے والوں کی دھجیاں اڑا دیں یہ حربہ بھی صدیوں سے استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ علامہ مودودی سورہ دھر کے اس شان نزول کی دھجیاں اڑاتے ہیں جو ان کے بزرگوں نے اپنی روایات سے تیار کیا تھا ہم صرف علامہ کی تنقید کے داؤ پیچ آپ کے سامنے رکھتے ہیں سنئے۔

مودودی کے تنقیدی پہلو جن سے مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلانا غلط کہانی ہے۔

''یہ روایت اوّل تو سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے۔2۔ پھر درایت کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسکین ایک یتیم اور ایک قیدی اگر آ کر کھانا مانگتا ہے تو گھر کے پانچوں افراد کا پورا کھانا اس کو دے دینے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک آدمی کا کھانا اس کو دے کر گھر کے پانچ افراد چار آدمیوں کے کھانے پر اکتفا کر سکتے تھے۔3۔ پھر یہ بھی باور کرنا مشکل ہے کہ دو بچے جو ابھی ابھی بیماری سے اٹھے تھے اور کمزوری کی حالت میں تھے انہیں بھی تین دن بھوکا رکھنے کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ جیسی کامل فہم دین رکھنے والی ہستیوں نے نیکی کا کام سمجھا ہوگا۔4۔ اس کے علاوہ قیدیوں کے معاملہ میں یہ طریقہ اسلامی حکومت کے دور میں کبھی نہیں رہا کہ انہیں بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ وہ اگر حکومت کی قید میں ہوتے تو حکومت ان کی خوراک اور لباس کا انتظام کرتی تھی اور کسی شخص کے سپرد کئے جاتے تو وہ شخص انہیں کھلانے پلانے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اس لئے مدینہ طیبہ میں یہ بات ممکن نہ تھی کہ کوئی قیدی بھیک مانگنے کے لئے نکلتا۔5۔ تاہم ان تمام نقلی و عقلی کمزوریوں کو نظر انداز کر کے اگر اس قصے کو بالکل صحیح مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نیک عمل کا صدور ہوا.....'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 182-181)

مسکین ویتیم واسیر والا قصہ قریشی ماہرین صحابہ کا فراڈ تھا تا کہ نظامِ اہل بیت کو تین آدمیوں میں محدود کر دیں۔

قارئین آیات (76/7-12) میں بیان شدہ صورت حال کو دیکھیں وہاں کہیں اس کہانی کا پتہ نہیں چلتا جو قریشی حکومت نے تیار کر کے ایک عالمی نظام کو تین آدمیوں کو کھانا کھلا دینے میں بدل دیا تھا اور جاہل عقیدت مندوں نے اس خود ساختہ کہانی کو قبول کر لیا۔لیکن ہمیں قریش کی تیار کردہ شانِ نزول سرے سے منظور ہی نہیں ہے۔خواہ اس میں آلِ محمدؐ کے فضائل ہی کیوں نہ بھر دیئے گئے ہوں۔ہم ہرگز یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ قریشی صحابہ اور حکومتوں کے خود ساختہ قصوں کو بنیاد مان کر قرآن کو ان کے ماتحت کر دیا جائے۔ہم ہر اس قصے یا روایت کو یکسر باطل اور خود ساختہ قرار دیتے ہیں جو قرآن کے الفاظ اور بیانات کی تائید نہ کرتے ہوں۔اور الٹا یہ تقاضہ پیدا ہوتا ہو کہ ان قصوں یا روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن کے معنی و مفاہیم کو بدلا جائے۔بہر حال ان آیات (76/7-12) میں استعمال شدہ الفاظ اگر کسی ایک خاص مسکین کو کھانا دیا جانا بتاتے تو لفظ مسکیناً نہ ہوتا بلکہ اَلْمِسْکِین ہونا لازم تھا۔اسی طرح اَلْیَتِیم اور اَلْاَسِیر درکار تھا۔لیکن آیت میں خصوصیت ہے ہی نہیں۔نہ کسی خاص دن اور وقت کی بات ہے نہ کسی ایک فرد کی بات ہے اسی لئے تمام نیک دل اور غیر متعصب مترجمین نے یہاں عمومیت اور معمول کو مدنظر رکھا ہے چنانچہ علامہ رفیع الدین کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اور کھلاتے ہیں کھانا اوپر محبت اس کی کے فقیروں کو یتیموں کو اور قیدیوں کو'' (76/8)

معلوم ہوا کہ نہ ایک مسکین کی بات ہے نہ ایک یتیم کا قصہ ہے اور نہ ایک قیدی کو کھانا کھلایا ہے بلکہ آیت میں لفظ وَیُطْعِمُونَ مضارع کا صیغہ ہے جس کے معنی میں حال و استقبال

دونوں داخل ہیں یعنی وہ حضرات مساکین و یتامیٰ اور اساریٰ (قیدیوں) کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں اور کھلاتے رہیں گے یعنی ایک مستقل پروگرام یا نظام ہے جس میں وہ تمام ذمہ داریاں پوری کی جارہی ہیں۔ جو سورہ (الضحیٰ 6 تا 10 / 93) میں رسوؐل اللہ پر عائد کی گئی تھیں۔ اور جن ذمہ داریوں کو رسوؐل کے شرکاء کارنے روز اوّل سے بانٹ لیا تھا اور یہ تقسیم کار اور اس کی انجام دہی ہی ان کی نذر و منت تھی چنانچہ مودودی ہی کا ترجمہ بتاتا ہے کہ اللہ نے تصدیق فرمائی تھی:

''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے انہوں نے اپنے رویے میں کوئی بھی تبدیلی نہیں کی'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 83)

پھر سورہ دہر (76/7-12) میں کسی عارضی اور ایک وقتی منت کا ذکر نہیں ہوا ہے بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں یہ خوراک و پوشاک و استغنا کا بندوبست اس لئے کرنا ہے کہ وہ روزِ قیامت سرخرو اور کامیاب رہیں اور اس دن کا شر اور سختی دب کر رہ جائے (76/7-10) اگر کوئی وقتی منت یا نذر مانی گئی ہوتی اور کامیابی کے بعد منت و نذر کو پورا کیا ہوتا تو وہ ایک خود عائد کردہ واجب فعل ہوتا اور واجب کو ادا کرنے میں اللہ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں ہوتی کہ ہم نے انہیں اس روز سے محفوظ کر دیا اور تازگی و تابندگی اور جنت کو ان سے ملاقی کر دیا (76/11)(76/12) انہیں کسی اور جزا کا حق ہی نہ تھا۔ معاملہ تو یہ گھڑا گیا ہے کہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے تو ان کی صحت و تندرستی کے لئے منت یا نذر مانی گئی تھی روزے رکھنے کی۔ مگر آیات میں روزوں اور بیماری کا کوئی وہم تک بھی نہیں ہے بلکہ نذر یہ ہے کہ مساکین و یتامٰی اور قیدیوں کے لئے خوراک و پوشاک فراہم کیا کریں گے اور وہ اپنی نذر کو وفا کرنے

میں یہی کام کرتے ہیں اور اسی فعل کو اللہ نے ''یُوفُونَ بِالنَّذرِ'' فرمایا ہے نہ کہ روزے رکھنے کو۔ پھر نذر ایک دفعہ کی نہیں بلکہ مسلسل بلا ناغہ مساکین اور یتیموں اور قیدیوں کو مستغنی کرنا کی ہے۔ لہٰذا مذکورہ و مشہور کردہ کہانی کا ان آیات (76/7-12) میں کہیں اور کسی صورت میں ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ سراسر باطل و بکواس ہے۔

قریشی کارخانے کی ایجاد شدہ یہ روایت ہی غلط نہیں بلکہ علامہ کے بیان کردہ نقائص بھی غلط ہیں۔

علامہ نے اس خود ساختہ روایت میں پانچ تنقیدی نقائص بیان کئے تھے۔ چونکہ روایت میں مسکین و یتیم کی اور اسیر کی پوری ضرورت کا ذکر نہیں ہے اور یہ ثابت ہے کہ کھانا اسے پانچ افراد کا دیا گیا تھا۔ اس سے ایک غیر جانبدار شخص یہی سمجھے گا کہ یقیناً وہ کھانا سائل کی ضرورت کی بنا پر دیا گیا تھا۔ یعنی اس کے اہل و عیال اور ساتھیوں کے لئے بھی دیا گیا تھا۔ لیکن دشمنوں کے اعتراض جڑنے کے لئے کسی بہانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا ان سے یہ امید کرنا کہ وہ کوئی اچھا پہلو اختیار کریں گے غلط ہے۔ اسلامی حکومت کے دور میں قیدیوں کی خوراک کا کوئی بھی انتظام رہا تھا۔ اس سے بحث ہی نہیں ہے گفتگو یہ ہے کہ قرآن نے قیدیوں کو کھانا کھلانے کا واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے مکہ تھا یا مدینہ یہ بات بھی آیات میں نہیں ہے۔ آیت میں یہ بھی نہیں کہ مساکین و یتامیٰ اور اسیر گھر پر بھیک مانگنے آئے تھے وہاں تو یقیناً ''کھانا کھلاتے رہنے'' کا معمول مذکور ہے لہٰذا دو صورتیں ایسی ممکن ہیں جو آج تک رائج ہیں۔ اوّل یہ کہ قطع نظر اس کے کہ قیدیوں کے لئے حکومت کا انتظام کیا ہے؟ قیدیوں کو عمدہ غذا اور پھل آج تک پہنچانے کا دستور ہے۔ پھر قیدیوں کی دعوت بھی کی جاتی ہے انہیں جیل سے میٹنگ کے لئے لایا جانا اور تمام وفود کے ساتھ بلا تھکڑی کھانا

کھلانے کے واقعات اخبارات وریڈیو وسوشل میڈیا پر بیان ہوتے رہتے ہیں۔اور جب قیدی جیل سے عدالت میں لائے جاتے ہیں تو انہیں سرراہ بھی اور جج کی اجازت سے بھی کھانا کھلایا جاتا ہے پھل خرید کر دیئے جاتے ہیں یعنی علامہ نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی کس کر باندھ رکھی ہے اس لئے انہیں کوئی شریفانہ ومنصفانہ بات سوجھتی ہی نہیں۔پھر علامہ قرآن میں ایسے بچوں کا تذکرہ پڑھ چکے ہیں جو عام بچوں کی طرح نہیں ہوتے مگر علامہ دشمنِ آل محمدؐ ہیں اس لئے حسنینؑ کو عام بچوں کی مانند سمجھتے ہیں جن کے صدقہ میں ساری کائنات کو رزق اور خلیفہ دوم کو سر کے بال ملے تھے(ازالۃ الخفا صفحہ 289 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کاش اس خبیث علامہ نے اپنے پیرومرشد کی پیروی کی ہوتی؟

آیات(76/8-10) کا سیاق وسباق علامہ حضرات کے لئے مصیبت ہے یعنی وہ تو نظامِ قائم قیامت کا پتہ دیتا ہے۔

مودودی نے ان آیات (76/8-10) کا سیاق وسباق اپنی سند میں پیش کیا ہے تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ سورہ دھر پوری کی پوری نازل ہوئی تھی اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ آیات (76/8-10) پہلے یا بعد میں نہیں بلکہ پوری سورہ کے اندر ہی تلاوت کی گئی تھیں۔مگر وہ اس کا کوئی مادی ومحسوس ثبوت فراہم کرنے سے قاصر وخاسر رہے کہ یہ سورہ مکے میں نازل ہوئی تھی۔بہرحال ان آیات کا صحیح ترجمہ اور سیاق وسباق یہ بتاتا ہے کہ مساکین ویتامیٰ اور قیدیوں کی خوراک وپوشاک کا نظام سو فیصد حضرت حجت علیہ الصلوۃ والسلام قائم کریں گے اور جناب علیؑ وفاطمہؑ والا نظام اور ان کی نذر قرب قیامت اور ظہور حجتؑ میں مکمل ہوں گے۔آپ سورہ دہر کو از سرنو پڑھنا شروع کردیں اور دیکھیں کہ نوع انسان کی تخلیق کے بعد انسانوں کو عہد رسولؐ تک حق وباطل بتادیئے جانے کا ذکر ہوا ہے اور انسانوں کو کافر وشاکر

بننے میں آزادی عطا کر دی گئی تھی (76/3) پھر کافر و شاکر لوگوں کے ساتھ سلوک بتایا گیا ہے (76/4) اور وہ یہ کہ کافروں کو زنجیروں طوقوں اور آگ سے دوچار رہنا پڑے گا (76/4) اور ابرار کے لئے جام و سبو اور ایک چشمہ ہوگا جس میں سے وہ ابرار اس چشمہ کے مشروب کی شاخیں جہاں جہاں چاہیں گے وہاں وہاں لے جائیں گے (76/5-6)۔

☆☆☆☆☆

محمدؐ و آلِ محمدؐ کا نظامِ زکوٰۃ

ترجمہ: شاہ رفیع الدین:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ O (سورۃ المائدہ، آیت 55)

''سوائے اس کے نہیں کہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسولؐ اس کا اور وہ لوگ کہ ایمان لائے وہ لوگ کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ رکوع کرنے والے ہیں'' (5/55)

آیات (5/53-54) کو بھی سامنے رکھ لیا جائے تو بات دو قوموں کی ہو رہی ہے جن مومنینؑ کا تذکرہ اللہ و رسولؐ کے ساتھ متصل اور بلا فاصلہ کیا گیا ہے اور جنہیں ولایت و حکومت کی سربراہی میں اللہ و رسولؐ کے ساتھ شریک و شامل رکھا گیا ہے وہ یقیناً اسی قوم کے مومنین ہیں جو خدا کی محبوب قوم ہے۔ اسی محبوبِ خدا قوم کی پہلی شناخت یہ ہے کہ وہ تمام مومنین کے مقابلہ میں خستہ حال نرم رو اور منکسر المزاج ہیں اور دوسری پہچان یہ ہے کہ رسولؐ کی قوم کی نظروں میں عزت و جلال اور رعب و داب کی بنا پر گراں گزرنے والے ہیں اور

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کی نظر میں اللہ و رسولؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے اور یہ تینوں باتیں مومنین اور کافرین میں مسلّمہ اور مشہور و معلوم ہیں اور یہی سبب تھا کہ رسولؐ کی قوم اور اس کے ساتھیوں کو سورہ برأۃ کا چیلنج سنانے کے لئے اس قوم کے بزرگ ترین فرد کو بھیجا گیا تھا جو کفار کے لشکروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بھگا دیتا تھا۔ جس نے تمام قریشی بزرگوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی جس نے سینکڑوں سربرآوردہ سرکشوں کے سر ہوا میں اچھال دیئے تھے اور مومنین کے فقرا و غربا ان سے بہتر خوراک کھاتے تھے جن کے خادم بہتر لباس پہنتے تھے جن کی تلوار کی گرمی سے سردیوں میں موت کے پسینے چھوٹ جاتے تھے جو کرار غیر فرار تھے۔

دوسری قسم کے مومنین وہ تھے جن کی یہاں آیت (5/53) میں بھی اور سارے قرآن میں بھی مذمت کے انبار لگا دیئے گئے ہیں اور جن کے لئے وہ تمام الفاظ ختم کر دیئے گئے ہیں جو مذمت اور تبرا کے لئے مخصوص ہیں بلکہ اُن کو قرآن کا تباہ کرنے اور مہجور کرنے والا ہونے کا حکم الٰہی صادر ہو چکا ہے۔ پھر چونکہ بات تمام مسلمانوں سے ہو رہی ہے۔ اور قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ مومنین میں سے یا تم تمام مسلمانوں میں سے جو مومنین اللہ اور رسولؐ کے برابر کے سرپرست اور تمام مسلمانوں پر حاکم ہیں وہ ظاہر ہے کہ چند گنتی کے مخصوص لوگ ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ سارے مومنین اس لئے کہ پھر رعایا میں کون رہے گا اگر سارے مومنین کو حاکم بنا دیا یا مان لیا جائے۔ لہٰذا ان چند مومنین کی شناخت بتائی گئی ہے کہ:

1۔ **<u>وہ نماز پڑھتے یا قائم رکھتے ہیں</u>**۔ یہ کوئی خصوصیت ہے نہ شناخت و تمیز ہے۔ اس لئے کہ نماز تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور تمام مومنین نماز پڑھتے یا قائم رکھتے ہیں۔

2۔ **وہ زکوٰۃ دیتے ہیں**۔ ہمارے نزدیک یہ بھی نہ کوئی کمال ہے نہ خصوصیت اور شناخت ہے اول تو اسی لئے کہ زکوٰۃ بھی ہر مالدار و سرمایہ دار پر واجب ہے اور دوسرے اس لئے کہ اسلامی احکام کی موجودگی میں مال دار و سرمایہ دار ہونا قابل مذمت بات ہے۔ اگر قرآنی احکام کی تعمیل کی جائے (بقرہ 2/219 وغیرہ) تو کوئی شخص نہ غنی ہو سکتا ہے نہ مالدار و سرمایہ دار بن سکتا ہے اور جب تک مالدار و سرمایہ دار نہ ہو زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوتی۔

3۔ **بعض علما نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا فرمایا ہے**۔ اور رکوع سے وہ جھکنے کی حالت مراد لی ہے جو نماز کا ایک رکن ہے۔ آیت میں یہ جملہ آ چکا کہ: ''وہ نماز قائم کرتے ہیں'' ''یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ'' لہٰذا صلوٰۃ یا نماز میں رکوع و سجود و قیام و قعود سب آ گئے الگ سے رکوع کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی کہہ دیا جاتا کہ'' وہ نماز میں زکوٰۃ دیتے ہیں'' (وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ یُصَلُّوۡنَ یا وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ فِی الصَّلٰوۃَ) بہرحال آیت میں کوئی ایسا قرینہ یا لازمہ موجود نہیں جس کی وجہ سے ہم اس لفظ ''رکوع'' کو نماز والا رکوع سمجھیں البتہ ایسا نہ سمجھنے کے لئے تین دلیلیں سب کو معلوم ہیں اوّل یہ کہ نماز میں لین دین اور ہر وہ کام نماز کو توڑ دیتا ہے جو نماز میں اللہ و رسولؐ نے پہلے سے داخل نہ کر رکھا ہو دوسری یہ کہ کوئی ایسی ضرورت فرض بھی نہیں کی جا سکتی کہ زکوٰۃ لینے والا چند منٹ ٹھہر نہ سکے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ محمدؐ اور علیؑ صلوٰۃ اللہ علیہما پر مالدار و سرمایہ دار نہ ہونے کی بنا پر کبھی زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوئی ان کے گھروں سے کھانا پکنے کا دھواں بہت کم نکلتا تھا وہاں فقر و فاقہ سے پیار تھا۔ سامنے رکھی ہوئی افطاری کی روٹیاں تک فقراء و مساکین کو دے دی جاتی تھیں یہ حضرات دنیا سے غربت و افلاس مٹانے کے لئے آئے تھے۔ قرآن پر سو فیصد نہیں بلکہ پانچ سو فیصد عمل کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی اطاعت اور پیروی اور اسوہ

حسنہ کو واجب اور فرض کہہ کر دنیا کمانے والے لوگ ان کی پیروی کرتے اور گھر میں ایک روز کے کھانے اور جسم پر ایک جوڑا کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ رکھتے۔اس حال میں رہنے والوں کے لئے سو فیصد صحیح لفظ ہر لمحہ ''رکوع میں رہنے والے'' ہے اسلئے کہ لغت کے ماہرین جانتے ہیں کہ۔رَکَعَ۔یَرْکَعُ۔ رَکْعًا ۔رَکُوْعًا ۔(ماضی ۔مضارع اور مصادر)نزول قرآن سے پہلے کے الفاظ ہیں ان کی معنوی شدت نے تقاضہ کیا کہ نماز کی ایک حالت کو رکوع کا نام دیا جائے ان کے اوّلین اور بنیادی معنی وہی ہیں جو اللہ کی محبوب قوم کی صفت میں آئے ہیں یعنی اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (5/54)''مومنین کے سامنے ذلیل ترین حالت والے'' یعنی اگلی آیت میں اس ذلیل ترین حالت کو رٰكِعُوْنَ کی صفت سے ظاہر کیا ہے۔یہ اسی محبوب خدا قوم کے سید و سردار کی بات ہے۔جس کی تصویر اور تصور پیش کرنے کے لئے الفاظ۔اَذِلَّةٍ۔اَعِزَّةٍ اور رٰكِعُوْنَ ۔کا مثلث نازل کیا گیا ہے۔آیئے آج سے نوسوسال پہلے کے عالم کی کتاب میں اس کے معنی دیکھئے ارشاد ہے:

(رَكَعَ)۔اَلرُّكُوْعُ ۔الانحناءُ فتارة يُستعمَلُ فى الهَيئَةِ الْمَخصوصَةِ فِى الصَّلاة كَمَا هِىَ وَتارَةً فِى التَّواضُعِ وَالتَّذَلُّلُ اِمَّا فِى الْعِبادَةِ وَاِمَّا فِىْ غَيْرِه''

(المفردات فی غریب القرآن علامہ راغب اصفہانی علیہ الرحمہ صفحہ 202)

''رکع اور رکوع کے معنی جھکنا یا خمیدہ ہونا ہیں چنانچہ کبھی تو یہ نماز کی ایک حالت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ معلوم ہے اور کبھی تواضع اور تذلل کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ عبادت کے دوران ہو یا عبادت کے علاوہ صورتوں میں ہو''

اور قارئین جانتے ہیں تذلّل تو ذلّت کی عام حالت ہے۔لیکن آیت میں اَذِلَّةٍ بہت ہی ذلیل ترین حالت اور دوسروں کے ساتھ خاطر ومدارات وخوش آمد اور عاجزی سے پیش

آنے کو تواضع کہتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ :

''اللہ ورسولؐ کے برابر اور ہمسر ولیؑ وہ لوگ ہیں جو مومنین کے ساتھ نہایت خوش روئی خاطر ومدارات وعاجزی سے پیش آتے ہیں اور کافروں منکروں اور منصوبہ سازوں پر ہر حال میں غالب اور رعب وجلال میں چھائے ہوئے ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اپنی خستہ حالی ناداری اور تذلّل کی حالت میں بھی زکوٰۃ دیتے ہیں''

قارئین ہمارے اس بیان کو دیکھیں اور ہمارے ترجمہ کی گہرائی اور قرآن کریم کی وجد انگیز ترتیل وترتیب کو نظر میں رکھیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ نے صحیح فرمایا تھا کہ :

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ (الزخرف 44-43)

''یہ قرآن تو یقیناً تیرؐے اور تیری قوم کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے اور بہت جلد ان سے باز پرس کی جائے گی'' (الزخرف 44-43)۔

☆☆☆☆☆

اُمت مسلمہ میں مسلم رسولؐ۔ آپؐ کے آباؤ اجدادؑ ہرگز کافر نہ تھے

ترجمہ: سید محمد اَحسن زیدی:

''اور جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اس گھر (کعبہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو انہوں نے دعا کی تھی کہ اَے ہماری پرورش کرنے والے ہماری اس محنت و خدمت کو قبول فرمالے، بلاشبہ تو سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔اَے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلمان بنالے اور ہماری ذرّیت میں ہم دونوں جیسی ایک مسلم اُمت اپنے لئے بنادے اور ہمیں اور اُن سب کو ہمارے قواعدو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○

(سورہ البقرہ، آیات 129-127)

ضوابط دکھاتا رہ اور ہماری اصلاح کے لئے ہم پر توجہ رکھ، یقیناً تو متوجہ رہنے والا اور رحیم ہے۔اَے ہماری تربیت کرنے والے اُس مسلم اُمت میں ایک رسولؐ مبعوث کر جو اُنہی مسلمانوں میں سے ہو اور وہ اُس مسلم اُمت کو تیری آیات سنائے اور اُنہیں الکتاب کی تعلیم دے اور حکمتِ عمل سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے یقیناً تو ان تمام دعاؤں کو قبول کرنے پر غالب اور حکیم ہے'' (سورہ البقرہ، 129-2/127)

دعائے ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ قبول، اُمت مسلمہ میں مسلم رسولؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے دین اسلام قسط وار آتا رہا اس لئے سابقہ مذاہب کا کوئی الہامی نام اللہ نے نہیں رکھا تھا۔ جب عہد سرورؐ کائنات میں دین مکمل ہوا تب اللہ نے لفظ اسلام پر اپنی رضا مندی کا اظہار فرمایا (مائدہ 5/3) لیکن تمام انبیاء علیہم السلام چونکہ روز ازل سے نامزد نبیؐ تھے (احزاب 33/7) ان سب کو تمنا رہی ہے کہ وہ امت محمدؐیہ میں مسلم یعنی مکمل مسلم شمار کئے جائیں اسی بنا پر بعض انبیاءؑ کو زندہ رکھا گیا کہ ان کی دعا اور تمنا یہی تھی کہ عملاً امام آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناصروں میں داخل ہوں حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ اسی بنا پر مسلم بنائے جانے کی تمنا اور دعا کیا کرتے تھے (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنَ) یہودی، عیسائی، ہندو، پارسی وغیرہ نام ان کی اپنی الہامی کتابوں میں نہیں ہیں۔ پھر یہ نام اشخاص یا ممالک سے منسوب اور بے معنی ہیں۔ عیسائی نام حضرت عیسیٰؑ سے نسبت رکھتا ہے مگر عیسائی تمام سابقہ انبیاءؑ کو مانتے ہیں اور نام سے ایک نبیؑ کا اقرار اور باقی کا انکار ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اپنے اسی غلط طریقہ پر مسلمانوں کو۔ محمدؐی (Mohammadons) یا احمدی کہتے ہیں۔ جو باطل ہے اسلام یعنی سلامتی کا ضابطہ ایک ہمہ گیر نام ہے اور دنیا کا ہر آدمی کسی نہ کسی طرح اس میں داخل ہے۔ کائنات کی ہر چیز مسلم ہے (آل عمران 3/83)۔ اس مسلم کائنات میں مستقلاً منکر رہنا ناممکن ہے۔

وہ لوگ جو رسولؐ اللہ اور ان کے آباواجدادؑ کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہیں۔ یہ آیت (2/129) ان لوگوں کے منہ پر ایک یداللٰہی طمانچہ ہے۔ اس میں ایک مسلم اُمت کے برقرار رہنے کی دعا کی گئی اور اس مسلم اُمت میں سے یعنی مسلمانوں میں سے رسولؐ اللہ کی بعثت کی تمنا کی گئی۔ اگر آنحضرتؐ اسی دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ سے مبعوث ہوئے تھے

اور دعا قبول ہوئی تھی تو یقیناً حضرت ابراہیمؑ کے بعد برابر ایک مسلم اُمت برقرار رہتی چلی آنا چاہئیے۔ ورنہ کہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعا قبول نہیں ہوئی یا آدھی قبول ہوئی تھی۔ اس آیت میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ علیہما السلام کی نسل یا ذریت میں مسلسل اُمت مسلمہ ہر دور میں موجود رہی حضرت اسماعیلؑ کے بعد حضرت نابت علیہ السلام ان کے جانشین و امامؑ ہوئے اور برابر یہ جماعت اور ان کے آئمہؑ گزرتے رہے اور آخر میں جناب ابوطالب علیہ السلام اس سلسلے کے آخری امامؑ و وارث و امین تھے۔ اور یہ ایک ملت کے راہنما تھے جس کی اتباع کا حکم آنحضرتؐ کو یہاں بھی (2/130) ملا ہے۔ اور بار بار تقاضہ ہوا (نساء 4/125، نحل 16/123) اگر یہ ملت اور اس کے نمائندے اور قوانین موجود نہ ہوتے تو یہ حکم ''ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کرو'' ایک بے معنی حکم بن کر رہ جاتا لہٰذا ملت اور صاحبانِ ملت موجود تھے۔ ہم نے ملت ابراہیمؑ کی مکمل تفصیل اپنی کتاب ''مرکز انسانیت'' میں لکھ دی ہے۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ علامہ مودودی بھی اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام وہ پہلے رسولؑ ہیں جن کو اللہ نے امام کے عہدے پر فائز کیا اور تمام نوع انسان کی راہنمائی ان پر لازم کی اور یہ کہ اس دور امامت میں انبیاءؑ علیہم السلام مرکز امامت کے ماتحت خلافت پر تعینات کئے جانے لگے تھے علامہ نے لکھا ہے کہ:

امامت ابراہیمؑ یعنی اسلام کی ہمہ گیر و عالمگیر دعوت کی ابتداء اور انبیاءؑ کا ماتحتی میں رہنا۔

''حضرت ابراہیمؑ پہلے نبیؑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ پھر اپنے مشن کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں ''خلیفہ'' مقرر کئے

شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو، شام وفلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو اوراندرون عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو مامور کیا پھر اللہ تعالی کے حکم سے وہ گھر تعمیر کیا۔ جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ (کعبہ) اس مشن کا مرکز قرار پایا'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 108)

یہاں دو باتیں نوٹ کرلیں اوّل یہ کہ دانشورانِ قریش کے یہاں اسلام کو اطاعت وفرمانبرداری کہا جاتا رہا ہے۔ لیکن ہم ''اسلام'' کو وہ دین یا ضابطہ حیات سمجھتے اور کہتے ہیں ''جو انسانوں کے لئے بقا، سلامتی اور لامحدود قدرت واختیار عطا کرنے کا ضابطہ ہے'' ورنہ اطاعت وفرمان برداری بے معنی اور بلا مقصد ہے۔ دوسری بات یہ کہ مرکزِ امامت کعبہ کو اس لئے بنایا گیا کہ امامت حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف منتقل ہونا تھی۔ اور باقی نبوتیں اور خلافتیں اس مرکز کے ماتحت رہنا تھیں۔ اور اسی لئے جناب اسمٰعیلؑ علیہ السلام کو عرب اور خاص کر کعبہ ومکہ میں تعینات فرمایا تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد امامت برابر نبطیوں میں برقرار رہی جو حضرت نابتؑ کی اولاد ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: ''نبایوت کو اہل عرب عموماً نابتؑ کہتے ہیں۔ ان روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابتؑ کے حصہ میں آئی۔'' (ارض القران حصہ 2 صفحہ 56)

اور یہ نوٹ کرلیں کہ آنحضرتؐ اور علیؑ مرتضٰی اور مدینہ کے انصار اوس وخزرج بھی نبطی یعنی حضرت نابت بن اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں نہ کہ قیدار کی۔ ''حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان کا نسب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ''ہم کوثٰی (واقع عراق) کے نبط ہیں'' اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسمٰعیلی قریشی عرب تھے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ نبط

اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پھیلے ہوئے تھے'' (ایضاً صفحہ 59-58)

اور تیسری سطر میں لکھا ہے کہ: ''من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس وخزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں تفصیل آتی ہے'' یہ بات مشہور بھی ہے اور اس کتاب میں شجرہ لکھتے ہوئے قیدار کو قریش کا باپ لکھا ہے (یعنی قیدار پدر قریش) (جلد اول صفحہ 123)

لیکن ہم نے کتاب مرکز انسانیت میں ثابت کیا ہے کہ قریش قحطانی تھے اور ان کا آنحضرتؐ کے بزرگوں سے الحاق تھا وہ نبطی بہرحال نہ تھے اور اسی کتاب سے ثابت ہے کہ نبطی حکومت وملت حضرت عمر کے زمانہ تک موجود تھی اور آخری بادشاہ کا نام جبلہ تھا۔ اور سب سے بڑا ثبوت قرآن ہے۔ جہاں ملت ابراہیمؑ کی پیروی لازم وواجب کی گئی ہے اور جو چیز پہلے سے مرتب اور منظّم اور معلوم ومشہور وموجود نہ ہو اس کی پیروی کا خیال ہی عبث اور احمقانہ ہے یہ دوسری بات ہے قریشی حکمران حقائق کا کفر کرنے کے لئے اپنے تیار کردہ ریکارڈ اور تاریخ میں اس کا ذکر ہی نہ کریں اور لکھ دیں کہ عرب میں کوئی کتاب ہی موجود نہ تھی حالانکہ یہ ثابت ہے کہ لائبریریاں موجود تھیں۔

☆☆☆☆☆

اَن پڑھ نبیؐ (معاذ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O

(سورہ الاعراف، آیت 157)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین:

''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسوؐل کی جو نبیؐ ہے ان پڑھا وہ جو پاتے ہیں اس کو لکھا ہوا نزدیک اپنے بیچ تورات کے اور انجیل کے حکم کرتا ہے ان کو ساتھ بھلائی کے اور منع کرتا ہے ان کو نامعقول چیز سے اور حلال کرتا ہے واسطے ان کے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے اوپر ان کے ناپاک چیزیں اور اتار رکھتا ہے ان سے بوجھ ان کے اور طوق جو تھے اوپر ان کے پس جو لوگ کہ ایمان لائے ساتھ اس کے اور قوت دی اس کو اور مدد کی اس کی اور پیروی کی اس نور کی کہ اتارا گیا ہے ساتھ اس کے یہ لوگ وہ ہیں فلاح پانے والے''۔

ترجمہ: سید محمد احسن زیدی:

''جو لوگ کہ اس رسوؐل (مکے کے باشندے نبیؐ) کی پیروی کریں جن کو اپنے پاس سابقہ کتابوں توریت اور انجیل میں اس مکی نبیؐ اور رسوؐل کی تفصیلات لکھی ہوئی ملتی ہیں اور جو نبیؐ اور رسوؐل انہیں عالمی طور پر پسندیدہ چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور مسلّمہ ناپسندیدہ باتوں سے منع کرتا ہے اور ان کے لئے وہ

تمام پاکیزہ اور عمدہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے جو ان کے مُلّاؤں نے اپنے اجتہاد سے حرام کردی تھیں اور وہ تمام گندی چیزیں حرام کرتا ہے جو مجتہدین نے حلال کردی تھیں اور ان کے اوپر سے وہ سارا بوجھ اتار کر الگ کرنا چاہتا ہے جو اُن کے مجتہدین نے لاد دیا تھا اور ان کے گلے سے پابندیوں کا وہ طوق اتارنا چاہتا ہے جو ان کے علما نے تقلید کے لئے پہنایا تھا چنانچہ جو لوگ رسوؐل پر ایمان لائے اور اُن کی عزت کی اور اُن کی نصرت کی اور اُن کی اور اس نوؐر کی پیروی کی جو محمدؐ کے ساتھ اترا تھا۔ وہی مومنین وہی انصار فلاح پانے والے ہیں''

(سورہ الاعراف۔ 157)

لفظ '' اُمّی '' اور علامہ مودودی

ہم نے الفاظ ''اُمِّـیٌ اور اُمِّیُّـوْن'' کے لغوی معنی ''ماں والا'' ''بنیاد والا'' کیئے اور قرآنی معنی ''اُم القریٰ یعنی مکہ کا باشندہ'' یا باشندے کئے ہیں۔ مگر حضرت علامہ ایک نئے معنی بتاتے ہیں۔ وہ سنئے اور پھر دیکھئے کہ یہ لفظ اُمِّـیٌ نبیؐ کیلئے قرآن میں استعمال کر کے اللہ نے کیا تاثر دیا ہے سنئے علامہ نے لکھا ہے کہ:

''یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''اُمِّـیٌ '' کا لفظ بہت معنی خیز استعمال ہوا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے سوا دوسری قوموں کو اُمِّـیٌ (GENTILES) کہتے تھے اور ان کا قومی فخر وغرور کسی اُمِّیٌ کی پیشوائی تسلیم کرنا تو درکنار اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اُمِّیُّوْن کے لئے اپنے برابر انسانی حقوق ہی تسلیم کرلیں۔ چنانچہ قرآن ہی میں آتا ہے کہ وہ کہتے تھے لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِــی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیـلٌ (آل عمران آیت 75) اُمِّیُّوْن کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے'' پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کر کے فرماتا ہے کہ اب تو اسی

اُمِّـــیُ کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے۔اس کی پیروی قبول کرو گے تو میری رحمت سے حصہ پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارے لئے مقدر ہے جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آ رہے ہو'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 85 حاشیہ 112)

اب آپ ڈکشنری کھول کر اس کے معنی دیکھیں تو آپ کو لفظ (GENTILES) کے معنی بت پرست ۔مشرک اور بے دین ملیں گے ۔لہٰذا علامہ کے بقول گویا اللہ نے بنی اسرائیل سے بنی اسرائیل کی اصطلاح میں یہ کہا کہ :

''اب تو اسی مشرک ،اسی بت پرست اسی بے دین کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے''

عقلمند تو وہ ہے جو دوسروں کو طعنہ نہ دے اور وہ بھی بے وقوف نہیں جو طعنہ دینے میں خود کو گالیاں دے کر ملزم نہ بنالے۔ یہ علامہ ہی ہو سکتے ہیں جو یوں ترکیب سے رسولؐ اللہ کو اپنے لیڈروں کے برابر لانے کے لئے ۔مشرک ، بت پرست ،اور بے دین قرار دیتے ہیں ۔مگر قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ رسولؐ کی قوم کے یہ تین عدد القاب مشہور تھے وہ مشرک مشہور تھے۔ انہیں بت پرست کہا جاتا تھا۔اور وہ بے دینی کے لئے مخصوص تھے۔

آیت (7/157) میں مُلّا مجتہد اور فقہا وعلما کو داخل کرنے کا سبب؟

ہم نے اس آیت کے ترجمہ میں حلال وحرام کرنے والوں کو اپنی طرف سے مُلّا مجتہد اور فقہا وغیرہ لکھ دیا اس لئے کہ ان کے اجتہادی گٹھ جوڑ نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا تھا۔علامہ بھی ہم سے متفق ہیں۔ان کی بات سنئے :

''یعنی ان کے فقیہوں نے اپنی قانونی موشگافیوں سے،ان کے روحانی مقتداؤں نے اپنے تُورّع کے مبالغوں سے ،اور ان کے جاہل عوام نے اپنے توہمات اور خود ساختہ حدود وضوابط سے ان کی زندگی کو جن بوجھوں تلے دبا رکھا تھا۔اور جن جکڑ بندیوں میں کس

رکھا تھا۔ یہ پیغمبر وہ سارے بوجھ اُتار دیتا ہے اور وہ تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو آزاد کر دیتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 86-85، حاشیہ 115)

علامہ کی یہ بات غلط ہے کہ ''جاہل عوام نے'' اس لئے کہ جہلا کی بات پوری قوم کبھی نہیں مانتی وہ مجتہد، علامہ اور فقہا و علما و مُلّا ہوتے ہیں جن کی بات قوم کو ماننا پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ ہر مذہب میں خود کو رسولوں کا جانشین کہتے چلے آئے ہیں۔ بالکل یہی مسلمانوں میں ہے۔

آیت (7/157) میں رسولؐ کے ساتھ قرآن کے اُترنے سے پوری اُمت کے علما کو انکار ہے۔

یہاں جس نور علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے وہ علمائے اُمت کے نزدیک قرآن تو نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن تئیس (23) سال میں نازل ہوا اور چالیس سال تک رسولؐ (معاذ اللہ) بلا قرآن تھے۔ لیکن علمائے صالحین کا یہ ایمان ہے کہ علیؑ نفس رسولؐ ہیں۔ لہٰذا نفس ایک لمحہ کے لئے جدا نہیں ہوتا اور یہ کہ علیؑ اور محمدؐ ایک ہی نور سے ہیں۔ لہٰذا نور تقسیم ہونے اور جدا ہو جانے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بہر حال اس نورؑ کا بمعنی امامؑ ہونا (فَالنُّوْرُ هُوَ الْاِمَامُؑ) احادیث معصومینؑ سے ثابت ہے (کافی کتاب الحجۃ باب نکت ونتف حدیث نمبر 83، 91) چنانچہ یہ نور، نورِ مرتضویؑ ہے۔ جو ایک سیکنڈ کے لئے محمدؐ سے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اللہ کا سب سے بڑا معجزہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍؐ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍؐ وعجل فرجھم

یا قائم آل محمدؐ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ۔

☆☆☆☆☆

اقرباء پروری ۔یا۔ مقرر شدہ واجب الادا حق، حکمِ خداوندی خلافت الٰہیہ والمودۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنًا فَہُوَ یَتَکَلَّمُ بِمَا کَانُوۡا بِہٖ یُشۡرِکُوۡنَ O

(سورہ الروم، آیت 35)

ترجمہ: سید محمد احسن زیدیؔ:

''کیا ہم نے ان کے اوپر کوئی ایسی سلطانی دلیل و سند نازل کی ہوئی ہے جو یہ کہتی ہو کہ جن لیڈروں کو وہ قومی مسلمان حکومت خداوندی میں شریک کرتے ہیں منجانب خدا ہیں؟''

یہ آیت وہ سند و ثبوت مانگتی ہے جس کی رُو سے کسی کو حکومت الٰہیہ میں شریک کیا جا سکے۔

مشرک قسم کے مسلمان جس قسم کا شرک بیان کرتے ہیں وہ کبھی بھی سابقہ نام نہاد مشرک اقوام میں یا عہد رسوؐل کے مشرکین میں وجود نہ رکھتا تھا۔ یعنی کسی بھی انسان نے کسی بھی انسان کو اللہ کے کاموں میں دخیل، صاحب اختیار اور شریک کار نہ سمجھا تھا۔ بلکہ ہم نے قرآن سے بار بار ثابت کیا ہے کہ وہ جن لوگوں کو شریک کرتے یا سمجھتے تھے۔ انہیں بندۂ خدا و مجبور انسان مانتے تھے اور ساری کائنات کا خالق و رازق و مختار کار اللہ کو کہتے تھے۔ لیکن وہ سب اور مشرکین مکہ بھی خلافت الٰہیہ یا اقتدار الٰہیہ میں اپنے لیڈروں، علما، دانشوروں اور مجتہدین کو ضرور اس قابل سمجھتے تھے کہ وہ دنیا میں اللہ کی جگہ اور رسولوؐں کے مقام پر حکومت کریں اور وہ کسی انسان کے مطلق معصومؑ ہونے کے منکر تھے۔ تمام انبیاؑء کو بھی خطا کار سمجھتے تھے جیسا کہ مودودی نے فرمایا کہ:

''تھے وہ بندے اور بشر ہی۔ الوہیت ان میں سے کسی کو حاصل نہ تھی رائے اور فیصلے میں ان سے غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف

سے مواخذہ بھی ہوتا تھا'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

اس لئے وہ بھی اور سابقہ تمام مشرکین بھی حکومت الٰہیہ چلانے کے لئے غلط کاروں اور قصوراروں اور مواخذہ داروں کو جائز سمجھتے تھے۔لیکن اللہ نے ان سب کو اسی شرکت کی بنا پر عموماً اور جنسیات میں شرکت کے عمل کی بنا پر خصوصاً مشرک قرار دیا ہے (30/42) اور اسی عقیدے پر ان سے کوئی سلطانی دلیل وثبوت طلب کیا ہے۔جس کے ذریعہ سے اللہ نے کسی خاطی غیر معصوم انسان کو خلافت الٰہیہ میں شرکت کے لئے اجازت دی ہو۔چنانچہ ہم نے بار بار چیلنج کیا ہے کہ ایک ایسی آیت دکھا دو جس میں کسی غیر نبی غیر معصوم خطا کار انسان کے لئے رسوؐل اللہ کے بعد حکومت کرنے کی اجازت دی ہو۔البتہ سارا قرآن خلافت الٰہیہ میں شرکت کا عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک کہتا ہے۔اور سینکڑوں آیات میں اور اس زیرنظر آیت (30/35) میں وہ دلیل وثبوت مانگا گیا ہے جو کسی بھی الہامی کتاب میں خطا کاروں کو حکومت خداوندی میں شریک کرتا ہو۔

چونکہ رسوؐل کی قوم نے دھڑا بندی یعنی اجماع کرکے یہ طے کرلیا تھا کہ ہر اس آیت اور ہر اس حدیث کو اجتہادات وتاویلات سے بدل دیا جائے جو القربیٰ والے شخصؐ کے حقوق بیان کرتی ہو اور اس دھڑا بندی کو اللہ اعلم الغیوب جانتا تھا اس لئے قرآن کی تلاوت اس حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ مخالف قوم کے مسلمان لیڈر قرآن کے الفاظ کو نہ بدل سکیں اور نہ ہی قرآن کے بیانات کو سیاسی حربہ بنا کر رسوؐل پر کنبہ پروری کا الزام عائد کرکے عوام کو بھڑکا سکیں۔لہٰذا اللہ نے قرآن میں اسلام کے بدترین دشمنوں کا بھی نام نازل نہیں کیا (25/27-30) (بقرہ 2/204-205 وغیرہ) اسی طرح بڑی ہی حکمت کے ساتھ ہر جگہ اس بزرگ ترین ہستیؐ کا نام بھی اس کی صفات وعادات میں لپیٹ دیا ہے

جس نے اسلام کو نافذ کرنے میں قیامت تک کے لئے ٹھیکہ لیا اور خود کو اور اپنی اولاد کو اسلام پر فدا ہو جانے کی عملی و تاریخی مثال قائم کر دی۔ اسی مبارک و بزرگ ترین ہستیؐ کو یہاں (30/38) ذا القربیٰ القربیٰ والا یا القربیٰ کا صاحبؐ و سربراہ فرمایا گیا ہے۔ اسی القربیٰ کی المودۃ کے بغیر کوئی شخص نہ مسلمان ہے اور نہ اسے اسلام سے فائدہ پہنچ سکتا ہے (سورہ شوریٰ 42/23)۔

1) فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (30/38)

ترجمہ: ''چنانچہ اے رسولؐ آپ قرابتؐ داری والے کو اور مسکینوں اور ابن السبیل والے کو اس کا حق دے دو اور قرابت داری والے کو اس کا حق پہنچ جانا ان تمام انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا بہترین سبب بنے گا جو اللہ کے چہرؐے یا توجہاتؐ کو اپنے اوپر مرکوز رکھنا چاہتے ہیں''

اس آیت میں رسولؐ کریم کی نام نہاد قوم کی مرضی کے خلاف رسولؐ کے قریبی عزیز کو اس کا حق دینے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ دار کو اس کا مقرر شدہ حق دے دیں اور اس حق کو ادا کرنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ ایسا کرنا ان تمام لوگوں کے لئے خیر و خوبی ثابت ہوگا جو دنیا میں محض وجہ اللہ حاصل کرنے کو اپنا انتہائی مقصد سمجھتے ہیں اور جو اس غرض کو حاصل کرنے پر ہر وقت اپنے ہر ارادے اور عمل کو مرکوز رکھتے ہیں۔ اس آیہ مبارکہ (30/38) پر اس طرح بھی غور کریں کہ کیا کوئی حقیقی معنی میں ایسا مسلمان بھی ہو سکتا ہے جو مسلمان رہتے ہوئے اپنا ہر ارادہ اور ہر عمل کو وجہ اللہ یا بقول عام علما، رضائے خداوندی پر مرکوز رکھنا پسند نہ کرتا ہو؟ میرا جواب تو یہ ہے کہ یہ ساری کائنات وجہ اللہ کے حصول میں سرگرداں ہے ہم تو

یہاں تک کہیں گے کہ خود وجہ اللہ کے علاوہ ہر مخلوق ، ہر انسان ، ہر نبیؑ اور ولی اور عمومی عقیدے کے مطابق خود ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعائشہؓ وغیرھم بھی رضائے خداوندی یا وجہ اللہ کے محتاج اور طلب گار ہیں ۔اور آیت میں مذکور مساکین وابن السبیل بھی وجہ اللہ ہی کے لئے ارادہ اور عمل رکھتے ہیں ۔ پھر اس آیت کے متعلق یہ سوچیں کہ کیا اللہ کسی غلط عمل وعقیدہ رکھنے والے گروہ کو فلاح یافتہ اور ہر ہر معاملے میں کامیاب (اَلْمُفْلِحُونَ) قرار دے سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جس حق کو ادا کرنے کا کھلا حکم دیا گیا اور جس حق کے ملنے سے نوع انسان کی فلاح لازم ہو جاتی ہے اور جس حق والے ہی کے لئے ساری کائنات ،سارے انبیاؑء اولیاء اور انسان اپنے اپنے ہر ارادے اور عمل کو مرکوز رکھتے ہوں ۔ وہ حق اگر نہ دیا جائے یا نہ ملے تو اس کائنات سے فلاح کا حصول رخصت ہو جائے گا اور فساد ہی فساد پھیل جائے گا ۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ وہ حق عام انسانی حقوق میں سے کوئی حق نہیں ہے ۔اس لئے کہ کسی بھی انسان کے حقوق میں سے کوئی ایک حق ایسا نہیں ہے جس پر ساری نوع انسان کی فلاح منحصر ہو سکے اور جس کے ملنے پر ساری کائنات کا ارادہ وعمل مرکوز رہتا ہو ۔لہٰذا اس حق کو کوئی ایسا عظیم الشان اور ہمہ گیر حق ہونا چاہئے جس میں تمام انسانوں کا عموماً اور بے سہارا (مساکین) وراہ گیر (ابن السبیل) کا خصوصاً فلاح وکامیابی کا سامان ہونا لازم ہے اور ان سب کو اسی صورت میں فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ جبکہ وہ حق صرف اس شخص کو ملے جو القربیٰ والا یا القربیٰ کا سربراہ ہے ۔ ورنہ لوگوں کی محرومی اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا ۔اور سود در سود کا رواج چل نکلے گا ۔ زکوٰۃ اور پاکیزگی اور حقیقی افزائش رک جائے گی (30/39) اور خلافت الٰہیہ میں شریک ہونے والوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد ہی فساد چھا جائے گا مجرموں کے لئے سزائے دنیا کی راہیں ہموار ہو جائیں گی (30/40-41) اور سابقہ

روئے زمین کے مشرکوں کی کثرت کی طرح اس اُمت میں بھی مسلمان نام کے مشرکوں کا دور دورہ ہو جائے گا (30/42) اور اس دن کا نفاذ ہوجائے گا جو دین قیّم کے مطابق خلافت الٰہیہ قائم نہ ہونے اور اس کی حقیقت کو چھپانے کی وجہ سے ٹالے نہ ٹلے گا (30/43-44) اور قومی مسلمان اپنا الگ راہنما بنا کر اس کے پیچھے دوڑنے اور نئے نئے تصورات اور فرقے گھڑنے لگیں گے (30/31-32) اس سب سے بدترین صورت حال کو سنوارنے اور بہترین نتیجہ نکالنے کے لئے ضروری تھا کہ القربیٰ کے مالک یا صاحب یا القربیٰ والے (ذوالقربیٰ) کو اس کا حق بعدِ رسوؐل فوراً دے دیا جاتا۔ اب اسے محروم کرنے کی صورت میں تو اس کے حقوق کو ماننے والوں اور اس سلسلے کے نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ اپنے فضل سے جزا دے گا۔ ورنہ انہیں وہ جزا خود بخود ملتی چلی جاتی (30/45)۔

علامہ مودودی آیت (30/38) کا مخاطب رسوؐل اللہ کی جگہ غیبی علم کے ذریعہ کسی مومن کو بتاتے ہیں۔

''پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق) ''یہ طریقہ'' بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں'' (روم 30/38، تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 758-757)

آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے رسوؐل اللہ کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ حق ادا کریں لیکن علامہ کو یہ پسند نہ تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے بریکٹ لگا کر ''اے مومن'' کا اضافہ کیا۔ حالانکہ نہ علامہ بتا سکے اور نہ کوئی بتا سکتا ہے کہ ''وہ مومن'' کون ہے کہ صرف جس پر یہ حق واجب الادا ہے؟ اس آیت (30/38) کے ترجمہ کے الفاظ '' فَـاٰتِ '' (پس تو تنہا ایک شخص کو دے) اور ''ذاالـقربیٰ'' (اس تنہا ایک رشتہ دار کو) اور ''حَـقَّهٗ '' (اس تنہا شخص کا حق) تقاضہ کرتے

ہیں کہ مذکورہ حق ایک مرد پر واجب ہے اور ایک مرد حقدار ہے۔اور یہ سب کچھ علامہ کے اضافہ کردہ ترجمہ سے بھی ثابت ہے۔لہٰذا یہ علامہ اینڈ کمپنی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے خودساختہ مومن کا نام بتائیں اور اس واحد شخص کا نام بتائیں جس کا حق اسی فرضی واحد شخص پر واجب تھا۔اور یہ بتائیں کہ اس نے اب تک کیوں اس حق کو ادا نہیں کیا اور یہ کہ وہ کیا حق تھا؟ یہاں نہ روپے اور مالِ دنیا کا ذکر ہے نہ زمین و جائیداد زیر بحث ہے۔پھر علامہ نے آگے چل کر ایک اور لفظ ''طریقہ'' اپنی جیب خاص سے بڑھایا ہے۔آیت میں کسی طریقے کا کوئی اشارہ تک بھی نہیں ہے۔وہاں تو یہ ہے کہ ''اس شخص مذکورہ کا حق ادا کر دینا ہی تمام ان انسانوں کے لئے خیر کا باعث ہوگا جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں'' اب سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کون سا حق ہوسکتا ہے جس کا ادا کرنا یہ ہمہ گیر نتیجہ پیدا کر دے گا؟ آیت کوئی پروگرام نہیں بتاتی دوسرے انسانوں سے کوئی بات نہیں کہتی صرف یہ بتاتی ہے کہ اس کی ادائیگی پر ساری نوع انسان کی فلاح اور رضائے خداوندی منحصر ہے۔چونکہ اس آیت میں علامہ کے داخل کردہ اضافہ سے بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا۔اور اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں قاری حقائق تک نہ پہنچ جائے اس کے لئے انہوں نے مزید اضافے کے لئے اپنا تشریحی بیان لکھا اور اس آیت کے ذمہ وہ کچھ چپکا دیا جس کی اس میں کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔ان کی تشریحات کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ وہ اس آیت میں ایک مومن کو مخاطب دکھا کر تشریح میں واحد کی جگہ تمام مومنین کو مخاطب دکھاتے ہیں یعنی گویا اللہ قیامت تک آنے والے تمام مومنین سے کہتا ہے کہ تم سب اپنے اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے رہا کرو تو فلاح یاب ہو جاؤ گے۔مطلب یہ کہ علامہ نے آیت کی ہر بات کو بدل دیا (1) ایک مخاطب کی جگہ ساری اُمت کو مخاطب بنا دیا۔(2) ایک حقدار کی جگہ پوری نوع

انسان کے حقداروں کو شامل کر دیا (3) اور وہاں صرف ایک حق تھا لیکن علامہ نے تمام حقوق کی ادائیگی آیت کے سر چپکا دی ہے حالانکہ اللہ نے مالی حقوق اور ضرورت مندوں محتاجوں، فقراء و مساکین کے بارے میں یتیموں اور مسافروں کے سلسلے میں اور والدین اور قرابتداروں رشتہ داروں کے حقوق اور قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔ اور ایسی بہت سی آیات میں سے ایک آیت کا ترجمہ علامہ کے قلم سے سنیں اور باقی آیات کو ان ہی کی تفہیم القرآن میں دیکھ لیں اور فیصلہ کر لیں کہ ان تفاصیل کی موجودگی میں اس آیت زیر بحث (30/38) کا مالی حقوق سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ پہلے ترجمہ دیکھیں:۔

قرابت داروں اور ضرورتمندوں مساکین و یتامیٰ کے مالی حقوق کا تذکرہ کیسے کیا گیا ہے؟؟

''ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے اجنبی ہمسائے سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے (یہ ماملکت ایمان کا ستیاناس کیا ہے۔ احسنؔ) جو تمہارے قبضے میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 352-351، سورہ نساء 4/36)

قارئین اس ترجمہ میں یہ نوٹ کر لیں کہ علامہ اس فہرست میں آئے ہوئے لوگوں پر احسان کرنے کا حکم سمجھے ہیں۔ اور ایک ترجمہ اور دیکھیں جس میں مالی حقوق کا ذکر ہے۔
''اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے'' (بقرہ 2/177، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 137) یہ دونوں ترجمے سامنے رکھیں اور یہ آیت بھی دیکھ لیں (نساء 4/8، تفہیم القرآن جلد 1، صفحہ 324، نحل 16/90، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ

564،نور 24/22، تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 372)ان پانچوں مقامات پر وہ مقصد مفصل بیان ہوا ہے جو علامہ نے زبردستی مندرجہ بالا زیر بحث آیت (30/38) کے سر چپکا کر ایک ہمہ گیر حق کے غصب کرنے والوں کو چھپایا ہے۔جس کی تشریح میں یہ مانا ہے کہ:

آیت (30/38) میں جو حق مانگا گیا ہے وہ احسان وعطیہ نہیں واجب الادا حق ہے۔

''یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار و مسکین اور مسافر کو خیرات دے۔ارشاد یہ ہوا ہے کہ ''یہ اس کا حق ہے جو تجھے دینا چاہئے۔اور حق ہی سمجھ کر تو اسے دے''اس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو تو اس پر کر رہا ہے''اور تو کوئی بڑی ہستی ہے دان کرنے والی۔اور وہ کوئی حقیر مخلوق ہے تیرا دیا کھانے والی۔بلکہ یہ بات اچھی طرح تیرے ذہن نشین رہے کہ مال کے مالک حقیقی نے اگر تجھے زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زاید مال ان دوسروں کا حق ہے جو تیری آزمائش کے لئے تیرے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔تاکہ تیرا مالک دیکھے کہ تو ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہے یا نہیں'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 758، زیر تشریح آیت 30/38)۔

علامہ نے زوردار الفاظ میں مانا کہ القربیٰ والے شخص پر کوئی احسان نہیں کیا جا رہا ہے، فاضل مال امانت ہے۔

اس بیان میں علامہ نے دو غلطیاں کی ہیں اوّل یہ ثابت کر دیا ہے کہ آیت (30/38) میں اللہ نے ایک شخص کو مخاطب کیا ہے تمام مسلمانوں یا مومنین کو نہیں اور یہ کہ وہ حقدار بھی تنہا ہے بہت سے نہیں۔اور یہ کہ اس پر کوئی احسان نہیں کیا جا رہا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا پانچ آیات میں مالی مدد کو حق نہیں فرمایا بلکہ احسان اور حسن سلوک قرار دیا ہے۔ یعنی جس کا دل چاہے مدد کرے یا نہ کرے معلوم ہوا کہ آیہ زیر بحث (30/38) میں مالی

مدد یا سلوک کا ذکر نہیں بلکہ کوئی ایسا حق ادا کرنے کا حکم ہے کہ جسے ادا نہ کیا جائے تو نہ صرف گناہ وخیانت ہوگی بلکہ ساری دنیا فلاح سے محروم اور فساد سے دوچار ہو جائے گی۔ دوسری غلطی یہ کی ہے کہ اس حق پر پردہ ڈالتے ہوئے گھبراہٹ میں یہ بھول گئے کہ علامہ ''فاضل مال و دولت کو لوگوں میں مساوات کے لئے بطور حق تقسیم کر دینے کے مخالف ہیں'' چنانچہ واضح الفاظ میں مان لیا کہ جس کسی کے پاس فاضل مال و دولت ہے وہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ امانت ہے جس کو ضرورت مندوں کو پہنچانا واجب ہے احسان و خیرات نہیں۔

آیت (30/38) والے ذوالقربیٰ کی پوزیشن مسلّمات میں سے ہے نہ یہ عام قربیٰ ہیں نہ وہ عام مومن ہے۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ رسوؐل کو جس شخص کے حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے وہ ہے کون؟ چنانچہ قرآن کریم پڑھیئے اور مسٹر مودودی کا ترجمہ وتشریح دیکھئے اور ہمارے تمام بیانات کی تصدیق یا تردید کر دیجئے۔ ارشاد ہے کہ:

''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسوؐل اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو'' (تفہیم القرآن جلد 2، صفحہ 146-145) (8/41)

یہاں قارئین اس لفظ ذی القربیٰ (یعنی ذالقربیٰ) کو نوٹ کر کے علامہ کی تشریح نمبر 32 ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ مذکورہ بالا اور زیر بحث قرابت والے (ذالقربیٰ 30/38) شخصؐ کو اور اس کی شہرت اور حق کو چھپانے کے لئے کس طرح روایات گھڑی گئیں اور کوشش کی گئی کہ:۔ ''القربیٰ'' اور ذالقربیٰ'' کا تعین وتشخص نہ ہونے پائے اس کے باوجود

علامہ کا بیان ثابت کر دیتا ہے کہ لفظ ''القربیٰ'' رسولؐ اللہ کے رشتے داروں کے لئے نازل ہوا تھا سنئے:۔

''القربیٰ'' رسولؐ کے رشتے دارؓ ہیں تو۔ذاالقربیٰ ان کا سربراہ ہے؟؟

''رشتے داروں (القربیٰ) سے مراد نبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کی زندگی میں تو حضورؐ ہی کے رشتہ دار تھے.....اس لئے خمس میں آپؐ کے اقربا کا حصہ رکھا گیا تھا۔لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ (پانچواں) حصہ منسوخ ہو گیا۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضورؐ کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقرباء کو پہنچے گا جو حضورؐ کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے گا۔تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندانؐ نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں خلفائے راشدین کے زمانے میں اسی تیسری رائے پر عمل ہوتا تھا'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 146)

علامہ نے خلفائے راشدین کو بچانے کے لئے سو فیصد جھوٹی تحقیق کی ہے۔آپ الفاروق پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ خلفائے راشدین کے اوّلین خلیفہ نے جہاں مذکورہ بالا زیر بحث (30/38) حق سے محروم کیا اس نے فدک کی مقبوضہ اراضی اور باغات سے اور خمس سے اولاد رسولؐ کو محروم کر دیا تھا۔قارئین اس بیان میں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کر لیں کہ قرآن میں اللہ نے زیر تحقیق القربیٰ کا پانچواں حصہ مقرر فرمایا تھا اور چار حصے پوری اُمت کے لئے رکھے تھے جو حیات رسولؐ میں قرآن نے برقرار رکھے۔لیکن نہ معلوم وہ کون سی وحی تھی جس کے ماتحت یہ پانچواں حصہ قرآن مکمل ہو چکنے اور رسولؐ کی وفات کے بعد منسوخ ہوا تھا؟ اور نہ معلوم وہ کون سی آیت نازل ہوئی تھی جس میں کسی دوسرے غیر خاندان کے

شخص کو رسولؐ کی جگہ حکومت کرنے کا اختیار دیا تھا کہ اس کے خاندان کو وہ پانچواں حصہ ملا کرتا ؟اس زیر بحث آیت میں یہ حکومتِ رسولؐ اور جانشینیٔ رسولؐ ہی تو وہ حق ہے جسے دینے کا حکم رسولؐ کو قرآن میں دیا گیا (30/38)اور جس کا اعلان اُسی ماہ ذی الحجہ میں رسولؐ اللہ نے حجۃ الوداع میں کیا تھا۔اور تمام مسلمانوں نے اس حاکمِ مطلق کی بیعت کی تھی اور بخٍ بخٍ لَکَ یَا عَلیؑ کہہ کر مبارک باد دی تھی۔لیکن اس قوم نے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا جو کچھ بھی ہو جائے نبوت کے بعد خاندان رسولؐ میں حکومت وخلافت نہ جانے دیں گے (الفاروق حصہ اول صفحہ 103) بہر حال اس آیہ مبارکہ (انفال 8/41) میں اور اس کے ترجمہ اور تشریح میں ثابت ہو چکا کہ اللہ نے قرآن میں لفظ ''القربیٰ'' رسولؐ کے قریبی رشتہ داروں کو فرمایا ہے؟اب آپ الفاظ ''ذی القربیٰ'' کے معنی کو نہایت سہولت سے سمجھ سکتے ہیں۔یعنی وہ شخص جو رسولؐ کے زمانہ حیات میں بھی رسولؐ کے قریبی رشتہ داروں والا تھا۔یا ان کا ذمہ دار و سربراہ تھا یا ان کا صاحب و مالک اور کرتا دھرتا تھا۔اس کے لئے اللہ نے رسولؐ اللہ کو حکم دیا تھا کہ ''آپؐ اسےؑ اس کا حق دے دیں''یعنی علیؑ کو اپنے بعد کے لئے بھی خلفیہ و جانشین بنا دیں۔اور قارئین جانتے ہیں کہ اسلام میں جتنی تبدیلیاں ،فرقہ پردازیاں،قتل و غارت وقوع میں آیا وہ اس حق کو غصب کر لینے اور اس غصب کو جائز قرار دینے اور اسے غصب و باطل وظلم ثابت کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔اور ابھی یہ سلسلہ ءِتبدیل وتحریف وتفریق ختم نہیں ہوا ہے۔بلکہ روز افزوں ہوتا جا رہا ہے۔

القربیٰ اور ذی القربیٰ ڈھکے چھپے حضرات نہ تھے۔یہ تو بعد میں ان کو محروم کر کے چھپانے کی کوشش کی ہے۔

لیکن قرآن کریم آج بھی ہر صاحب عقل کو حقیقت حال بتانے کے لئے رسولؐ

کی نام نہاد قوم کی نقاب اٹھا کر ان کا حال سناتا ہے۔ کمی اس بات کی رہ جاتی ہے کہ لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوئے قرآن کو (99.99) ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد بے معنی پڑھتے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن کے تراجم و تفاسیر ان ہی کے مکتبہ فکر کی فکر و تشریح کے ماتحت تیار کئے گئے ہیں۔ جن میں الفاظ قرآن کو ملحوظ رکھنے کے بجائے اپنی پالیسیوں اور آل رسولؐ کے دشمنوں کی تائید کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ رہ گئے شیعہ لیبل کے تراجم و تفاسیر ان پر بھی اجتہاد کا سایہ منڈلاتا چلا جاتا ہے اور وہ بھی ان ہی اصول و قواعد کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کرتے رہے ہیں جو ان کے لئے مذکورہ لوگوں کی فیکٹریوں میں گھڑے گئے اور مقبول عام کا جھوٹا درجہ دلائے گئے تھے۔ لیکن ہم نہ ان کی تقلید کرتے ہیں نہ ان کے نام نہاد اہل زبان کے گھڑے ہوئے جھوٹے محاوروں کو قابل اعتنا سمجھتے ہیں۔ اور قرآن کی تفسیر خود قرآن کی آیات اور قومی علما کی تصدیقات سے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ:۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O (الحشر 59/7)

(علامہ کا ترجمہ ایک آیت پہلے سے سن لیں) ''اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر پلٹا دیئے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسولؐ اور رشتہ داروں

اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے۔تا کہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔جو کچھ رسوؐل تمہیں دیں وہ لےلواور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے‘‘(59/6-7)
(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 388-393)

علامہ کے ترجمہ کی رُو سے پوری اُمت ازخود کوئی فیصلہ نہ کرےاور مال فے میں کوئی حصہ نہیں رکھتی اور رسوؐل کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں لے سکتی۔

اس ترجمہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ مال فے (جس میں فدک کی اراضی اور باغات بھی شامل ہیں)میں اُمت کے کسی بھی فرد کا کوئی حق یا حصہ نہیں ہے۔اوران آیات میں رسوؐل کی حیات اور ممات کی کوئی شرط بھی نہیں ہے۔لہٰذا قیامت تک اُمت کے کسی فرد کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ فدک کے علاقے کو جناب فاطمہ علیہا السلام سے واپس لے لے۔اور یہ بھی ثابت ہے کہ رسوؐل اللہ کے حکم واجازت کے بغیر کوئی مال کسی شخص کو لینے یا دلانے کا حق نہیں رہتا ہے۔ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے کہ عہد رسوؐل کے سرمایہ داروں (اغنیاء) نے مال فے میں حصہ طلب کیا تھا۔جواب میں یہ قانون بتایا گیا کہ دولت کسی صورت میں سرمایہ داروں میں رک کر گشت نہ لگاتی رہے۔ان دولتمندوں کو خدا سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی اور سخت سزا دیئے جانے کی دھمکی بھی دی گئی تھی۔لیکن اس سب کے باوجود اولادؐ رسوؐل سے سب کچھ چھین لیا گیا تھا۔

علامہ کی تشریح کا وہ خلاصہ جو ہمارے عنوان سے متعلق ہے(ذی القربیٰ)

ان دونوں آیات پر علامہ نے بڑی لمبی چوڑی تشریحات لکھی ہیں اور وہ فیصلے درج کئے ہیں جو حقِ خلافتِ نبوؐی کو غصب کر لینے والے علماء نے اپنے اجتہاد سے قرآن

کے خلاف اور قومی وملکی مصلحتوں کے ماتحت کئے تھے۔جن سے ہمارے عنوان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔انہوں نے مانا ہے کہ:

(1)''مال فے میں پہلا حصہ اللہ ورسوؐل کا ہے

(2)دوسرا حصہ رشتہ داروں کا ہے۔اوران سے مراد رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کے رشتہ دار ہیں۔

(3)رسوؐل کی وفات کے بعد یہ بھی ایک الگ اور مستقل حصہ کی حیثیت سے باقی نہیں رہا۔

(4)حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد حکومت میں حضوؐر کا حصہ اور رشتہ داروں (ذی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم کو بھیجنا شروع کر دیا تھا'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 392-391)

قارئین دیکھ لیں اور خود فیصلہ کرلیں کہ الفاظ ذالقربیٰ۔ذی القربیٰ۔سے رسوؐل اللہ کے قریبی عزیز ورشتہ دار مراد ہیں اور جس ہستی کو یہاں ''ذا و ذی'' (30/38) سے ظاہر کیا گیا ہے۔وہ جناب علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ ہیں اوران کا حق،حق خلافت الٰہیہ ثابت ہے۔اوران ہی کا ایک لقب وجہ اللہ (کافی) بھی ہے اور وہ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنی جان کے بدلے میں مرضات خداوندی خرید لیں تھیں (بقرہ 2/207) لہٰذا وہ ہستی جسے حاصل کرنا تمام انسانوں کی تمنا ہو وہ مولا علیؑ ہیں (30/38)۔ان کے بغیر نہ کسی کو توجہات خداوندی مل سکتی ہیں نہ رضائے خداوندی نصیب ہوسکتی ہے۔

2) تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ O ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ

حَسَنَةً نَّزِدْلَهٗ فِيهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌO(42/22-23)

ترجمہ: ’’آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کو خالص طور پر استعمال نہ کرکے اپنے اجتہاد سے جو جو کچھ کیا ہوگا وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر گھلے جارہے ہوں گے اور وہ تمام مظالم ان کے اوپر واقع ہوں گے۔اوران کے سامنے ہی وہ لوگ جو ایمان وعمل صالح پر کاربندرہے ہوں گے وہ جنت کے باغوں میں قیام کریں گےاوران کے حسب دل خواہ حالات فراہم کیئے جائیں گے۔اللہ کی طرف سے اس کا وعدہ اورانتظام کیا جاچکا ہوگا اور وہ عمل درآمد ہی حقیقتاً سب سے بڑا افضل خدا ہوگا۔اوراسی فضل وکرم وسلوک کے لئے اللہ اپنے مومن اورنیکوکار بندوں کو بشارتیں دیتا چلا آیا ہےاوراَے رسوؐل اپنے تمام مخاطبوں سے کہہ دوکہ میں تم سے اس عظیم الشان فضل وکرم کے لئے کوئی اجراس کے علاوہ نہیں مانگتا کہ تم القرؐبیٰ یعنی ہمہ قسم کی قربت رکھنے والوؐں سے اَلْمَودۃ یعنی ہمہ قسم کی محترم وباوقاروابستگی اختیارکرلواور جوشخص اس والہانہ وابستگی کے علاوہ اورنیکیوں کا اکتساب بھی کرے گا ہم اس کے اس اکتساب میں حُسن کا مزید اضافہ کردیں گے یقیناً اللہ تحفظ کرنے والا قدردان ہے‘‘۔

خلافت الٰہیہ قائم کرنے والے خانوادۂ رسوؐل سے تمام محترم وباوقاروابستگیاں برقراررکھنے کا حکم ہے۔

قارئین کرام ان آیات سے پہلے والی بائیس آیات تلاوت فرمالیں ان آیات میں حکومت الٰہیہ کے سلسلے کے مجتبیٰ خلفاء علیہم السلام کا تعین وتقرر زیر بحث رہا ان کے مخالفوں کے منصوبے اورقومی حکومت قائم کرنے کی باتیں ہوئیں ان کو قیامت تک مہلت اور رجعت میں سزا بھگتنے کا ذکر ہوااوراب پھراچانک رسوؐل اللہ کو حکم دیا گیا کہ تم اپنے تمام مخاطبوں سے

کہہ دو کہ:

''اللہ کے عظیم الشان فضل و کرم سے وابستہ کرنے کا اجر صرف یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تمام قسم کی مکمل و محترم و با وقار وابستگیاں وابستہ کر دو جو ہمہ قسم کی قربتوں کے حاملؐ ہیں''(42/22-23)۔

قارئین یہ نوٹ کریں کہ ہم نے لفظ اَلْمَوَدَّۃُ کے معنی محبت نہیں کئے ہیں پہلی وجہ وہی قدیم ہے کہ عربی میں ایک تصور کے لئے دو یا زیادہ الفاظ نہیں ہوتے یہ ایک قانونی زبان ہے اس میں گنجلک اور دوغلا پن بار نہیں پاتا۔ وہاں ہر تصور کو سو فیصد پیش کرنے کے لئے ایک ایک مستقل اور اٹل لفظ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ محبت خود عربی زبان کا لفظ ہے اور اس تصور کو پیش کرنے سے قاصر رہتا ہے جو کہ لفظ مودۃ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کا آسان سا فرق یوں سمجھ لیں کہ کہا جاتا ہے ''محبت ہو جاتی ہے کی نہیں جاتی''، یعنی محبت ارادے اور اختیار میں نہیں ہوتی۔ اچانک ہو جاتی ہے۔ اور لفظ محبت ان تمام قسموں کی محبتوں کو بیان کرنے سے قاصر ہے جو سب کی سب محبت ہی کہلاتی ہیں۔ مثلاً والدین اور اولاد والی محبت بالکل جداگانہ محبت ہے اس محبت سے جو شوہر و زوجہ میں ہوتی ہے۔ یا جو بہن بھائیوں میں ہوتی ہے۔ یا جو مرید اور مرشد میں ہوتی ہے یا جو کہ حیوانات میں آپس میں اور انسانوں سے ہوتی ہے۔ پھر محبت کسی بھی قسم کی ہو اُس میں امتیاز تو ضرور ہوتا ہے۔ مگر لفظ محبت میں اس امتیاز کو الگ الگ بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے یہی سبب ہے کہ اللہ نے قرآن میں لفظ محبت اور اس کی چند صورتوں کو بطور پسندیدگی اور فطری جذبے کے ماتحت استعمال کیا ہے۔ لیکن نہ خود اپنے نام کیلئے اور نہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے استعمال کیا ہے۔ یعنی لفظ حبیب یا محبوب کو قرآن میں جگہ نہیں دی ہے۔ اس کے برخلاف لفظ مَوَدَّۃُ میں پسندیدہ

محبت والی وابستگی بھی ہوتی ہے اور احترام ووقار بھی مدنظر رہتا ہے۔ مَوَدّۃٌ چونکہ کردار وحسن عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اختیاری چیز ہے ہم اُسے ترقی دے سکتے ہیں کم کر سکتے ہیں ختم کر سکتے ہیں۔ پھر مَوَدّۃٌ دونوں طرف سے ہوتی ہے لیکن محبت یکطرفہ بھی ہوتی ہے (3/119) محبت غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف مَوَدّۃٌ سوچی سمجھی ہوئی وابستگی اور سپردگی ہے جو محسوس ومشہود اکتساب واستفادہ کے لئے وقوع میں لائی جاتی ہے۔ محبت حد سے بڑھ جائے تو دیوانگی وجنون کہلاتی ہے۔ مودۃ ایک لامحدود چیز ہے اور چونکہ اللہ نے یہاں صرف مَوَدّۃ نہیں فرمایا بلکہ اَلْمَوَدّۃٌ کا حکم دیا ہے۔ جس کے معنی مکمل ومخصوص مودۃ ہوتے ہیں۔ یعنی اپنی تمام تمنائیں تمام خواہشیں تمام اُمنگیں تمام امیدیں اور ہر قسم کا لگاؤ اور لگن ان حضرات سے وابستہ کر دو گے تو وہ فضل وکرم اپنی انتہائی حدود تک تم سے وابستہ ہو جائے گا جس کا ذکر وہیں آیت (42/22) میں فرما دیا گیا ہے۔

اَلْمَوَدّۃٌ کی طرح اَلْقُربٰی بھی ہمہ گیر صفت ہے جو موصوفین کے اندر مکمل موجود ہے

اِدھر جن حضرات سے ہمہ قسم کی مودۃ اختیار کرنا ہے وہ خود بھی ہمہ گیر صفت قربت کے حامل ہیں یعنی انہیں ہر قسم کی قربت حاصل ہے وہ قرب خداوندی میں سب سے قریب تر ہیں یا یوں کہیئے کہ اللہ سے جسے بھی قرب حاصل ہوتا ہے ان ہی کے وسیلے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر جس طرح اللہ اپنی ہر مخلوق سے قریب تر یعنی رگ حیات سے بھی قریب تر ہے (ق 50/16) اسی طرح وہ حضرات ہر مخلوق پر حاضر وشہید ہونے کی بنا پر ان سے قریب تر ہیں (نساء 4/41، نحل 16/89) اور ظاہر ہے کہ اُمت محمدؐیہ میں ان صفات کے حامل حضرات ہی اسلام اور مسلمانوں کے حقیقی سربراہ اور خلفائے خداوندی ہو سکتے ہیں۔ اور وہ محمد مصطفیٰ اور ان کے نور سے پیدا ہونے والے دوسرے محمد صلی اللہ علیہم ہی ہیں۔

چونکہ علامہ مودودی دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لئے انہوں نے تمام علماء کی مخالفت کی ہے۔

یہ سب کچھ علمائے صالحین نے مانا ہے مگر علامہ صاحب اپنی عداوت کی بنا پر اس کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی O''(42/23)

علامہ کا ترجمہ ''اے نبیؐ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 500)

علامہ کا ترجمہ قرآن کے الفاظ کا مخالف ہے:

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ علامہ کے اس ترجمہ کی رو سے اللہ کا لفظ القربٰی فرمانا بے کار ہو گیا یعنی الف اور لام لگا کر کہنے کی ضرورت نہ رہی یہ ترجمہ تو صرف لفظ قربٰی کے لئے بھی کافی تھا۔ ادھر لفظ المَوَدَّۃ کا نہ صرف الف اور لام بے کار ہو گیا بلکہ پورا لفظ ہی فضول ٹھہرا۔ اس لئے کہ علامہ کے ترجمہ کا تقاضا ہے کہ اس آیت میں لفظ محبۃٌ ہونا چاہئے تھا۔ پھر علامہ نے لفظ ''علیہ'' سے کون سا کام مراد لیا ہے وہ آیت میں نہیں ہے اور اگر علامہ سیاق و سباق کو ملحوظ رکھتے تو وہاں رسولؐ کا کوئی کام مذکور نہیں البتہ اللہ کا اَلْفَضْلُ الْکَبِیْرُ موجود ہے (42/22)۔ جس پر اللہ اجر مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ نہ کہ رسالت یا کار رسالت کا اجر۔ چنانچہ لفظ ''علیہ'' کو اپنے ذاتی خیال سے کار رسالت سمجھ لیا گیا جو سراسر باطل ہے۔ قارئین اس نکتہ پر غور فرمائیں گے تو علامہ اینڈ کمپنی کا تمام جال بکھر جائے گا۔ اس لئے کہ جس چیز کی اللہ بشارت اور خوشخبری دیتا چلا آیا ہے۔ وہ الفضل الکبیر ہے جسے حاصل کرنے کے لئے پہلے رسولؐ کو اجر دینا ہے۔ یہاں بھی صرف لفظ فضل نہیں

فرمایا بلکہ الف اور لام لگا کر مکمل اور ہر ہر قسم کا فضل بتایا گیا اور اسی طرح صرف کبیر نہیں کہا بلکہ الکبیر فرمایا جس میں فضل کی ہر بزرگی اور ہر وسعت داخل ہوتی ہے اور اسی بنا پر مودۃ کی ہر ہر قسم اور ہر مقدار بطور اجر لازم کی ہے۔ ورنہ معمولی فضل کے بدلے میں معمولی مودۃ کافی ہو جاتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ علامہ نے الفاظ کی قدر و قیمت اور معنی کو ہلکا کر کے ترجمہ کیا ہے۔ تاکہ رہی سہی دشمنی تشریح کرتے ہوئے مکمل کر دی جائے۔

علامہ کی تشریح الفاظ سے الف ولام ہٹانے کی وجہ سے چند قدم چلتی ہے۔

اگر علامہ نے ترجمہ میں سے حروف تعریف و تشخص یعنی الف و لام کو نہ ہٹایا ہوتا تو انہیں لفظ ''القربیٰ'' کی قسمیں اور معنوی فرق بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

''اصل الفاظ ہیں '' الا المودۃ فی القربیٰ '' یعنی میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر ''قربیٰ'' (دیکھا آپ نے الف و لام ہٹایا گیا) کی محبت (المودۃ کی جگہ۔احسن) ضرور چاہتا ہوں'' اس لفظ ''قربیٰ'' کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 501)

قارئین دیکھ لیں کہ علامہ کو ضد ہے کہ دونوں الفاظ پر نہ تو الف لام رہے اور نہ آیت میں لفظ المودۃ رہے بلکہ لفظ محبت اپنی جانب سے داخل کر کے تشریح کی جائے۔ چنانچہ وہ مفسرین کی تفسیروں اور گروہوں کی آڑ لے کر لکھتے ہیں کہ:

لفظ قربیٰ پر مفسرین کے اختلافات اور تین گروہ۔

(1) ''ایک گروہ نے اس کو ''قرابت'' (رشتہ داری) کے معنی میں لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔۔۔۔۔۔''

(2) ''دوسرا گروہ ''قربیٰ'' کو قرب اور تقرب کے معنی میں لیتا ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ

بیان کرتا ہے کہ ۔۔۔۔

(3) تیسرا گروہ قربیٰ کو اقارب (رشتہ داروں) کے معنی میں لیتا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو'' پھر اس گروہ کے بعض حضرات اقارب سے تمام بنی عبدا لمطلب (عبدالمطلب کی ساری اولاد۔احسنؔ) مراد لیتے ہیں۔اور بعض اسے صرف حضرت علی و فاطمہ اور ان کی اولاد تک محدود کرتے ہیں (یہاں علامہ نے نہ ؓ لکھا نہ ؑ بنایا) یہ تفسیر سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب سے منقول ہے اور بعض روایات میں یہی تفسیر ابن عباس اور حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کی طرف منسوب ہے لیکن متعدد وجوہ سے یہ تفسیر کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 501)

قارئین نے دیکھ اور سمجھ لیا ہے کہ اگر اس آیت (42/23) میں آئے ہوئے قرآن کے الفاظ کی صورت بگاڑے بغیر اصلی الفاظ (القربیٰ۔المودۃ) کے مسلّمہ قواعد کے ساتھ تراجم کر دیئے جاتے تو علامہ اور دیگر مفسرین کو ان کے معنی اور اقسام کی بحث میں الجھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔اور وہاں آئے ہوئے الف و لام کی وجہ سے تمام رشتہ داریاں قرابتیں اور قرب و تقرب مل کر القربیٰ میں داخل ہو جاتے۔یعنی جہاں تک اس مادہ۔ (ق۔ر۔ب) کی وسعتیں جاتیں وہیں تک القربیٰ کے معنی خود بخود وسیع ہو جاتے۔

لفظ ''القربیٰ'' کا قرآن میں مرکب استعمال اور ان کے معنی۔

بہرحال اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو لفظ القربیٰ کا قرآن میں استعمال دکھائیں تاکہ آپ یہ فیصلہ کرسکیں کہ جس شان کے ساتھ یہ لفظ یہاں (42/23) استعمال ہوا ہے پورے قرآن میں اور کہیں استعمال نہیں ہوا ہے۔یعنی باقی تمام مقامات پر اس کا

استعمال آزادانہ اور تنہا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وہاں القربیٰ کو کسی دوسرے لفظ یا حالت سے منسوب کر کے لایا گیا ہے۔

اوّل۔ وہ الفاظ اور معنی جن کے ساتھ القربیٰ لایا گیا۔

مگر یہ استعمال دکھانے سے پہلے ہمیں مخالف کے قلم سے یہ دکھانا ہوگا کہ وہ کون کون سے الفاظ ہیں جن کے ساتھ لفظ القربیٰ یا قربیٰ استعمال ہوا ہے؟ اور یہ کہ ان الفاظ کے کیا معنی ہیں؟ آیئے اور قرآن کی آیات پر نظر ڈالئے اور مذکورہ الفاظ اور ان کے معنی نوٹ کرتے جایئے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئیں۔

1)ذی۔حرمنا کل ذی ظفر (انعام 6/146)

''ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے'' (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 593)

2)اولوا''نحن اولوا قوة و اولوا باسٍ شدید (نمل 27/33)

''ہم طاقت ور اور لڑنے والے لوگ ہیں'' ((تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 573)

اولوا.و الملئکة و اولوا العلم (آل عمران 3/18)

''اور فرشتے اور سب اہل علم'' (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 239)

(نوٹ) ان دونوں مقامات پر علامہ نے اچھی اردو لکھنے کی وجہ سے الفاظ ''طاقت والے'' کو طاقت ور اور ''علم والوں'' کو اہل علم لکھا ہے ورنہ لفظ ''اولوا'' کے معنی ''والوں'' یا ''والے'' ہی ہیں یہ لفظ کئی اشخاص یعنی جمع کے لئے بولا جاتا ہے۔

3)اولی.ان مفاتحہ لتنوا بالعصبة اولی القوة (قصص 28/76)

''ان کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی''

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 660)

(نوٹ) یہاں بھی علامہ نے ''طاقت والے'' آدمیوں کو طاقت ور لکھ دیا ہے۔

4)ذا.ان کان ذا مال وبنین (قلم 68/14)

''اس بنا پر کہ وہ بہت مال واولاد رکھتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 61)

اشرف علی تھانوی کا ترجمہ ''اس سبب سے کہ وہ مال واولاد والا ہو'' (ترجمہ قرآن صفحہ 901)

ذا.وطعاماذاغصة وعذابا اليما (مزمل 73/13)

''اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 130)

5)ذوی .واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتمی۔(بقرہ 2/177)

ذوی۔''والے، صاحب، ذو کی جمع بحالت نصب وجر (2ب6)''

(لغات القرآن جلد 3 صفحہ 38 مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی)

علامہ رفیع الدین کا ترجمہ۔''اور دیا مال اوپر محبت اس کی کہ قرابت والوں کو اور یتیموں کو (ترجمہ صفحہ 28)

علامہ عبدالقادر کا ترجمہ۔''اور دیوے مال اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو'' (ترجمہ صفحہ 42)

(نوٹ) یہاں علامہ مودودی کا ترجمہ کیوں پیش نہیں کیا گیا؟ اس کے جواب میں اگلا عنوان لطیفے پیش کرے گا۔فی الحال یہ جواب ہے کہ علامہ نے ترجمہ غلط کیا ہے اور یہ لفظ ذوی صرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے اور وہیں علامہ نے اپنی عادت واصول اور مذہب کے مطابق غلط ترجمہ کر دیا اور ہم مجبور ہو کر رہ گئے۔

دوم۔پورے قرآن میں لفظ القربیٰ کہاں کہاں اور کیوں استعمال ہوا ہے؟

قارئین نے یہ پانچ الفاظ دیکھ لئے جن کے ساتھ اور جن سے منسوب ہو کر لفظ

القربیٰ استعمال ہوا ہے۔اب ہم ان آیات کو سامنے لاتے ہیں جن میں یہ بیان ملے گا۔ لیکن اس پہلو کے سامنے آنے سے پہلے یہ بات سمجھ میں آجانا چاہئے کہ لفظ القربیٰ یا قربیٰ ایک مستقل اور علیحدہ لفظ ہے۔اور اس کے معنی بھی اُسی کے معنی ہیں۔اور مندرجہ بالا پانچ الفاظ (ذی۔اولوا۔اولی۔ذا۔ذوی) القربیٰ سے علیحدہ الفاظ ہیں اور ان کے معنی بھی القربیٰ کے معنی سے الگ ہیں۔یعنی جب الفاظ القربیٰ یا قربیٰ تنہا آئیں تب بھی ان کے معنی وہی اور اتنے ہی رہیں گے جو اور جتنے ان کے معنی ہیں۔اور وہ معنی اس وقت بھی برقرار رہنا چاہئیں جب وہ مندرجہ پانچ میں سے کسی لفظ کے ساتھ آئیں۔اسی طرح ان پانچوں الفاظ کے معنی تنہا تنہا بھی وہی ہونا چاہئیں جو دوسرے الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتے وقت ہوتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ زیر بحث الفاظ میں سے کسی کے معنی غائب نہ ہو جانا چاہیں۔مثلاً اوپر کی مثالوں میں سے چوتھی مثال سے ہماری اس بور BORE کرنے والی بحث کو سمجھ لیں وہاں لکھا گیا:

'' ذَامَـالِ '' مال والا۔اب اگر لکھیں تو '' ذَامَـالِ ،، اور معنی کریں صرف '' مال '' اور کہیں تو اولوالعلم اور معنی کریں صرف علم؟ یعنی ایک لفظ کے معنی ہر دفعہ غائب کرتے جائیں تو یہ کیوں؟ یہی وہ لطیفہ ہے جس پر آنے والی آیات میں علامہ مودودی کا مستقل عمل رہے گا۔ اور علامہ کی یہ بات سمجھانے کے لئے ہمیں یوں الفاظ کے ہجے کرنا پڑے ہیں۔

<u>پہلا استعمال۔تمام دولت مرکز میں خلیفہ خداوندی کی تحویل میں آئے اور وہاں سے عوام الناس میں پہنچے۔</u>

آنے والی آیت پر باقاعدہ گفتگو گزر چکی ہے یہاں تو ہم نے لفظ القربیٰ کا استعمال اور علامہ کا ترجمہ دکھانا ہے۔اللہ نے فرمایا تھا کہ۔**مـاافـا الـلّٰه علی رسوله من**

اھل القری فللہ وللرسوؐل و لذی القربیٰ والیتمیٰ... الخ (حشر 59/7)

''جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسوؐل کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسوؐل اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے ۔تا کہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے ۔ جو کچھ رسوؐل تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے''

(59/7 تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 393-389)

یہاں صرف اس قدر نوٹ کرلیں کہ اس آیت (59/7) میں بھی اور باقی آنے والی آیات میں بھی علامہ کے نزدیک مذکورہ پانچوں الفاظ (ذی، اولوا، اولی، ذا، ذوی) بالکل بے کار نازل کئے گئے ہیں اس لئے کہ جب لفظ ''القربیٰ،، کے تنہا معنی بھی ''رشتہ دار'' تھے تو خواہ مخواہ القربیٰ کے ساتھ یہ پانچ الفاظ لگا دیئے۔ بہر حال یہاں اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ: ''مال فے صرف اللہ اور اس کے رسوؐل کی ملکیت ہے'' اور چونکہ اللہ کے لئے مال واسباب اور تمام سامان کہیں درکار نہیں اس لئے ''مال فے کا مالک صرف رسوؐل ہے'' اور یہ کہ ''رسوؐل اس مال کو اس شخص کی تحویل میں دے گا جو القربیٰ کے لئے لفظ ذی سے ظاہر کیا گیا ہے ۔یعنی جو القربیٰ والا ہے۔ یعنی القربیٰ جس کے ماتحت ہیں ۔ یا جو القربیٰ کے لئے ذمہ دار ہے۔ اور اس کے بعد اس مال فے کا مصرف بتایا گیا ہے ۔ اور پوری امت سے چون و چرا کرنے کے اختیارات چھین لئے گئے ہیں اور نزول قرآن کے دوران رسوؐل کو مختار بنایا گیا ہے تا کہ وہ لوگوں کو اپنی صوابدید اور ان کی ضرورت کے مطابق دیتے رہیں ۔ اور سرمایہ داروں ، دولت مندوں اور اجارہ داروں کا پتہ کاٹ دیا گیا ہے یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ جس شخص کے ماتحت اس وقت تمام القربیٰ اور القربیٰ کا ذمہ دار شخص اور ساری امت

ہے وہ رسولؐ اللہ کی ذات پاک ہے اور ان کے بعد ساری امت کا اور تمام القربیٰ کا سربراہ القربیٰ والا ہے اور وہ اور کوئی نہیں ہوسکتا سوائے جناب مولائے کائنات باعث تخلیق کائنات جناب علی مرتضی علیہ السلام کے اور چونکہ آنحضرتؐ کے بعد قومی حکومت بنالی گئی تھی اور خاندان نبوت سے حکومت نکال لی گئی تھی اس لئے وہ تمام حقوق جو اللہ نے اس آیت میں اور دیگر آیات میں محمدؐ اور علیؑ اور آئمہ اہل بیتؑ کو دیئے تھے وہ قومی حکمرانوں نے ضبط کر کے اپنے لئے اختیار کر لئے اس لئے ہم قومی حکومت کو غاصب حکومت قرار دیتے ہیں۔ اور اہل خلاف قبول کرتے ہیں کہ سرداران قریش یا صحابہ رسولؐ نے خاندان نبوت میں حکومت کا جانا پسند نہ کیا اس لئے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

دوسرا استعمال۔ حضرت علیؑ کی تحویل میں ہر مال اور آمدنی کا خمس رہنا لازم ہے۔

اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ: ''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے'' (8/41) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 145)

یہاں بھی۔ القربیٰ تنہا نہیں تھا۔ حسب سابق اس کے ساتھ لفظ ذی استعمال ہوا ہے۔ مگر علامہ نے قرآن کو تبدیل کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اور اللہ کے کلام کو دبانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔

تیسرا استعمال۔ احسان اور عطیات کا سلوک عوام کے مابین عوام کے القربیٰ۔

قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ جن ''القربیٰ'' کی مودۃ واجب کی گئی ہے ان پر اُمت کے امور خیر کا مال حرام ہے۔ ان کے لئے جو حقوق اللہ نے خود واجب کئے ہیں وہ حلال ہیں۔ لہٰذا جہاں

جہاں خیر و خیرات وصدقات اور مالی احسان کا تذکرہ ہو اور وہاں لفظ القربیٰ بھی آئے اور ان القربیٰ کے ساتھ مالی سلوک کا ذکر ہو تو وہ عوام کے اپنے القربیٰ ہوتے ہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات میں حکم دیا گیا ہے۔(عربی متن کے لئے قرآن کریم ملاحظہ فرمائیں)

1	2/83	علامہ کا ترجمہ۔''ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا''(تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 90) یہ سختی سے نوٹ کریں کہ محمدؐ و آل محمدؐ کو فقراء اور مساکین کے درجہ میں رکھنے والے لوگ بڑے ہی گھٹیا لوگ ہو سکتے ہیں۔اور یہ کہ علامہ غلط ترجمہ ضرور کریں گے۔
2	4/36	اس آیت کا علامہ کا ترجمہ بھی مستقلاً وہی ہے یعنی رشتہ دار اور یہ آیت بھی عوام کے قربیٰ کے لئے ہے۔نوٹ کرتے جائیں کہ جن کی مودۃ واجب ہے ان کو تنہا۔القربیٰ۔فرمایا ہے(تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 351)
3	2/177	یہاں عوام کو اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔اور یہاں بھی عوام علامہ کے القربیٰ ہیں(تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 138)
4	4/8°	یہاں میراث کی تقسیم کے وقت عوام کے قربیٰ کو بھی کچھ دینے کی سفارش کی گئی(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 324)
5	16/90	عدل وانصاف کے ساتھ عوام کو اپنے القربیٰ کی خبر گیری کا حکم دیا گیا ہے (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 564)

6	9/113	معلوم ہوا کہ مشرکوں کے بھی قربیٰ ہوتے ہیں اور مشرکین خواہ کسی بھی درجے کے ہوں ان کی مغفرت طلب کرنا ممنوع ہے (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 241)
7	6/152	اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا ہی کیوں نہ ہو (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 600)
8	5/106	خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 511)
9	35/18	چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (تفہیم جلد 4 صفحہ 228)
		یہ تینوں مقامات (نمبر 7، 8، 9) بتاتے ہیں کہ عوام کے القربیٰ سے غلطیاں ہوتی ہیں اور ان کی عزت ہر حال میں برقرار نہیں رہتی جبکہ زیر بحث ''القربیٰ'' بلا کسی شرط کے ہر حال میں واجب المودۃ ہوتے ہیں۔
10	24/22	''تم میں جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ کی مدد نہ کریں گے'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 372)

یہاں تک ان دس مقامات میں عوام کے القربیٰ کا تذکرہ ختم ہو گیا مگر علامہ نے اپنا غلط ترجمہ ختم نہیں کیا ہے۔ مگر اس آخری آیت میں ان سے اپنی عادت کے خلاف یہ غلطی ہو گئی کہ لفظ ''اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ میں اُولُوا کا ترجمہ صحیح کر دیا۔ اور پھر پکڑے گئے۔

چوتھا استعمال۔ سربراہ اسلام اور خلیفہ خداوندی کو ان کا حق دینے کا تقاضا۔

قارئین جانتے ہیں کہ قریشی مسلمانوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ علیؑ کو خلافت نہ

دیں گے اور دن رات وہ علیؑ کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کر رہے تھے۔ ادھر اللہ یہ چاہتا تھا کہ علیؑ کی خلافت وحکومت کا بار بار اور طرح طرح اعلان ہوتا چلا جائے۔ چنانچہ رسولؐ پر کئی بار اعلان کرنے کے تقاضے ہوئے اور وہ تقاضے قرآن میں موجود ہیں (مثلاً مائدہ 5/67) یہاں القربیٰ کی بحث میں بھی دو مواقع پر اللہ نے سارے مسلمانوں کو مطلع رکھنے اور حقیقی خلافت الٰہیہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہجرت سے پہلے سے لے کر ہجرت کے بعد تک تقاضہ کرتے ہوئے بات کو یوں واضح کیا ہے کہ

ہمارا ترجمہ۔ 1۔ اے رسولؐ اپنے قریبی عزیزوں میں جو مرد سب سے قریب ہے اسے اس کا حق دے دو اور مسکین اور مسافر کو بھی شامل رکھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(17/26)

2۔ چنانچہ اے رسولؐ تم اپنے القربیٰ والے شخص کو اس کا حق دے دو اور اس طرح تم مسکینی اور دولت کے لئے مارے مارے پھرنے (مسافر) کو روک دو لہٰذا اس القربیٰ والے شخص تک اس کا حق پہنچ جانا ان تمام انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا بہترین سبب بنے گا جو وجہ اللہؐ سے وابستہ رہنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں (30/38) ان آیات کی تفصیلی تشریح مذکورہ سورتوں میں ملاحظہ فرمائیں اور آئندہ ساری دنیا کو بتاتے رہیں کہ حقیقی القربیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم بلا کسی دوسرے لفظی سہارے کے صرف سورہ شوریٰ (42/23) میں سامنے لائے گئے اور اس کا سبب یہ ہوا ہے کہ اس سورہ میں اللہ نے قریشی قسم کے مومنین کا مسلک و مذہب نظام مشاورت کو بتایا ہے لہٰذا ان کے نظام کے مقابلے میں ضروری تھا کہ ان حضرات کا تذکرہ کیا جائے جو اللہ کی حقیقی نیابت وخلافت وحکومت کے حامل ہیں اور جن کا تذکرہ مسلسل پہلی آیت سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان کی مودت کو یہاں واجب قرار دیا گیا ہے تاکہ اسلام اختیار کرنے والا ہر شخص اس وقت تک ثمرات اسلام سے مستفید نہ ہو سکے

جب تک وہ اللہ کے قائم اور واجب کردہ اس اجر کو ادا نہ کردے جو زیر بحث آیات (42/22-23) میں مفصل بیان ہوا ہے۔اور اسی اجر کو ادا نہ کرنے کی بنا پر مسلمانوں کا ایمان عبادات اور دیگر تمام اسلامی افکار و اعمال بے نتیجہ ہی نہیں بلکہ ان کو لادینوں، کافروں مشرکوں یہود و نصاریٰ کا مستقل بھکاری بنائے ہوئے ہیں۔

آیت (42/23) میں آنحضرتؐ کے سوا کسی اور شخص کے رشتہ داروں کی مودت واجب نہیں کی ہے۔

علامہ اینڈ کمپنی کا اس آیت (42/23) سے یہ سمجھنا اور اپنی تفہیم کے ذریعہ سے اُمت کو یہ سمجھانا کہ ''اللہ نے یہاں یہ حکم دیا ہے کہ ''تم لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں سے مودت (یا بقول علامہ) محبت رکھا کرو'' اس لئے غلط اور باطل ہے کہ اس آیت (42/23) میں جن القربیٰ کی مودت واجب کی گئی ہے۔ان کے ساتھ کوئی ایسا لفظ نہیں لایا گیا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ کس کے قربیٰ یا رشتے دار ہیں حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہا گیا کہ وہ رسولؐ کے رشتے دار یا قربیٰ ہیں۔

وہاں تو ''اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُربٰی'' (مگر القربیٰ میں محبت (بقول علامہ) یا مودت (بقول خدا) پھر رسولؐ اللہ کے مخاطبوں کے تمام رشتہ داروں سے مودت رکھنے کے حکم میں تمام اُمت اور اُمت کا ہر فرد داخل ہو جاتا ہے۔اور یہ حکم اس لئے نہیں دیا جا سکتا کہ اس حکم یا اس آیت میں یہ تشخص و تعین نہیں ہے کہ مخاطب مومنین ہیں یا کافرین ہیں یا دونوں مخاطب ہیں۔اگر ہم علامہ کے اس جملے کو صحیح سمجھ لیں تو رسولؐ کے مخاطب دشمنان اسلام ثابت ہوتے ہیں اس لئے کہ علامہ بطور اعتراض و طنز فرماتے ہیں کہ:

علامہ مودودی کے نزدیک اجر رسالت دشمنان اسلام سے مانگا گیا ہے۔

''ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پر نبی اٹھ کر اپنی قوم سے کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔۔اس کے بعد یہ کہنے کا آخر کیا موقع ہے کہ ''میں اللہ کی طرف بلانے کا جو کام کر رہا ہوں اس کے عوض تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو'' پھر یہ بات اور بھی زیادہ بے موقع نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں اوپر سے ساری تقریر انہی سے خطاب کرتے ہوئے چلی آ رہی ہے اور آگے بھی روئے سخن انہی کی طرف ہے۔اس سلسلہ کلام میں مخالفین سے کسی نوعیت کا اجر طلب کرنے کا آخر سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟ اجر تو ان لوگوں سے مانگا جاتا ہے جن کی نگاہ میں اس کام کی کوئی قدر ہو جو کسی شخص نے ان کے لئے انجام دیا ہو۔ کفار حضورؐ کے اس کام کی کون سی قدر کر رہے تھے؟ کہ آپ ان سے یہ بات فرماتے کہ یہ خدمت جو میں نے تمہاری انجام دی ہے اس پر تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرنا۔ وہ تو الٹا اسے جرم سمجھ رہے تھے اور اس کی بنا پر آپ کی جان کے درپے تھے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 502)

علامہ نے مخالفین اسلام سے اجر طلب کرنے کو بڑی شدت سے بے موقع اور باطل ثابت کیا ہے

علامہ کا یہ بیان ان کے غیظ وغضب کا کھلا مظاہرہ ہے انہوں نے نہ صرف یہ تصدیق کر دی ہے کہ یہ اجر دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ رسولؐ سے طلب کیا گیا تھا بلکہ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ۔

(1) سورہ شوریٰ کے مخاطب مسلمان نہیں بلکہ کفار ومخالفین اور رسولؐ کی جان کے دشمن لوگ ہیں۔اور یہ کہ:

(2) اجر ان لوگوں سے مانگنا چاہئے کہ جن کی خدمت کی جا رہی ہو اور وہ خدمت ان کو پسند

بھی ہو۔اور یہ کہ:

(3)دشمنانِ خدااور رسوؐل سے اجر طلبی تمام انبیاؑ کی سنت اور اللہ کے احکام کے خلاف ہے اور

(4)اپنے رشتہ داروں کی محبت بطور اجر رسالت طلب کرنا: ''اتنی گری ہوئی بات ہے کہ کوئی صاحب ذوق سلیم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو یہ بات سکھائی ہوگی اور نبیؐ نے قریش کے لوگوں میں کھڑے ہوکر یہ بات کہی ہوگی'' (ایضا صفحہ 502)

(5)مگر علامہ کو پسند آئے یا نا گوار گزرے اللہ نے رسوؐل کو حکم دیا اور رسوؐل نے قریش کے لوگوں میں کھڑے ہوکر فرمایا کہ: **لَا اَسئَلُکُم عَلَیۡهِ اَجرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی**

سورہ شوریٰ میں وہ مسلمان مذکور ہیں جو نظام مشاورت کو اپنا مسلک بنائے ہوئے تھے۔

ہم علامہ صاحب کو ان کے پورے بیان اور تمام شکوک وشبہات واعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیں گے تا کہ ان کی تفہیم القرآن کے قارئین بھی مطمئن ہوسکیں۔اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ علامہ اینڈ کمپنی کس طرح قرآن کریم کے معانی ومفاہیم کو تبدیل کرتے ہیں۔

(1)سورۂ شوریٰ میں کافروں منافقوں یا مشرکوں سے اور یہود ونصاریٰ سے خطاب نہیں اجتہادی مسلمان مخاطب ہیں۔

یہاں سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اس سورہ شوریٰ میں کہیں بھی۔یَـــاَیُّهَـــا کہہ کر کافروں یا منافقوں یا مشرکوں یا یہود ونصاریٰ کو خطاب نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس میں ہر جگہ مسلمان مخاطب ہیں مثلاً کیا ہم اس جملے سے مخاطب کئے جانے والوں کو کافر یا منافق یا مشرک یا یہود ونصاریٰ سمجھنے میں حق بجانب ہوسکتے ہیں جہاں فرمایا کہ۔

شَرَعَ لَکُم مِّنَ الدِّینِ مَا ---(42/13)

یا جہاں یہ فرمایا کہ۔وَاَمۡرُهُمۡ شُورٰى بَيۡنَهُمۡ ۔۔۔۔۔(42/38)
رہ گیا بطور تذکرہ کہیں خود ساختہ اولیاء کا ذکر ہونا (42/6-9) یا کہیں مشرکوں پر کسی خاص دعوت کا گراں گزرنا (42/13) یا یہ کہ کہیں ظالموں کے لئے عذاب کا اعلان کیا گیا ہو (42/21) یہ باتیں ثابت نہیں کرتیں کہ:

''اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں اوپر سے ساری تقریر انہی سے خطاب کرتے ہوئے چلی آ رہی ہے اور آگے بھی روئے سخن انہی کی طرف ہے''

اگر علامہ یہ فرماتے کہ ''اس تقریر میں کافروں، مشرکوں اور ظالموں کا تذکرہ ہوتا چلا آیا ہے اور اس کے بعد بھی ان کا ذکر جاری ہے'' تو ہم سو فیصد متفق ہو جاتے۔لیکن ان کا اس بالواسطہ تذکرہ کو ''خطاب'' قرار دینا یا انہیں ''مخاطب'' فرمانا سو فیصد غلط ہے۔خطاب میں يَـاَيُّهَـا کا آنا لازم ہے اس کے بغیر سب کچھ ہو سکتا ہے خطاب نہیں ہوتا۔بہر حال ہمارا اور خود علامہ کا موقف یہ ہے کہ قریش ''بگڑے ہوئے مسلمان تھے'' اور یہ کہ 2۔ہر وہ آدمی کافر ہے جو کسی بھی حقیقت کو چھپائے۔3۔اور یہ کہ کافر کے اصلی معنی چھپانے والے کے ہیں۔4۔اور یہ کہ قریش اللہ کو، رسالت کو، قیامت کو، وحی کو، ملائکہ کو، اللہ کے خالق و مالک و رب العالمین ہونے کو، اور موت و زیست پر قادر ہونے کو مانتے تھے۔5۔لیکن اللہ کے ساتھ ساتھ تقرب خداوندی کے لئے اپنے مردہ لیڈروں کے مجسموں کو اور زندہ لیڈروں کے وجود کو لازم سمجھتے تھے اور اسی طرح مشرک تھے جیسے علامہ کے نزدیک آج تمام وہ مسلمان (شیعہ سنی) مشرک ہیں جو کسی بھی انسان کو مشکل کشاء۔دستگیر غوث اعظم۔داتا غریب نواز وغیرہ مانتے ہوں۔ جس طرح اور جس دل سے اور جس عقیدہ کے ماتحت علامہ ان تمام مسلمانوں کو آج مشرک کہتے ہیں باوجودیکہ ان میں تہجد گزار، نماز، روزہ کے

پابند حاجی، مولانا، مجتہد، لیڈر اور مسٹر وملاّ بھی موجود ہیں۔اسی طرح مگر قرآن کے بیانات کے مطابق قریشی مسلمانوں کو ان کے لیڈروں اور علماء کو مشرک، ظالم، کافر، غاصب فاسق، باغی، طاغی اور جہنمی مانتے ہیں حالانکہ وہ عابد بھی تھے زاہد بھی، حاجی تھے عمری بھی، نمازی بھی تھے تہجد گزار بھی۔زکوٰۃ بھی دیتے تھے خیرات وصدقات بھی۔ان میں خلفا بھی تھے سلطان بھی ان میں مہاجر بھی تھے انصار بھی اور ابھی چند صفحات کے بعد قارئین کو معلوم ہوگا کہ یہ سورہ اسم بامسمّٰی ہے۔یعنی اس سورہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن اور اسلام کے باوجود نظام مشاورت کو اپنا دین ومسلک ومذہب یقین کرتے تھے۔اور یہ تمام مسلمان تھے فرق یہی تھا کہ وہ اپنے لیڈروں کے مشوروں اور تجربوں کی روشنی میں اللہ، رسوؐل اور قرآن کو مانتے تھے اور ہر اس حکم عقیدے اور فیصلے کے منکر تھے جس میں ان کے لیڈر متفق نہ تھے اور یہی سب کچھ دکھانے کے لئے ہم نے اپنا یہ ترجمہ وتفہیم پیش کی ہے وہ اللہ کے نازل کردہ خالص احکام کو نافذ نہ کرنے کی بنا پر کافر کہلائے (مائدہ 5/44) اور مجتہدانہ احکام نافذ کرنے کی وجہ سے ظالم کہلائے (مائدہ 5/45) اور عقائد واعمال وعبادات میں لیڈروں کے اجماع کو دلیل شرعی بنانے کے صِلے میں فاسق کہلائے (مائدہ 5/47 تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 475 تا 476 وغیرہ)

انہوں نے اپنے لئے حکومت الٰہیہ اور اقتدار خداوندی میں شرکت اور اپنا حصہ مانگا (عمران 3/152-154، تفہیم القرآن جلد 1، صفحہ 296-294 وغیرہ) اس لئے مشرک کہلائے لہٰذا سورہ شوریٰ میں ابتدا سے انتہا تک واقعی کافروں، مشرکوں، ظالموں فاسقوں وغیرہ وغیرہ کا تذکرہ ہوا ہے۔مگر وہ سب قرآن میں مومن کہہ کر مخاطب کئے گئے ہیں (نساء 4/136)۔جو اللہ کو مانتے ہوئے رسوؐل کو مانتے ہوئے، قرآن کو مانتے

ہوئے، سابقہ تمام کتابوں پر ایمان لانے کے باوجود مومن نہ تھے (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 407) یہ سب مسلمان قریشی مسلمان تھے یا قومی مسلمان تھے۔ یا اجتہادی مسلمان تھے اور ان ہی سے سورہ شوریٰ میں بقول علامہ خطاب رہا ہے۔ اور منکرین اسلام سے نہیں بلکہ نام نہاد مومنین سے اجر طلب کیا گیا ہے اور یہ نہ گری ہوئی بات ہے نہ بُری بات ہے اور نہ ہی خلاف توقع اور بے موقع بات ہے۔ ان خبیثوں کو صرف اور صرف اور محض اور خالص القربیٰ کا انکار تھا۔ اس انکار کے لئے انہوں نے کلام اللہ سے اختلاف کیا (42/10) آیتوں میں بحثیں کیں (42/35) قرآن اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا اور طرح طرح کے فرقے بنا دیئے (42/13-14) ان سے کہا گیا کہ اگر تم ''القربیٰ'' کی دشمنی ترک کر کے اپنے اوپر ان کی مودت کو واجب کر لو تو تمہیں اس الفضل الکبیر سے نوازا جا سکتا ہے (42/22)۔ قارئین سوچیں کہ ایسے مسلمانوں سے یہ اجر طلب کرنا کیوں غلط اور بے موقع اور گری ہوئی بات ہے؟

(2) اگر اجر کا طلب کرنا بے محل و بے موقع اور گری ہوئی بات ہے تو اللہ کا حکم باطل ہو گیا۔

اگر یہ غلط، بے موقع اور اب بھی گری ہوئی بات ہے تو یہ بتائیے کہ اللہ نے یہ جانتے ہوئے کہ بقول علامہ رسولؐ کے مخاطب دشمنان اسلام ہیں بات مخالفین اسلام سے ہو رہی ہے جو رسولؐ کی خدمت و محنت و رسالت کو جرم سمجھتے ہیں۔ اس نے رسولؐ کو کیوں حکم دیا کہ: **قُل لَا اَسۡئَلُکُم عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی** (42/23)

''کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 500)

اور کیوں رسولؐ کو کفار کی نظروں میں حقیر کرایا؟ اور کیوں کفار کے ایک عالم کو یہ موقع دیا کہ وہ

شدید غیظ وغضب کے عالم میں اس اجر طلبی کو نا قابل برداشت اور ذوق سلیم سے گری ہوئی بات قرار دے؟ اور جب علامہ ''القربیٰ'' کی جگہ اسے ''عام اہل قرابت'' کی محبت قرار دیتے ہیں تو بات یہ ہوئی کہ اللہ نے رسولؐ کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی محبت بطور اجر رسالت طلب کریں بلکہ بقول علامہ یہ کہا تھا کہ: ''اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ میں تم سے تمہارے لئے یہ تمہارا ناپسندیدہ کام کرنے پر اور کوئی اجر نہیں مانگتا البتہ تم سے یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم قرابت داروں سے تو محبت کیا کرو''۔

یہاں دو صورتیں اس محبت کے لئے سامنے آتی ہیں اول یہ کہ: ''میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ میں بھی تو تمہارے قرابتداروں یا رشتہ داروں میں سے ایک رشتہ دار ہوں تم کم از کم اس رشتہ داری کا خیال کر کے مجھے ستانا چھوڑ دو'' اگر یہ بات اور یہ صورت مان لی جائے تو یقین کیجئے کہ ایک رسولؐ ہی کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر غیور اور ذوق سلیم رکھنے والے بلکہ عقل سلیم رکھنے والے شخص کے لئے یہ بڑی ہی نامردی، بے غیرتی اور بے عزتی اور بے عقلی کی بات ہوگی۔ اس لئے کہ انہیں یہ سب کچھ معلوم ہے۔ یعنی اگر (معاذ اللہ) قریش آنحضرتؐ کے عزیز واقرباء اور اہل خاندان واہل قبیلہ ہیں تو یہ بات تو قریش کو روز اول سے معلوم تھی۔ معلوم کو معلوم کرانا جہالت ہے۔ اور حق کی حمایت میں بزدلی دکھانا بھی اچھی بات نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہو کہ:

''ان سے کہہ دو کہ تم اپنے قرابت داروں سے محبت کیا کرو'' یہ صورت قطعاً فطری ہے ہر شخص فطری طور پر اپنے اہل قرابت سے محبت رکھتا ہی ہے۔ اس لئے ایسا حکم دینا اور ایسا اجر طلب کرنا جو پہلے سے ہی حاصل ہے احمقانہ بات ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جو بقول قرآن وہ پہلے سے کرتے آئے ہیں اور اللہ نے اس کی ممانعت کی ہے نہ کہ اسے بطور اجر طلب کیا ہو؟

قریشی مسلمان دشمنان خدا کو اپنے حکمران بنائے ہوئے، خفیہ طور پر ان سے مودۃ رکھتے تھے

اللہ کی بات سنئے اور علامہ اینڈ کمپنی کو جھنجوڑ کر قرآن سنایئے اور بتایئے کہ عہد رسولؐ کے قریشی مسلمانوں کا مشرکانہ اسلام اور ان کا مجتہدانہ عمل درآمد یہ تھا کہ ان سے کہا گیا کہ:

''اے مومنین تم اپنے اور میرے دشمنوں کو اپنا سرپرست حکمران سمجھنا چھوڑ دو۔ تم تو ان کے ساتھ برابر پوری پوری مودۃ سے پیش آ رہے ہو۔ اور یہ سب کچھ ایسی حالت میں بھی برقرار رکھ رہے ہو کہ انہوں نے تمہارے پاس آئی ہوئی حقیقت کو چھپا ڈالنا طے کر رکھا ہے۔ تمہیں بھی اور رسولؐ کو بھی شہر سے نکال دیا ہے۔ اس لئے کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے ہو۔ کہنے کو تو تم میری خوشنودی کے لئے میری راہ میں جہاد کرنے چلے ہو لیکن اب بھی ان دشمنوں سے خفیہ ساز باز اور مکمل مودۃ قائم کئے ہوئے ہو۔ حالانکہ میں تمہاری پوشیدہ کارروائیوں کو بھی خوب جانتا ہوں اور جو کچھ تم لوگ دکھاوے کے لئے اعلانیہ کرتے ہو اس کا بھی عالم ہوں۔ اور سنو تم میں سے جو کوئی بھی یہ رویہ جاری رکھے گا وہ موزوں راستہ سے یقیناً بھٹک جائے گا۔'' (سورہ ممتحنہ 60/1)

قارئین اس اکیلی ہی آیت میں آپ ان مومنین کا مشرک ہونا دیکھ لیں یعنی وہ نہ صرف یہ کہ خدا کے علاوہ انسانوں کو اپنا ولی بناتے تھے بلکہ دشمنان خدا کو اولیاء بنائے ہوئے تھے۔ لہٰذا علامہ کے سینکڑوں بیانات اور فیصلوں کے مطابق وہ تمام قریشی مومنین مشرک تھے پھر وہ اللہ کے دشمن بھی تھے اس لئے کہ اللہ کی مرضی اور حکم کے خلاف دشمنانِ خدا کو اپنا حکمران یا ولی بنائے ہوئے تھے۔ اور ان سے مودۃ رکھتے تھے۔ پھر وہ اللہ اور حقیقی مومنین کو دھوکہ بھی دیتے تھے یعنی اپنی ساز باز اور مودۃ وولایت کو خفیہ رکھتے تھے۔ پھر وہ نظام طاغوتی پر بھی کاربند تھے یعنی اللہ، رسولؐ اور قرآن کو اپنے اولیاء یا لیڈروں کی صوابدید سے مانتے

تھے اور ان کے فیصلوں کو اللہ و رسولؐ اور قرآن کا فیصلہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا خالص مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰہ احکام کو نہ ماننے کی بنا پر وہ کافر، ظالم اور فاسق تھے (مائدہ 5/44-47) بتایئے سورہ شوریٰ میں مذکور لوگوں میں اور اس آیت کے موصوف لوگوں میں کیا فرق ہے؟ اگر وہ مخالفین اسلام اور کافر تھے؟ اگر وہ رسولؐ کی جان کے دشمن تھے؟ اگر وہ مشرک تھے تو یہ بھی وہی کچھ ہیں جو وہ تھے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہو گیا کہ سورہ ممتحنہ میں ان کو ''اے مومنین'' فرمایا گیا اور علامہ کی مرضی کے خلاف یہ ثابت ہو گیا کہ آیت (42/23) میں عام لوگوں کے قربیٰ یا رشتہ داروں کی مودت کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ہر اس آدمی سے مودت و ولایت کا رشتہ رکھنا منع اور حرام ہو گیا جو مومنین کا یا اللہ کا دشمن ہو۔

مودۃ اپنے رشتہ داروں کی بھی واجب نہیں ہے۔ کیوں؟

اور اب یہ دیکھ لیں کہ مومنین کے رشتہ داروں، والدین، اولاد و ازواج کے لئے بھی مودۃ رکھنا واجب نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اے مومنین یہ ایک حقیقت ہے کہ تمہاری بیویوں میں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن بھی ہیں چنانچہ تم ان سے بچ کر رہا کرو اور اگر تم چشم پوشی اور فراخدلی سے کام لے کر انہیں اصلاح کا موقع دینے کے لئے بخش دیا کرو تو یہ سمجھ لو کہ اللہ اسی لئے غفور اور رحیم ہے'' (64/14)۔

قارئین بتائیں کہ ایسے حالات میں لوگوں پر ان کے اپنے اقرباء کی مودۃ کیسے مستقلاً واجب کی جا سکتی تھی؟ اور جب کہ تمام انسانوں کو یہ بتا دیا ہو کہ: تم لوگ مادی و محسوس دلیل کے ساتھ یہ نہیں جان سکتے کہ تمہارے باپ داداؤں میں سے اور تمہارے بیٹوں پوتوں میں سے تمہیں نفع پہنچانے میں کون شخص تمام اقرباء میں سب سے زیادہ قریب تر ہے'' (سورہ نساء 4/11)

مطلب یہ ہے کہ تمہیں بغیر آزمائش کے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ کون سا رشتہ دار مفید ہے اور کون نقصان پہنچانے والا ہے اور کون دشمن ہے اور کون دوست ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے مع علامہ کے یہ سمجھا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو اپنے اپنے اقرباء سے مودۃ کرنے کا حکم دیا ہے انہوں نے قرآن کے خلاف سمجھا ہے اور چونکہ یہ سمجھ القربیٰ کی ضد میں اور انہیں محروم کرنے کے لئے ابلیس نے دی ہے لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں دشمنان انبیاءؑ و آئمہؑ ہمیشہ یہ کام کرتے آئے ہیں (فرقان 25/31) اور اسی سمجھ اور اسی غرض نے پورے قرآن کو مہجور کرانے کا اہتمام کیا تھا (25/30) اور اس کی ابتدا دو یاروں نے کی تھی (25/27-29)۔

☆☆☆☆☆

شوریٰ ونظام مشاورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ O (سورہ آل عمران آیت 159)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: ''پس ساتھ رحمت کے اللہ کی سے نرم ہوا تو واسطے ان کے اور اگر ہوتا تو سخت خو سخت دل یعنی بے رحم البتہ بھاگے جاتے گرد تیرے سے پس معاف کر ان سے اور بخشش مانگ واسطے ان کے اور مصلحت کر ان سے بیچ کام کے پس جب قصد مقرر کرے تو پس اعتماد کر اوپر اللہ کے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے توکل کرنے والوں کو''

ترجمہ مودودی: ''(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 298)

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O (42/38)

ترجمہ رفیع الدین: ''اور وہ لوگ کہ قبول کیا انہوں نے واسطے پروردگار اپنے کے اور قائم

رکھتے ہیں نماز کو اور کام ان کا مشورت ہے درمیان ان کے اور اس چیز سے کہ دی ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں''

ترجمہ مودودی ''جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 8-507)

قریش عہد رسوؐل ہی میں قرآن کے مطالب و مفاہیم کو بدل بدل کر اور قومی مصلحتوں کے ماتحت لا کر اپنی قوم میں پھیلا رہے تھے پورے قرآن کی تعلیمات کو تبدیل کر کے قومی پالیسی اور منصوبوں پر فٹ کر لیا تھا اور اس طرح قرآن کو نزول کے ساتھ ساتھ مہجور کر کے رکھ دیا تھا اسی مہجور شدہ قرآن کی رُو سے قریشی حکومت وخلافت کو برحق مانا گیا اور خلافت الٰہیہ کو قریشی لیڈروں کے مشوروں کے ماتحت لایا گیا۔

سب مانتے ہیں کہ اللہ اپنا ہر کام اپنے علم کی رو سے کرتا ہے اور صحیح کرتا ہے۔اسکے کسی حکم یا حکم کے نتیجے میں غلطی نہیں ہوسکتی۔اس لئے کہ اللہ کے علم میں کوئی خامی نہیں ہے چنانچہ اسے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔یعنی جس کے علم میں خامی نہ ہو اُسے کسی سے مشورہ کی احتیاج نہیں ہے۔اللہ کا رسوؐل، اللہ کے عطا کردہ علم سے اور اللہ کے حکم سے عمل کرتا اور کراتا ہے لہٰذا رسوؐل کے احکام اور فیصلوں میں بھی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ اور اگر رسوؐل سے کسی حکم یا فیصلے میں غلطی ہو جائے تو ماننا ہوگا کہ اللہ نے غلط آدمی کو رسوؐل بنایا تھا جو اللہ کا منشا اور حکم، درستی سے پیش کرنے کے قابل نہ تھا۔لہٰذا اللہ اپنا رسوؐل بنانے میں غلطی نہیں کرسکتا چنانچہ رسوؐل سے غلطی نہیں ہوسکتی اور اللہ نے قرآن میں عملاً اس کا ذمہ لیا ہے اور رسوؐل کے احکام کی ہر حالت میں اطاعت لازم کی ہے۔اور چونکہ رسوؐل کے علاوہ

باقی انسانوں کا علم ناقص ہے اور وہ خاطی ہیں اس لئے اللہ کا رسوؐل کو یہ حکم دینا کہ تو خطا کاروں اور ناقص علم والے لوگوں سے مشورہ کر کے احکام نافذ کیا کر بڑا غلط اور غلطی خیز حکم ہوگا۔ اور یہ بھی نوٹ کرنا اور تجربے سے تحقیق کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو کسی بات کو سو فیصد جانتے ہیں انہیں اس بات میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اگر ہم سو فیصد معلوم بات کے لئے مشورہ کریں تو لوگ ہماری حماقت پر ہنسیں گے۔ مثلاً ہمیں پیاس لگی ہوئی ہے اور دانشوران قوم کو جمع کر کے مشورہ کریں؟ ہمیں معلوم ہے کہ اس شہر کا نام کراچی ہے اور ہم لیڈران قوم سے مشورہ کریں؟ ہمیں معلوم ہے پانچ اگر چھ جگہ ہوں تو میزان تیس ہوتا ہے لیکن ہم مشورہ کریں؟ بہرحال یہ عالمی اور معلوم حقیقت ہے کہ معلوم چیزوں کے متعلق مشورہ احمقانہ بات ہے۔ یعنی مشورہ وہ شخص کرے گا جو خود جاہل ہو اور جاھل بھی مشورہ نہ کرے گا اگر اُسے یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص یا دفتر یا ادارہ صحیح حقیقت کو جانتا ہے۔ وہ وہاں جا کر متعلقہ عالم شخص سے معلوم کر لے گا۔ لہٰذا مشورہ کرنے والا چوکور جاہل ہونا چاہئے یعنی وہ اس سے بھی جاہل ہو کہ صحیح بات کون بتا سکتا ہے یعنی مشورہ کرنے والا خود جاہل ہونا چاہئے اور جن سے مشورہ کرے اُن کا بھی جاہل ہونا لازم ہے ورنہ حقیقت سے واقف تو مشورہ نہ دے گا۔ بلکہ آزمودہ اور صحیح جواب دے دے گا۔ اور رسوؐل یا نبیؐ کے لئے لازم ہے کہ وہ پوری نوع انسان سے زیادہ عالم ہو ورنہ اُس کی اطاعت اس سے زیادہ جاننے والے پر واجب ہی نہ ہوگی۔ ادھر رسوؐل یا نبیؐ کی پشت پر ہر لحہ اللہ ہوتا ہے اللہ سے اس کا رابطہ ہوتا ہے وہ اللہ سے جو چاہے معلوم کر سکتا ہے۔ اُسے کیا ضرورت کہ وہ خطا کاروں اور ناقص العلم لوگوں سے پوچھتا اور مشورے کرتا پھرے۔ چونکہ قریش اللہ اور رسوؐل کی شخصی حکومت کو ناپسند کرتے تھے اور حکومت الٰہیہ میں اپنے لیڈروں کی شرکت چاہتے تھے اور احکامات خدا

اور رسوؐل کو اپنے لیڈروں کے مشوروں اور قومی مصلحتوں کے ماتحت رکھنا چاہتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی قرآن کو مہجور کرنے اور احکام کے مفاہیم بدلنے کی۔

اللہ نے آیت (3/159) میں تقریباً اتنا ہی کچھ فرمایا تھا جو علامہ رفیع الدین کے ترجمہ میں ہے لیکن مودودی نے اللہ کو سکھانے اور مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کی۔ انہیں جہاں جتنی گنجائش ملی قریش کے لیڈروں کو چار چاند لگا دیئے اور رسوؐل اللہ کو اللہ کے نام پر ''دین کے کام میں'' اُن خاطی لیڈروں کے مشورے کا تابع کر دیا اور اللہ پر بھروسے یا توکل کو اسی شرط سے مشروط کر دیا ہے کہ قریشی لیڈروں سے مشورے کے بعد جو رائے طے ہو اس پر عمل کراؤ گے تو اللہ پر بھروسہ رکھنا اگر کہیں اپنا ذاتی بلا مشورہ حکم دے دیا تو اللہ پر توکل نہ کرنا نتیجہ ضرور بُرا نکلے گا۔ بات صرف اسی قدر ہے کہ مذکورہ گروہ مجرم ہے اور انہیں اصلاح کا موقعہ دیا گیا تھا۔ چونکہ اس آیت میں قریشی لیڈروں اور علما کو لفظ ''شاورھم'' مل گیا۔ چنانچہ ان سب نے اسی سورۃ میں مذکورہ فتنہ جُو لوگوں (3/7) کے طریقہ پر عمل کر کے اس آیت سے نظام مشاورت نچوڑنے میں سارا زور لگا دیا مگر وہ اس کا کیا علاج کرتے کہ یہاں تو قریش کے ان لیڈروں کی بات ہو رہی ہے جو عادی مجرم تھے ان کا منصوبہ سر سے پیر تک جرائم پر مبنی تھا۔ وہ منصوبہ وہی تھا جس کو سجا کر ان لوگوں کا سربراہ رسوؐل کو للچایا کرتا تھا (2/204)۔ اللہ نے اس کی پالیسی کو رسوؐل پر ظاہر کیا اسے دشمن خدا اور رسوؐل قرار دیا (2/205) دنیا کا سب سے بڑا مفسد اور ساری دنیا میں قتل عام پھیلانے والا کہا۔ وہ منصوبہ ساز قریشی لیڈر وہی تھا جس نے اپنے یار سے رسوؐل کی حکومت کا طریقہ چھڑا کر اپنی اسی حکومت پر لگا دیا تھا (2/205,25/27-29) انہوں ہی نے قرآن کو مہجور کیا اور کرایا تھا (25/30) جواب میں اللہ نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو دشمن رسوؐل اور مجرم بتایا تھا

(25/31) بہرحال اس زیرِنظر آیت میں مودودی اینڈ کمپنی نے پوری پوری خیانت کی ہے مگر ان کی ساری محنت برباد ہوگئی اور ان کی اہلیت یہاں الٰہیت سے مار کھا گئی۔ اس لئے کہ وہ آیت میں سے نہ یہ الفاظ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ نکال سکے نہ اُن کے قصوروار یا مجرم وگناہگار ہونے کا انکار کر سکے اور یہی کافی ہے ان کی محنت کو ضائع کرنے کیلئے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسوؐل اللہ مذکورہ سازشی لیڈروں سے نرمی برتتے ہوئے تھک چکے تھے درج بالا جرائم کے علاوہ وہ قصور سازشیں اور جرائم جن کی بنا پر رسوؐل اللہ نے ان کو جھڑک دیا تھا اور ان سے بات تک نہ کرتے تھے۔

1۔ عورتوں کی طرح بزدلی، عین میدان جنگ میں حکومت حاصل کرنے کا تنازع کھڑا کرنے اور مومنین میں پھوٹ ڈالنے والے اور مال دنیا کے لئے اسلام لانے والے (3/152)۔ اور نافرمانی کرنے والے۔

2۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے رسوؐل کو قتل کرانے کے لئے دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جانے والے اور بلانے پر بھی رسوؐل کی مدد کو نہ آنے والے (3/155)(3/154)(3/153)۔

3۔ اپنی حکومت کے منصوبے کو پوشیدہ رکھ کر اسی کے حصول کا موقعہ تلاش کرنے والے۔ اللہ ورسوؐل کے مقاصد کو یکسر نظر انداز کرنے والے۔ موقع ملنے پر جہاد سے بھاگ جانے والے۔ ایام جاہلیت کے دین پر قائم رہنے والے اور اللہ پر وہی دین تھوپنے والے۔ کھل کر اسلامی حکومت میں اقتدار وحصہ مانگنے والے (3/154)(3/153)۔

ان قصوروں اور جرائم کے باجود اللہ نے رسوؐل کے ساتھ لگے رہنے کا رسوؐل اللہ سے مزید موقع دلوایا۔ اللہ کا رسوؐل سے خود کہنا کہ ''ان کو معاف کردو اور اُن کی مغفرت چاہو'' بتاتا ہے

کہ حضورؐ نے اُن کو جھڑک دیا تھا اور اُن سے بات تک نہ کرتے تھے لہٰذا اللہ نے چاہا ہے کہ وہ ساتھ چپکے رہیں۔اس لئے رسوؐل کی نرم روی کا واسطہ دے کر نرم روی کی اپیل کی گئی ورنہ یہ لوگ اسی طرح چھوڑ کر بھاگ جاتے جیسا کہ جمعہ کی نماز میں بھاگ گئے تھے اسی لئے یہاں وہی لفظ انْفَضُّوْا استعمال کر کے رسوؐل کو نوٹ کرایا۔رسوؐل کی مخالفت اور نافرمانی کے بعد ضروری ہے کہ اللہ کے قانون اور طریقہ کے مطابق پہلے رسوؐل اللہ معاف کریں اور اللہ سے مجرم کے لئے معافی چاہیں تب اللہ معاف کرتا ہے الگ سے خدا کسی مجرم کو تنہا معاف نہیں کرسکتا۔(4/62-65)

شاورھم کے معنی معتبر لغات سے:

چونکہ قریشی علما چودہ سو سال سے شَاوِرْھُمْ کے غلط معنی بیان کرتے رہے اور حقیقت کو چھپاتے رہے صرف اس لئے کہ اُن کا طرز حکومت اور نظام مشاورت اپنے پیروں پر کھڑا ہی نہ ہوسکتا تھا۔لہٰذا انہوں نے غلط بنیادوں پر اپنی باطل حکومت کو تعمیر کیا ہے اگر ہمیں چودہ سو سال کی محنت کی بنیادیں مسمار کرنے میں چند صفحات لکھنا پڑیں تو زیادہ مہنگی نہ پڑے گی۔چنانچہ چند روکھے سوکھے صفحات پڑھنے کی زحمت فرمائیں۔

اَلْمُعْجَمُ الاَعظم محمد حسن الاعظم من علمائے اَزھر۔

واضح رہے کہ محمد حسن صاحب موتمر عالم اسلامی کی بنیاد رکھنے والے، کراچی میں عربی کالج قائم کرنے والے، پاکستان کی وزارت معارف عمومیہ کے وزیر ہیں۔نہ خود مسلمانوں کو گمراہ کیا نہ کوئی گمراہ کن ادارہ بنایا۔پانچ ضخیم جلدوں میں یہ عربی اردو لغت لکھی ہے۔معنی سنئے:۔شَارَ،شَوْرًا و شِیَارً او شِیَارَۃً ، مَشَارًا وَمشَارَۃً وَاَشَارَ (چھتے) سے نکالنا (شہد) خوبصورت و موٹے ہونا۔(اونٹ) شَوْرًا و شِوَارًا و شَوَّرَ

و اَشَارَ۔آزمائش کے لئے سوار ہونا۔جانور پر مشتری خریدار کو سوار ہو کر دکھانا (گھوڑا)
3 سدھانا (گھوڑا) 4 نمائش کرنا۔شَوَّرَ وَاَشَارَ و اَشْوَرَ ،اَلنَّار و ب آگ کا شعلہ زن
کرنا۔2۔اِلٰــی اشارہ کرنا۔جتا دینا۔3۔ب۔شرمندہ کرنا۔اَشَــارُ ب :واقف کرانا۔
اِنٹروڈیوس (Introduce) کرانا۔تعارف کرانا۔
2۔اِلٰی اشارہ کرنا۔3۔ عَلٰی حکم دینا۔3۔نصیحت کرنا۔4۔نیک بات بتانا۔مشورہ دینا۔
شَاوَرَ و اِستَشَارَ مشورہ لینا،اِشْتَارِ' اِسْتَشَارَ حاصل کرنا (شہد)۔تشَوَّر شرمندہ ہونا۔
جھینپ جانا۔تَشَاوَرو اِشْتَوَرَ ایک دوسرے سے مشورہ کرنا۔ شَاوَرَ مشورہ لینا،مشورہ کرنا
اِسْتَشَــارَ موٹا ہونا (مویشی) عمدہ لباس پہننا۔3۔مشورہ طلب کرنا۔4۔واضح ہونا (بات
کا)۔ اَلشَــوْر شہد جو چھتے سے نکالا جائے۔ 2۔نصیحت۔ 3۔مشورہ۔ 4۔لباس۔
5۔موٹاپا۔ 6۔خوبی۔الشَــارَۃ و الشورَۃ و الشِوَار و الشِیَارُ حسن جمال خوبصورتی۔
2۔شکل۔3۔لباس وزینت۔4۔گھر کا عمدہ سامان۔5۔اسبابِ زینت ھیئت ظاہری۔
6۔علامت،مارکہ،نشانی علامت وردی الشَوْرَۃ حُسن و جمال خوبصورتی۔2۔شرمندگی۔
3۔گھبراہٹ۔4۔کشیدہ والا رومال۔5۔ایک قسم کی جھاڑی الشَــوْرَی ایک سمندری
پودا،ایک دریائی گھاس۔الشُــوْرَۃ راستہ الـمَشَـار، الـمِشْوَارَۃ شہد کی مکھیوں کا
چھتہ۔ الشُوْرَی آپس میں مشورہ کرنا۔2۔کونسل۔مَـجْـلِــسُ الشُّوْرٰی پریوی کونسل
Privy Council۔الشِوَار یالشَوَار یاالشُوَار باورچی خانے کا سامان۔2۔سفری
سامان۔الاشْــوَرُ زیادہ مناسب،الشَیِّـر جمع شُــوَرَاء خوبصورت صاحب جمال۔2۔
وزیر۔3۔مصاحب۔4۔مشورہ دینے والا۔رائے دینے والا۔الشَــوَار ڈھلوان،گھاٹی۔
2۔سامان۔3۔خوبی۔4۔موٹاپا۔5۔آرائش۔6۔تھوڑی تھوڑی ہوا۔7۔آدمی کا ذکر

عورت کی فرج، المُشَاراۃ تالاب آبپاشی کے لئے۔المَشَارَۃ جمع مَشَاوِر وَمَشَائِر کاشت کے قابل زمین المَشُوْر آراستہ۔2۔مُزَیّن،المُشِیر مصاحب۔ 2۔سپہ سالار۔ 3۔کونسلر المُشِیْرَۃ سبابہ انگلی،انگوٹھے کے ساتھ کی انگلی۔المَشُوْرَۃ والمَشُوَرَۃ جمع مَشُوْرَات نصیحت۔2۔حکم۔3۔مشورہ المِشوَار جمع مَشَاوِیر گھوڑوں کی نمائش گاہ۔2۔اچھی شکل۔3 پیغام۔4۔دُھنکی کی تُندی، المِشوَر جمع مَشَاوِر شہد نکالنے کا آلہ المِشْوَارَۃ شہد کی جگہ چھتہ اَلمُشَاوَر جمع شُوَرَا وزیر۔ یہاں بیان ختم ہوا۔(جلد تین صفحہ 1578 تا 1579)

الفرائد الدّرّیۃ عربی انگریزی لغت:

شَارَ ،شَوْرًا و شِیَارًا و شِیَارَۃ مَشَارًا و مَشَارَۃً و اَشَارَ

چھتے سے شہد نکالنا۔کسی کو کسی معاملہ میں نصیحت یا رائے دینا۔	To Collect honey from the hive.To advise a,o to
شَوْرًا و شِوَارًا و شَوَّر و اَشَارَ	
خریدنے سے پہلے گھوڑے کو آزمانا۔	To try (a horse) before bying it.
آگ جلانا۔بھڑکانا۔	To make (fire) to blaze.
شَوَّر الی ب کسی کو کوئی چیز دکھانا۔	To show a thing to.
ب کسی کو کسی بات پر شرمندہ کرنا۔	To make a.o.ashamed by
شَوَّرَ و اَشَارَ الی ب انگلی سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا۔	To point out a .th .with the finger
شَاوَرَ . اِسْتَشَارَ . ہ کسی سے مشورہ کرنا۔	To consult anyone
اَشَارَ عَلٰی ب کسی کو رائے دینا۔	To give (advice) to anyone
تشَوَّر شرمندگی محسوس کرنا	To feel ashamed
تَشَاوَر علٰی آپس میں مشورہ کرنا	To consult together

اِشْتَار ،اِسْتَشَارَ شہد جمع کرنا۔	To gather honey
اِسْتَشَارَ۔مویشی کا موٹا ہونا۔خود کو ملبوس کرنا۔لباس پہننا	To become fat (cattle).To attire any oneself.
شَوَر چھتے سے شہد نکالنا۔نصیحت کرنا۔باہم مشورہ کرنا۔	Honey taken from the hive,advice ,counsel
شَارَة .شُوْرَة .شَوْرَة.شَوَارَ.شِيَار شکل۔اونگلی۔خوبصورتی، زیور،	Shape ,finger,beauty ,ornament
شَوْرَة۔شرم وحیاء۔	shame confusion ,Embroidered ,
ذھنی الجھاؤ،کشیدہ کاری سے سجایا ہوا۔رومال۔ریگستانی پودا۔	Handkerchief ,desert-shrub
شُورة بیٹھک،مجلس گاہ۔	Avenue
مَشَاوَر .مِشْوَارَة شہد کا چھتہ۔	Bee hive
شُورَى تَشَاوَر مشورہ کے لئے جمع ہونا،مشورہ کرنا,	Council ,Counsel
شَوَار شِوَار،باورچی خانے کے برتن۔	Kitchen Utensils
خیل شِیَار عمدہ گھوڑے	Fine horses
شِوَار ڈھلوان۔رکاوٹ۔	Slope,Ridges

(آگے وہی کچھ ہے جو مذکور ہو چکا ہے)(صفحہ 381)

تھکے ہوئے اور کبیدہ خاطر قارئین کا مشاورت کے لئے کیا مشورہ ہے؟

ان صفحات کو پڑھ لینے والے یقیناً عربی زبان کو ایک بہت الجھی ہوئی زبان قرار دے دیں تو تعجب نہ ہوگا۔یاد رکھیں کہ عربی زبان کو قریش نے بدترین زبان بنا کر چھوڑا ہے اور یہ بھی نوٹ کریں کہ قرآن میں صرف دو جگہ اس مادہ سے ایسے الفاظ (شَاوِرْ۔شُوْرٰى) آئے ہیں جن کو قریشی ماہرین نے رگڑ رگڑ کر اُن کے بنیادی معنی سے ھٹانے کی کوشش کی ہے۔حالانکہ تیسری جگہ (19/29) واضح صورت میں آیا ہے فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۔(مریمؑ نے بچے کی طرف انگلی سے اشارہ کر دیا کہ اس سے دریافت کرلو انہوں نے کہا کہ جو ابھی بچہ ہے اور گہوارے میں لیٹا ہوا ہے اس سے ہم کیسے بات کریں؟ یہاں قریش کوئی گڑ بڑ نہ کر سکے اور بنیادی معنی کر دیئے یا یہ کہئے کہ ''انگلی سے اشارہ کر کے بچہ کا تعین کر دیا۔ چنانچہ یہ یاد رکھیں کہ مادہ ش۔و۔ر سے کسی چیز کو مادی طور پر انگلی لگا کر یا انگشت نمائی کر کے متعین کرنا ہوتے ہیں لہٰذا شَاوِرْهُمْ کے معنی ہیں ''تم زیر بحث لوگوں کو اُنگلی سے اشارہ کر کر کے ہر مومن سے روشناس کرادو'' یعنی اُن کے تعین میں گنجلک نہ رہنے پائے زید کو لوگ بکر نہ سمجھیں اور بکر کو بکر ہی سمجھا جائے کوئی اسے عمر نہ سمجھ جائے۔ بات اتنی سے تھی جسے قریش نے بتنگڑ بنا دیا ہے اگر کوئی صاحب کسی وجہ سے نہ ماننا چاہے تو ہمیں بتائے کہ جو معنی اس مادہ ''ش۔و۔ر'' کے ماتحت لکھے ہوئے دیکھے گئے وہ سب صحیح ہونا چاہیں۔

ایسے معنی اختیار کرنے میں کیا حرج ہے جن سے رسولؐ اللہ کی توہین نہ ہو سکے؟

لہٰذا ہم وہ معنی لکھتے ہیں جن سے آیت کا تسلسل بھی برقرار رہے اور حضورؐ کی توہین بھی نہ ہو۔

شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ . تم انہیں اس معاملے میں متعین و مشخص کرتے رہو۔

2۔ اس معاملہ میں آئندہ آزمائش کے لئے اُن پر سوار رہو۔

3۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انہیں نیک باتیں بتاتے رہیں۔

4۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شرمندہ کرتے رہا کرو۔

5۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جتلاتے رہو۔

6۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وضاحت دیتے رہو۔

اگر آپ کو یہ چھ معنی منظور نہیں تو ہمیں کہنے دیجئے آپ کا نظام مشاورت شیطانی نظام ہے

اس کے لئے قرآن میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ کسی نبیؑ کے یہاں نظام مشاورت نہ تھا البتہ کافروں اور باغیوں کی حکومتوں میں مشورے سے کام ہوتا تھا۔

قارئین ابتدا میں بیان کردہ دوسری آیت (شوریٰ 42/38) جو قریش کا دوسرا سہارا ہے وہاں بھی مذکورہ مومنین کی مذمت ہے۔ ''اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں'' (مودودی) یعنی وہ ایسے مومنین ثابت ہو گئے جو ''اپنے معاملات نہ اللہ کے، نہ رسولؐ کے اور نہ قرآن کے فیصلوں کے مطابق چلاتے ہیں بلکہ اللہ، رسولؐ اور قرآن کو چھوڑ کر آپس کے مشوروں سے انجام دیتے ہیں'' اس سے بڑی مذمت اور کیا ہو سکتی ہے؟ مومنین کو اگر اس کھلی مذمت سے بچانا ہو تو ہمارے تجویز کئے ہوئے معنی کیجیے سنئے: اَمْـرُھُمْ اُن کا کام، شُوْرٰی بَیْنَھُمْ، آپس میں تعین و تشخص کے ساتھ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مدبرات الامور۔فرشتے یا محمدؐ وآل محمدؐ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًاO وَّ النّٰشِطٰتِ
نَشْطًاO وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًاO
فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًاO فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًاO
(سورہ النازعات، آیت 5-1)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین: ''قسم ہے ان فرشتوں کی کہ زور سے کھینچتے ہیں جان ڈوب کر اور قسم ہے ان فرشتوں کی کہ بند کھول دیتے ہیں جان کا بدن سے بند کھول دینے کر اور قسم ہے ان فرشتوں کی کہ جان کو لے کر تیرتے ہیں ہوا میں تیرنے کر پھر قسم ہے ان فرشتوں کی کہ آگے نکل جاتے ہیں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کر پھر قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تدبیر کرتے ہیں کام کی''

سورہ نازعات کی یہ پہلی پانچ آیات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے انوار کی صفات کو بیان کرتی ہیں۔ یہ صفات نورِ محمدؐ اور اجزائے نور محمدؐ کی تخلیقی وتکوینی صفات ہیں جن کو نہ سمجھنے کی بنا پر یا محمدؐ وآل محمدؐ صلوۃ اللہ علیہم کی دشمنی کی وجہ سے یا ازراہِ توریہ وتقیہ ملائکہ کی صفات سمجھا اور بیان کیا گیا ہے جس سے ہر اس شخص کو اختلاف ہوگا جو قرآن کے الفاظ سے معنی ومطالب اخذ کرنے کی شرط لگاتا ہے۔ان آیات میں کہیں بھی لفظ ملائکہ نہیں ہے یہی کچھ اکثر علماء نے دیگر مقامات پر مثلاً سورہ الْمرسلٰت کے ساتھ کیا تھا۔اور اس کی پرواہ نہ کی تھی کہ ہوائیں یا ملائکہ وہ عقل وبصیرت رکھتے ہی نہیں جو کیوں، کیسے کتنا کب اور کیونکر کو سمجھ اور سمجھا سکیں۔وہ تو اتنا ہی سمجھتے ہیں جتنا سمجھا دیا جائے۔وہ انسان اور جنات کی طرح صاحبان اختیار مخلوق نہیں ہیں۔وہ کوئی ایسا کام کر سکنے کی قابلیت نہیں رکھتے جس میں خود سوچنے سمجھنے علل واسباب معلوم کر کے فیصلہ کرنے کی ضرورت ہو ان کے متعلق ہم اتنا ہی مانتے ہیں جتنا

قرآن کریم نے بتایا ہے۔اور بس۔اپنی عقل وفکر سے ان کے لئے راہ عمل متعین کرنے والے لوگوں میں سے ہم نہیں ہیں ان کو ایسا حافظہ دیا گیا ہے جس میں بھولنے کا سامان نہیں رکھا۔ان کو ایسی اطاعت دی گئی ہے جس میں خلاف ورزی کی گنجائش نہیں ہے۔نہ وہ خلاف ورزی کا یا کسی اور کام کا ارادہ ہی کر سکتے ہیں۔ذاتی رائے اور اختیار وقدرت سے محروم رکھی گئی مخلوق اور انبیا علیہم السلام کو سجدہ ریز رہنے والے ملائکہ کو قریشی پالیسی نے انبیاءؑ سے بڑھا کر دکھانے کی کوششیں کی ہیں۔آپ اتنا سمجھ لیں کہ ملائکہ مختلف قوتوں کا نام ہے اور اللہ جس قوت کو چاہتا ہے اور جس صورت میں چاہتا ہے استعمال کرتا ہے۔اگر چاہتا ہے کہ وہ قوتیں آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر کام کریں تو انہیں تعمیل حکم کرنا ہے۔مستقلاً کسی شکل میں رکھے تو رہتی ہیں اور اس نے بعض صورتوں کے نام اور کام بھی متعین کر دیئے ہیں۔ان میں سے مثلاً جبرائیل ایک مستقل صورت وقوت کا نام ہے۔اسے بھی وہ جب آدمی کی صورت میں ظاہر کرنا چاہے تو کرتا رہتا ہے۔مختصراً یہ سمجھ لیں کہ وہ ادارہ نبوتؐ وامامتؑ کے لئے وہ قوتیں وسائل و وسائط ہیں جن کو نظام کائنات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ان کو استعمال کرنے والے کے لئے لازم وضروری ہے کہ وہ خود نظام کائنات سے کما حقہ واقف ہوں اور اس کی مختلف مخلوقات وموجودات سے اور ان کے آپس کے روابط اور تعلق کے عالم ہوں۔ تاکہ نوع انسان کو ان سے مستفید ہونے کی راہیں اور طریقے بتا سکیں اور پورے نظام کائنات پر انہیں عملاً قوت تسخیر وقوانین تسخیر عطا کر سکیں۔جو انسانی فطرت وضرورت پر مادی ومشہود اطلاع رکھتے ہوں اور جن سے نوع انسان استفادہ کر سکے۔رابطہ رکھ سکے اور انسانی ضروریات کو محسوس کرا سکے اور جن پر خود وہ ضروریات ومحسوسات عامل رہے ہوں۔اور جن سے رابطہ اللہ سے رابطہ اور جن کی بات و ہدایات اللہ کی بات وہدایات کہلائیں جن سے

ملنااللہ سے ملاقات ہوجن کی اطاعت ونافرمانی اللہ کی اطاعت و نافرمانی ہو۔جن کے گھروں میں ملائکہ کی آمدورفت ہو۔جن کے بچوں کو جبرائیلؑ جھولا جھلائیں۔جن کے گھر میں ملائکہ چکی پیسیں۔وہ ہوتے ہیں مدبرات عالم نہ کہ ملائکہ؟ ملائکہ تو کارندے ہیں۔مطیع حکم ہیں۔جوحکم ملے بے چوں وچرا بجالاتے ہیں۔لیکن حکم دینے والے تدبیرامرخداوندی سکھانے والےاور مدبر کائنات کہلانے والے سب سے پہلے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن سنان رضی اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو سنا کہ فرماتے تھے ''خدایا درود بھیج اپنے برگزیدہ پر اوراپنے خلیلؐ پر اور اپنے ہمراز پر جو تیرے امر کی تدبیر کرنے والے محمدؐ ہیں'' (**اللّٰھم صلی علیٰ محمدؐ و آلؐ محمدؐ**) (کافی کتاب الحجت باب مولدالنبی آخری حدیث نمبر 40)

انبیاءؑ، خاتم النبیینؐ اورآئمہ معصومینؑ اور ملائکہ مقربینؑ اور دیگر ملائکہ کی حقیقی پوزیشن

ملائکہ اور محمدؐ مصطفیٰ اور جانشینانِ محمد صلی اللہ علیہ وعلیھم وآلھم کے مقامات مقدسہ کو واضح کرنے کے لئے آنحضرؐت کی ایک حدیث لکھتے ہیں تا کہ قریشی اسکیم تڑپ کر دم توڑ دے۔

''حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے نہ تو مجھ سے افضل کوئی مخلوق پیدا کی نہ مجھ سے زیادہ کسی کو مفید و معزز بنایا۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر معلوم کیا۔کہ حضورؐ افضل ہیں یا جبرائیل افضل ہیں آپؐ نے جواب دیا کہ اے علیؑ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے تمام انبیاؑء مرسلین علیہم السلام کو اپنے تمام مقرب ملائکہ سے افضل بنایا ہے۔اور مجھے تمام انبیاؑء اور رسولوںؑ سے افضل بنایا ہے۔اور میرے بعد یہ بزرگی اور فضیلت تمہارے لئے ہے۔اور تمہارے بعد والے اماموںؑ کے لئے ہے۔ دراصل ملائکہ تو ہمارے خدمت گار ہیں۔اور وہ ہم سے محبت کرنے والوں کے بھی خادم ہیں

اے علیؑ اس لئے اللہ نے قرآن میں فرمادیا ہے کہ وہ لوگ جو عرش کو اٹھاتے ہیں۔ اور عرش کے ماحول میں رہتے ہیں۔ وہ سب اپنے پروردگار کی تسبیح و ہمہ گیری کا اعلان کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے تحفظ میں مصروف رہتے ہیں۔ جو ہماری ولایت وحکومت پر ایمان لاتے ہیں۔ اے علیؑ اگر ہم کو یہ مقام نہ دینا ہوتا تو اللہ ہرگز نہ آدمؑ کو پیدا کرتا نہ حواؑ کو پیدا کرتا۔ اور نہ جنت وجہنم کو پیدا کرتا۔ نہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرتا۔ چنانچہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ہم ملائکہ سے افضل نہ ہوتے۔ حالانکہ ہم ان سے اللہ کی معرفت اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحلیل وتقدیس میں سبقت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ نے جو مخلوق سب سے پہلے زیور تخلیق سے آراستہ کی۔ وہ ہماری روحیں تھیں۔ پھر اس نے ہمیں اپنی توحید اور حمد وثنا بیان کرنا سکھایا تھا۔ اور اس کے بعد کہیں ملائکہ کو پیدا کیا تھا۔ اور جب جب ملائکہ نے ہماری نورانی ارواح کو دیکھا اور اسے یکتا نور پایا تو لگے ہماری تعظیم کرنے۔ اور ہمیں اور ہمارے اَمر کو سب کچھ سمجھنے (ہم نے یہ سوچ کر کہ کہیں وہ ہمیں ہی خالق نہ سمجھ بیٹھیں) ہم نے اللہ کی تسبیح و ہمہ گیری کا اعلان شروع کیا۔ تاکہ ملائکہ کو یہ سکھائیں کہ ہم تو اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تو ہماری مخلوقانہ صفات سے کوئی حقیقی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ سن کر ملائکہ سمجھ گئے اور انہوں نے ہمارے ساتھ ساتھ اللہ کی تسبیح کی۔ اور اللہ سے ہماری مخلوقانہ صفات کی نفی سمجھی۔ اور جب ملائکہ پر ہماری عظمت شان غالب آنے لگی تو ہم نے اللہ کی اِلٰہیت کا اعلان کیا۔ تاکہ ملائکہ کو یہ سکھائیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور اللہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ ہم تو اس کے غلام و بندے ہیں۔ ہم معبود نہیں ہیں۔ ہم پر اس کی یہاں اور علیحدگی میں بھی عبادت کرنا واجب ہے۔ چنانچہ ملائکہ نے بھی توحید خداوندی کا اعلان کیا۔ پھر جب انہوں نے ہمارے مقام کی بڑائی دیکھی تو ہمیں ہی بڑا سمجھنے لگے۔ تب ہم نے اللہ کی تکبیر

شروع کر دی۔ تا کہ ملائکہ کو یہ تعلیم دیں کہ اللہ ہی حقیقی طور پر اکبر ہے۔ اور کسی کو کبریائی نہیں ملتی سوائے اس کے کہ اللہ ہی عطا نہ کر دے۔ پھر جب ملائکہ نے ہمیں عطا کردہ عزت وغلبہ اور قوت ملاحظہ کی تو ہم نے فوراً کہا کہ قوت اور ہر چیز پر احاطہ ملتا ہی نہیں جب تک کہ اللہ نہ دے۔ تا کہ ہم ملائکہ کو یہ سکھائیں کہ ہمیں ہر چیز پر احاطہ اور قوت اللہ ہی کی طرف سے ملی ہے۔ اور جب ملائکہ نے یہ دیکھا کہ اللہ نے ہم پر کیا کیا انعامات کئے ہیں اور ہم پر اپنی اطاعت فرض کی ہے۔ تو ہم نے الحمدللہ کہا تا کہ فرشتوں کو یہ سکھا دیں کہ اللہ نے ہم پر اپنی نعمتوں کے لئے ذکر وشکر وحمد وثنا کرنا اپنا حق بتایا ہے۔ چنانچہ ملائکہ نے بھی حمد وثنا کی۔ کہ انہوں نے ہمارے وسیلے سے ہدایت پائی۔ اور توحید خداوندی پر مطلع ہوئے۔ اور اس کی تسبیح وتہلیل اور حمد وثنا اور بزرگی پر عمل کرنا سیکھے۔ پھر اس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا تھا۔ اور ان کے صلب میں ہمیں ودیعت کیا تھا۔ اور ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہماری تعظیم میں آدمؑ کو سجدہ کریں۔ تا کہ ہماری افادیت وبزرگی کا اعلان ہو جائے۔ اور ان کا سجدہ اللہ کے حکم کے لئے تھا۔ تا کہ وہ اس کے عبد ہونے کا عملی ثبوت دیں۔ اور آدمؑ کی عزت واطاعت کو لازم سمجھیں۔ اس لئے کہ ہم آدمؑ کے صلب میں موجود تھے۔ چنانچہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم ہی ملائکہ سے افضل نہ ہوں؟ جب کہ ان سب نے مجموعی حیثیت سے آدمؑ کو بھی سجدہ کیا تھا۔ اور یہ دوسری دلیل ہے کہ جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تھا۔ تو جبرائیل نے ملائکہ کو حکم دیا تھا۔ کہ تم سب دو، دو کی جوڑیوں میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور وہ سب دو، دو کر کے کھڑے ہوئے تھے۔ پھر مجھ سے کہا تھا کہ اے محمدؐ آپ ہم سب کو نماز پڑھانے کے لئے امام کی جگہ آگے بڑھیں۔ میں نے بات پکی کرنے کے لئے کہا کہ اے جبرائیلؑ کیا میں تم سے بھی آگے بڑھ جاؤں؟ تو جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ جناب اللہ تعالی نے تو تمام اپنے نبیوںؑ کو

فرشتوں پر فضیلت دی ہے۔ اور آپؐ کو تو مخصوص افضلیت حاصل ہے۔ اس لئے آپؐ ہی نماز پڑھائیں۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور ان کو نماز پڑھادی۔ اور یہ پیش نمازی میرے فضائل کے مقابلہ میں کوئی قابل فخر بات نہیں تھی۔ چنانچہ جب نورانی پردوں کے قریب پہنچا تو جبرائیلؑ نے کہا کہ بس جناب اب آپؐ تنہا آگے بڑھیں اور مجھے اپنے پیچھے یہیں کھڑا چھوڑ جائیں۔ میں نے کہا کہ اے جبرائیلؑ تم مجھے اس مہتمم بالشان مقام پر تنہا چھوڑتے ہو؟ جبرائیلؑ نے کہا اے محمدؐ یہ مقام اللہ کی طرف سے میرے لئے انتہائی حد ہے۔ اگر میں اس حد سے تجاوز کروں تو حدود شکنی کی سزا میں میرے بال و پر اور قدرت جل کر راکھ ہو جائے گی۔ چنانچہ مجھے اس نور میں داخلہ دیا گیا۔ یہاں تک کہ میں وہاں پہنچا جہاں اللہ چاہتا تھا۔ اور جہاں اس کی بادشاہی پورے عروج پر تھی۔ چنانچہ مجھے پکارا کہ اے محمدؐ سنو!! میں نے عرض کیا کہ میں حاضر و متوجہ ہوں۔ اے میرے پروردگار اور تیری بزرگیوں، بلندیوں اور عطا کردہ سعادت مندیوں کے ساتھ حاضر ہوں۔ پھر مجھے پکارا گیا کہ اے محمدؐ تو میرا خاص بندہ ہے۔ اور میں تیرے لئے ہی پروردگاری کرنے والا بنا ہوں۔ چنانچہ صرف میری ہی اطاعت و عبادت کرنا۔ اور مجھ پر ہی توکل رکھنا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو میرا نور ہے میرے تمام بندوں کے لئے ہے۔ اور میری تمام مخلوقات کے لئے رسولؐ ہے۔ اور میری ساری بے عیب مخلوقات پر تو میری حجت ہے۔ جو لوگ تیرے قدم بقدم چلیں میں نے ان کے لئے اپنی جنت پیدا کی ہے۔ اور جو تیری مخالفت کرے ان کے لئے اپنی آگ پیدا کی ہے۔ اور تیرے اوصیاؑء کے لئے میں نے عزت و افادیت واجب کر دی ہے۔ اور ان کے طریقوں کی اشاعت کرنے والوں کے لئے ثواب مقرر کر رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے پالنے والے بھلا میرے وہ اوصیاؑء کون ہیں؟ تو پکار کر فرمایا کہ اے محمدؐ تیرے اوصیاؑء کے نام

ساقِ عرش پر لکھے ہوئے ہیں۔ پڑھ کر دیکھ لو چنانچہ میں نے اللہ کے روبرو کھڑے کھڑے ساقِ عرش پر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ بارہ عدد نور جگمگا رہے ہیں۔ ہر نور میں ایک سبز رنگ کی سطر ہے۔ جس میں میرے اوصیاؑء کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان میں پہلا نام علیؑ کا تھا۔ اور آخری نام میری اُمت کے مہدیؑ کا تھا۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ پروردگارا کیا یہی میرے اوصیاؑء ہیں۔ جو میرے بعد میری وصیتوں کو پورا کریں گے؟ مجھے پکار کر بتایا گیا کہ اے محمدؐ یہی میری طرف سے میرے ولی و حاکم ہیں۔ اور میرے محبوب ہیں اور میرے منتخب و معزز ہیں۔ اور تیرے بعد میری تمام بے عیب مخلوق پر میری حجتیں ہیں۔ اور نہ صرف تیرے اوصیاء ہی ہیں بلکہ تیرے خلفاء اور تیرے بعد میری تمام مخلوق پر با اختیار ہیں اور میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ ان اوصیاء خلفا اور اولیاء کے ہاتھوں میں اپنے دین کو مکمل طور پر نافذ کراؤں گا۔ اور ان کے ہاتھوں اپنے کلمہ کو بلند کراؤں گا۔ اور اس زمین کو ان میں کے آخری خلیفہ کے ہاتھوں اپنے دشمنوں سے پاک کراؤں گا۔ اور اسے روئے زمین کی مشرقوں اور مغربوں پر قدرت عطا کروں گا۔ اور ہواؤں کو اس کا مسخر و مطیع بناؤں گا۔ اور اس کے لئے بانجھ بادلوں کو بھی عاجز کر دوں گا۔ اور یقیناً میں اس کے لئے بلند ترین ترقی کا انتظام کروں گا۔ اور تمام وسائل و اسباب اس کے حوالے کر دوں گا۔ میں اپنی افواج سے اس کی نصرت کروں گا۔ میں اس کی مدد فرشتوں سے اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک میری منشا اور مقصد شہرت حاصل نہ کر لے۔ اور میری توحید پر تمام مخلوق متفق نہ ہو جائے۔ پھر اس کی حکومت کبھی ختم نہ ہوگی۔ اور ہم دنوں کو اس طرح گردش دیں گے کہ میرے مقرر کردہ تمام حاکم قیامت تک حکومت کریں'' (علل الشرائع صفحہ 5 تا 7)

یہ تھی محمدؐ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی وہ منزلت جو انہیںؐ نہ صرف ملائکہ کا بلکہ پوری کائنات کی ہر مخلوق کا حاکم ثابت کرتی ہے۔اور بتاتی ہے کہ ملائکہ نے جو کچھ سیکھا وہ ان ہی حضراتؑ سے حاصل کیا اور وہ انؑ ہی کے لئے پیدا کیے گئے اور ان کے ہی مشن میں ممد و مددگار بنائے گئے تھے۔اور یہ کہ کائنات ہو یا جنت یا جہنم ہو یا خود آدمؑ اور اولاد آدمؑ ہو یا تمام انبیائے مرسلینؑ ہوں ہرگز پیدا نہ کئے جاتے اگر چہاردہ معصومینؑ صلوٰۃ اللہ علیہم کو پیدا نہ کرنا ہوتا یعنی وہ حضراتؑ مقصد تخلیق کائنات ہیں اور خود اللہ کا مقصد اعظم ہیں وہ اوّلین مخلوق اوّلین مسلم (انعام 6/164) وعابد (43/81) ہیں۔

قرآن کریم انہیں روز ازل سے پوری کائنات کا نذیر اور رحمت کہتا ہے جو اللہ کی رحمت کی صورت میں کائنات کی ہر ہر شے ہر ہر مخلوق و موجود تک وسعت رکھتے ہیں (اعراف 7/156) وہی ہیں وہ مقدس ہستیاں جو ہر پیچیدہ مرکب یا مفرد چیزوں کی گہرائی تک رسائی رکھتے ہیں (79/1) اور انہیں اصلاحی و ترقی پذیر صورت میں تبدیل کرتے ہیں (79/1) جو نوع انسان کو نشاط و عشرت فراہم کرتے ہیں (79/2) جو ساری کائنات میں بیک لحظہ آمد و رفت رکھتے ہیں (79/3) جن کے سامنے یہ کائنات کف دست سے بھی چھوٹی ہے (کافی) وہی ہیں جنہیں کائنات کی ہر مخلوق حتیٰ کہ ملائکہ پر بھی سبقت حاصل ہے (79/4) اور وہی ہیں جن کے لئے تدبیر امور کائنات کے لئے ملائکہ ایسی قوتوں کو بھی خادم بنایا گیا ہے (79/5) اور وہی ہیں جو قائم قیامت کے لقب سے ملقب اور قیامت و رجعت و محشر کو برپا کر کے مواخذہ کرنے والے ہیں (79/6) جو ابوتراب یعنی زمین کے باپ ہیں جن کے حکم سے زمین جھنجوڑ کر رکھ دی جائے گی (79/7-8) اور نظریں جھک کر رہ جائیں گی (79/9)۔ان ہی کے حضور میں حاضری پر تعجب و طنز کیا جاتا تھا (79/10) قریش

ان ہی کی ایسی قدرت کے منکر تھے جو گلی سڑی ہڈیوں کو قیامت سے پہلے رجعت میں مواخذہ کے لئے زندہ کر سکے (79/11) ورنہ وہ اللہ کے لئے تمام قسم کی قدرتوں کے قائل تھے۔ انکار تو محمدؐ و آلِ محمدؐ کا تھا اور آخر میں کہتے تھے کہ اگر بالفرض محال ایسا ہو گیا تب تو ہماری زندگی اور کاروبار بڑے گھاٹے کا سودا ہوگا۔ ان کو بتایا گیا کہ تمہاری واپسی تو صرف ایک دھمکی دینے سے ہو جائے گی (79/13) اور تم سب آناً فاناً کھلے میدان میں سراسیمہ موجود ہو جاؤ گے (79/14) اس لئے کہ وہ دھمکی دینے والا رب الارض ہے (زمر 39/69) تم ہی نہیں اس روز تو تمام انبیاؑ اور شہدا چلے آئیں گے (39/69) وہ تو ویسا ہی انسان ہوگا جیسا کہ اس کا دادا تھا جس نے زمین کا زلزلہ روکنے کیلئے دھمکی دے کر کہا تھا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ **وقال الانسان مالها یومئذ تحدث اخبارها** (زلزال 99/3-4)

''ایک مخصوص انسانؑ زمین سے پوچھے گا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اور زمین تھم کر اپنی تمام خبریں سنا ڈالے گی''

لہٰذا وہی زمین تمہیں بھی اپنے باقی سامان اور امانتوں کے ساتھ اچھال کر باہر پھینک دے گی (زلزال 99/2)۔

ہمارا ترجمہ: ''قسم ہے ان مقدسؑ افراد کی جو آپس میں گھتی ہوئی، الجھی ہوئی صورت حال کو گہرائیوں میں اتر کر سلجھاتے اور الگ الگ کرتے ہیں O قسم ہے ان مقدسؑ افراد کی جو نشاط و راحت و مسرت بھی حد بھر فراہم کرتے ہیں O اور قسم ہے ان مقدسؑ افراد کی جو فضاؤں، ہواؤں اور خلاؤں میں تیرنے میں بہت سریع السیَر ہیں O پھر ان مقدسؑ افراد کی تمام یقین پر ہمہ قسمی سبقت رکھنے کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ O وہی افراد ہیں جو حکمِ خداوندی کے ماتحت کائنات میں ارتقائی تدابیر انجام دیتے ہیں O (النازعات 79/1-5)

نبیؐ کی تبلیغ دین میں ترش روئی اور بے رُخی (معاذ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَبَسَ وَتَوَلّٰی Oاَنْ جَآءَ هُ الْاَعْمٰی Oوَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی Oاَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی Oاَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی O فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی Oوَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰیOوَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰیOوَهُوَ يَخْشٰی Oفَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی O كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌO (سورہ عبس، آیت 1-11)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین: ''تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا اور کس چیز نے معلوم کروایا تجھ کو شاید کہ وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت سنتا پس فائدہ دیتی اس کو نصیحت اے پر جو شخص کہ بے پرواہی کرتا ہے پس تو واسطے اس کے تقید کرتا ہے اور کیا ملامت ہے اوپر تیرے یہ کہ نہ پاک ہووے وہ اور اے پر جو کوئی آیا تیرے پاس دوڑتا ہوا اور وہ ڈرتا ہے پس تو اس سے تغافل کرتا ہے ہر گز نہیں یوں تحقیق یہ نصیحت ہے''

قریشی مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ کی بھرپور توہین کرنے کے لئے اس سورہ عبس کا ترجمہ وتفسیر غلط کرتے۔ قریشی منصوبہ اس بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عام بشر تھے۔ جذبات واعمال میں خطا بھی کرتے تھے۔ بشری کمزوریوں سے مغلوب بھی ہو جاتے تھے۔ اس بنیاد کو مستحکم کرنے کی کوششیں چودہ سو سال سے مسلسل ہوتی چلی آئی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے مقامات کا خوب پروپیگنڈا کیا گیا ہے جہاں وہ اپنے باطل مقصد کو تقویت دینے کا موقع پاتے تھے۔ ان مواقع میں سب سے بڑا اور مفصل موقع سورہ عبس سے اختیار کیا گیا

ہے شیعہ مترجمین اور مفسرین نے پہلی آیت سے رسوؐل اللہ کو مراد نہیں لیا مگر آگے آنے والی نو (9) آیات (80/2-10) میں رسوؐل ہی کو مراد لیا ہے۔ رہ گئے قریشی انہوں نے تو خوب کھل کر حضوؐر کی توہین کی ہے۔ البتہ مودودی نے ذرا سجا اور سنوار کر اور منفی انداز میں رسوؐل کی وہ توہین کی ہے کہ اُدھر وہ لاجواب و بے مثل ہے اور اِدھر قاریوں کے دلوں میں جم کر رہ جانے والی ہے۔

قارئین قرآن کو پھسلانے اور رسوؐل کی مذمت سننے کے قابل بنانے کے لئے مودودی کا منافقانہ بیان۔

چنانچہ علامہ نے رسوؐل کی منافقانہ طرف داری میں یہ لکھا ہے کہ:

''رسوؐل نے نہ بے رخی برتی اور نہ ان پر عتاب ہوتا تھا۔

''بظاہر کلام کے آغاز کا انداز بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے لیکن پوری سورت پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفار قریش کے ان سرداروں پر کیا گیا ہے جو.....'' (تفہیم 6 دیباچہ صفحہ 251) قارئین یہ بیان نوٹ کر لیں اور سورہ کی پہلی آیت کی تشریح سنیں:

بے رخی رسوؐل ہی نے اختیار کی تھی اور عتاب رسوؐل پر ہوا تھا

''اس پہلے فقرے (آیت کو عموماً علامہ مودودی فقرہ یا جملہ کہتا ہے) کا اندازِ بیان عجیب لطف اپنے اندر رکھتا ہے اگرچہ بعد کے فقروں میں براہ راست رسوؐل اللہ کو خطاب فرمایا گیا ہے۔ جس سے یہ بات خود ظاہر ہو جاتی ہے کہ ترش روئی اور بے رخی برتنے کا یہ فعل حضوؐر ہی سے صادر ہوا تھا۔'' (تفہیم القرآن 6 صفحہ 253) اگلے صفحہ پر لکھا کہ:

''یہی ہے وہ نکتہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے معاملے میں اس موقع پر نظر انداز کر دیا تھا اور اسی کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ابن ام مکتوم کے ساتھ آپؐ کے طرزِ عمل پر گرفت فرمائی'' (ایضاً صفحہ 254)

یہ ہے وہ فریب ساز جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔اور جس نے حضوؐر کی شان میں وہ باتیں لکھی ہیں جو کسی عقل مند مبلغ سے سرزد نہیں ہوسکتیں۔

اصل مجرم پہلی ہی آیت میں اپنی قدیم کج خلقی اور قومی حکومت سے شناخت ہوتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ پہلی آیت کسی واحد مذکر غائب کی ترش روئی اور ولایت یا حکومت سازی کی تصدیق کرتی ہے۔یعنی رسوؐل کے مخاطبوں میں کوئی شخص ہے جو رسوؐل کا مدِ مقابل (تصدّی) (80/6) رہتا ہے اور یہ مدمقابل وہی ہے جس کو سورہ بقرہ (2/204) میں دشمن اور مدمقابل حریف (الـدُّالْخِصَامِ) فرمایا گیا تھا۔وہی تھا جو رسوؐل پر قومی حکومت اور دنیا پر تسلط کی اسکیم مسلط کرنے کی فکر میں رہتا تھا (2/205) اور جس کیلئے یہی لفظ تـولّـی وہاں مذکور ہوا ہے اور علامہ رفیع الدین اور خود مودودی نے لفظ تـولّـی کے معنیٰ ''حاکم'' بن جانا اور ''اقتدار حاصل'' کر لینا کئے ہیں پھر دیکھئے۔

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فی الارض لِیُفسِد فیھا ویُھلکَ..... الخ (2/205)

تولّی کے معنی، رفیع الدین۔ ''اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا بیچ زمین کے تا کہ فساد کرے بیچ اس کے اور۔۔۔۔۔'' (ترجمہ صفحہ 40)

مودودی کا ترجمہ ''جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے ،کھیتیوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے'' (2/205) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159)

سوال یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات سورہ عبس میں اسی لفظ ''تولّٰی'' کے معنی کیوں صحیح نہیں کرتے ؟ جواب یہ ہے کہ قریشی اسکیم نے رفیع الدین ایسے سادہ شخص کو بھی مغالطہ میں رکھا ہے اور مودودی ایسے عیار شخص کو رسوؐل کی توہین کے مواقع کی تلاش رہی ہے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ اہم مقامات پر قرآن کے الفاظ کے معنی ادل بدل کر لکھے جائیں ۔ بہرحال قارئین اپنا اطمینان کرلیں کہ اللہ نے قریش کے اسی اشتہاری مجرم کو سامنے رکھا جس کا ذکر ہر سورہ میں ادل بدل کر اور پالیسیوں کے مختلف پہلو دکھانے کے لئے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا حکومت کے متعلق وہ پروگرام قبول نہ کرنا اور کبیدہ خاطری اور غم وغصہ کا اظہار کرنا اپنی قوم کے فیصلے کی تائید میں ضروری تھا کہ نبوت وحکومت رسوؐل کے خاندان میں جمع نہ ہونے دی جائے گی (تاریخ طبری ۔الفاروق) لہٰذا اس نے منہ بنایا ناک بھوں چڑھائی ۔ترش روئی اعلانیہ دکھائی ۔اور یہ اس لئے کہ وہ اور اس کی قوم قریش رسوؐل کو (معاذ اللہ) عقل کا اندھا قرار دیتی تھی (80/2) اور یقین کرتی تھی کہ رسوؐل اللہ ہمارے مقابلہ پر ہمارے برابر کی بددیانتی اور مکروفریب سے قاصر رہ جائیں گے اور ہم قومی حکومت بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ چنانچہ کامیاب ہوئے ۔اور سمجھے کہ واقعی رسوؐل ہمارے مقابلہ میں عقل کا اندھا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ رسوؐل خیرالماکرین کے جانشین تھے۔ عقلِ کُل اور مجسمہ عقل تھے۔ لیکن وہ اللہ کی مشیت واحکام وحی کے خلاف کچھ نہ کرسکتے تھے ۔ یہ دونوں آیات (80/1-2) اور چھٹی آیت (80/6) اور بقرہ کی (2/204) آیات بتاتی ہیں کہ وہ لیڈر رسوؐل کے ساتھ بحث ومباحثہ جاری رکھتا تھا اور حضوؐر بھی اس سے دب کر نہ رہتے تھے لہٰذا جب حضوؐر نے حکومت الٰہیہ کی خدائی اسکیم پیش کی تو اس نے تیور بدلے اور رسوؐل کو پاگل سمجھ کر قومی حکومت بنانے کی ٹھان لی۔

کسی سچ مچ کے اندھے کی کہانی خانہ ساز ہے۔ ورنہ نہ اندھا دوڑ کر چلتا ہے اور نہ تنہا آیا کرتا ہے

لہٰذا یہ سورہ قرآن کے اسی اشتہاری مجرم کے عمل درآمد سے شروع ہوتی ہے جو پوری قوم کا چہیتا لیڈر رہے۔ رہ گیا کسی اندھے کا دوڑ کر تنہا آنا، بڑی بچگانہ اور غیر فطری خود ساختہ کہانی ہے۔ جو جلدی میں گھڑ لی گئی تھی اور مقبول ہو جانے کے بعد روایت ہوتی چلی آئی ہے۔ رہ گیا قریش کا رسولؐ کو پاگل مجنون، مخبوط الحواس اور اندھا سمجھنا اور دھوکے دینے کی کوشش کرنا تو یہ سارے قرآن میں بھرا پڑا ہے۔

جس کو اندھا لکھا گیا اور جس کی طرف داری میں بے رخی کا الزام لگایا گیا اسے پہلے سے مسلمان مانا گیا ہے؟

اور رہ گیا کسی اندھے کی طرف سے بے رخی کرنا تو وہ کافروں کو تبلیغ کرنے کے مقابلے میں صحیح ماننا پڑے گی۔ اس لئے کہ اس خود ساختہ افسانے میں وہ ایسا اندھا تھا جو دوڑتا پھرتا تھا اور پہلے اسے تبلیغ کے ذریعہ سے مسلمان کر لینا اس کہانی میں مانا گیا ہے اگر کہانی سچی بھی ہوتی تو ایک مسلمان کے مقابلے میں ایک غیر مسلم کو تبلیغ میں پہلا نمبر دینا عین حکمت ہے۔ سنئے مودودی کیا کہتے ہیں؟

''حدیث کی جن روایات میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اسلام لا چکے تھے'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 250)

دوڑنے والے اندھے کو ڈانٹنا اس کے لئے مفید ہے ورنہ گر کر دانت توڑ لے گا۔

اس خانہ ساز قصہ کو صحیح مان کر ایسے اندھے کو ڈانٹنا ضروری ہے جو بقول مودودی بھی ''دوڑا آتا ہے'' (ایضاً صفحہ 250)

اور ایسے دوڑنے والے اندھے پر ''وَهُوَ يَخْشٰى'' (80/9) موزوں ہی نہیں ہے اگر

وہ بُری باتوں سے ڈرتا ہوتا تو نابینا ہو کر ہرگز نہ دوڑتا۔ معلوم ہوا کہ قریش نے محض رسوؐل کی توہین کے لئے یہ افسانہ گھڑا تھا۔

آیات (80/1-10) میں مشہور قریشی لیڈر کی طرف آنحضرتؐ کی توجہ کا تذکرہ ہوا ہے اور بے توجہی کا حکم ملا ہے۔

جیسا کی مودودی نے منافقانہ طور پر لکھا ہے کہ اس سورہ میں آنحضرتؐ پر نہیں بلکہ سردارانِ قریش پر عتاب ہوا تھا۔ ہم یہی فیصلہ قرآن کے الفاظ کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور پورے قران میں سے گزرتے اور قارئین کو ہمراہ رکھتے چلے آئے ہیں اور یہ دکھاتے رہے ہیں کہ کہیں حضوؐر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عتاب نہیں ہوا ہے اور عتاب کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے کہ عتاب کے معنی یہ ہوں گے کہ رسوؐل اللہ نے اللہ کی مرضی یا مشیت یا حکم کے خلاف کوئی کام کیا تھا۔ اور ان حضرتؐ کے ایسا کرنے کا لازمی مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے غلطی سے غلط شخص کو اپنا جانشین نمائندہ اور رسوؐل بنا دیا تھا۔ اور قرآن میں غلطی سے آنحضرتؐ کی بے چوں و چرا اطاعت واجب کردی اور ان کی بات کو اپنی بات ان کے عمل کو اپنا عمل ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت ان کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی کہتا رہا۔ اور بار بار پچھتاتا اور عتاب و غم وغصہ کرتا رہا۔ اور چونکہ اللہ سے غلطی ممکن نہیں لہٰذا غلط شخص کو رسوؐل بنا دینا بھی ممکن نہیں اور نتیجتاً حضوؐر سے غلطی سرزد ہوجانا بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا بات صرف اس قدر ہے کہ حضوؐر قریش کے سب سے بڑے لیڈر کے منصوبوں (بقرہ 2/204-205) اور پالیسیوں کو مادی طور پر مسلمانوں کے سامنے اگلوانے کے لئے اس کو اپنا ہدف اور اتمام حجت کا نشانہ بنائے ہوئے تھے (80/1-7) مگر وہ لیڈر آنحضرتؐ کی پر خلوص و ہمدردانہ باتوں کو بیوقوفانہ، بچگانہ اور اندھی عقیدت پر مشتمل سمجھتا تھا اور ہرگز اپنے قومی حکومت کے تصور سے

ہٹنے کو تیار نہ تھا جسے اللہ جانتا تھا چنانچہ اللہ نے رسوؐل اللہ سے سوال کیا کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں درایتی طور پر یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ لیڈر اپنی خباثت کو شاید چھوڑ کر اپنے آپ کو سنوار سکتا ہے؟ (80/3) یا یہ کہاں سے پتہ چلا کہ اگر وہ تمہاری ہدایات پر غور کر لے تو اپنی یادداشت سے مستفیض بھی ہوسکتا ہے؟ (80/4) اب حقیقت واقعی یہ ہے کہ وہ لیڈر خود کو تمہاری ہدایات و تعلیمات کا محتاج نہیں سمجھتا بلکہ خود کو ہدایت یافتہ اور مستغنی سمجھتا ہے (80/5) اور تم برابر اس کو اپنا مدمقابل بنائے ہوئے اس کی اصلاح پر مصر ہو (80/6) حالانکہ اگر وہ ہدایات قبول نہ کرے تو آپؐ سے جواب طلبی نہ ہوگی (80/7) اور جو شخص کوشش کر کے آپ کے پاس آتا رہتا ہے اور آئندہ آتا رہے گا (80/8) اور ساتھ ہی وہ برائیوں سے ڈرتا بھی ہے اور آئندہ بھی ڈرتا رہے گا (80/9) اسے آپؐ بہلا کر رخصت کر دیتے ہو (80/10) حقیقت یہ نہیں ہے کہ تم کوئی غلط کام کر رہے ہو (80/11) بلکہ یہ تو وہی ذکر ہے جو کہ مفید کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے اور جو اسی طرح روبہ کار آنا چاہئے تھا (80/11)۔

لفظ ''کَلَّا'' قریشی بکواس اور تاویلات و اتہامات کی نفی کے لئے آتا ہے۔

سورہ عبس کا بیان آیات (80/1-10) میں مسلسل چلتا آیا ہے اس کے بعد گیارہویں آیت کو لفظ ''کَلَّا'' سے شروع کیا گیا ہے۔ اور اس لفظ کے معنی ہیں ''ہرگز ہرگز ایسا (یا ویسا) نہیں'' اسی کا علامہ رفیع الدین مرحوم ''ہرگز نہیں یوں'' ترجمہ کرتے ہیں جو بالکل صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لفظ ''کَلَّا'' کے آنے سے ہر اس معنی کی نفی ہوجاتی ہے جو گزشتہ آیات و الفاظ سے قریش اختیار کرتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ان تمام مطالب و مفاہیم کی نفی ہوجاتی ہے جو اللہ و رسوؐل اور اسلامی تعلیمات و مقاصد کے خلاف اخذ کئے جا

سکتے ہوں۔ چنانچہ مودودی اینڈ کمپنی کا اخذ کردہ سارا گھروندا لفظ ''کَلَّا'' فرما کر ملیا میٹ کردیا گیا اور یہ فرما کر حقیقت حال کو واضح فرمایا کہ ''درحقیقت وہ سارا بیان (80/1-10) ایک ایسا تذکرہ ہے جس کو سمجھنا اور جس پر عمل کرنا اور جس کو دوسروں کے لئے بیان کرنے کے لئے آگے بڑھاتے رہنا ہدایات خداوندی اور صراط مستقیم پر گامزن رہنا ہے (مزمل 73/19)(دھر 76/29 وغیرہا) لہٰذا معلوم ہوا کہ قریش کے مذکورہ مدمقابل حریف دشمن کی تاک میں رہنا بہت ضروری کام تھا۔ تاکہ اس کی تخریبی کوششیں اس کی قوم قریش سے باہر نکل کر دوسری اقوام میں نہ پھیلیں خواہ وہ لوگ جو ہر وقت استفادہ کرتے رہتے ہیں اور کرسکتے ہیں اور جن کو رات کو رسوؐل سے رابطہ رکھنے کی ممانعت نہیں جو دن کی پانچوں نمازوں میں حضوؐر سے استفادہ کا موقع رکھتے ہوں۔ ہمہ وقت یعنی چوبیس گھنٹے استفادہ نہ بھی کرایا جائے۔ لہٰذا اس شخص خاص پر مزید وقت صرف کرنے سے منع کردیا گیا اور اس پر صرَف ہونے والے وقت کو مفید بنانے کا حکم ملا اور بس۔ رہ گئے سچ مچ عقل کے اندھے اور دشمنانِ خدا و رسوؐل ان کو تو ساون کے اندھے کی طرح چاروں طرف ہرا ہی ہرا اور بُرا ہی بُرا نظر آنا چاہئے۔ ان کی تو فطرت و ذہنیت ہی بگڑ چکی ہے۔

ہمارا ترجمہ: ''اُس شخص نے حکومت الٰہیہ کے تصور پر تیور چڑھائے اور ولایت و حکومت و اقتدار پر قبضہ کی ٹھان لی۔ (2) اس لئے کہ اس کے پاس ایک عقل کا اندھا وہ تصور لے کر پہنچا۔ (3) اَے رسوؐل تمہیں کس مادی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ شاید وہ شخص اپنے نفس کا تزکیہ کرلے گا۔ (4) یا یہ کہ وہ یاددھانی کرانے کے بعد اپنی یاد سے نفع اندوز بھی ہوگا؟ (5) رہ گیا وہ شخص جو تمہاری ہدایات سے مستغنی اور لاپرواہ ہے۔ (6) تو آپؐ اس کے مقابلہ میں ڈٹے رہتے ہیں۔ (7) باوجودیکہ اگر وہ نہ سدھرے تو آپؐ کے اوپر کوئی

اعتراض قائم نہیں ہوتا ہے۔(8)رہ گیا وہ شخص جو آپؐ کے پاس کوشش کر کے آتا ہے اور آتا رہے گا۔(9)اور بُری باتوں سے ڈرتا ہے۔(10)چنانچہ آپؐ اسے بہلا دیتے ہیں۔(11)قارئین سُنیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یقیناً یہ تو ایک خاص تذکرہ ہے''(80/1-11)

☆☆☆☆☆

شافع محشر، شفیع المذنبین

ترجمہ: شاہ رفیع الدین:	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
''اللہ وہ شخص ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے ہے بیچ چھ دن کے پھر قرار پکڑا اوپر عرش کے نہیں	اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ O (سورہ السجدہ، آیت 4)

واسطے تمہارے سوائے اس کے کوئی دوست اور نہ شفاعت کرنے والا کیا پس نہیں نصیحت پکڑتے'' (32/4)

قرآن کے واضح احکام نے قریش کے خودساختہ بزرگوں کی خودساختہ بزرگی اور تقدس کو فنا کر دیا تو قریشی لیڈروں نے یہ طے کرلیا کہ وہ جوابی طور پر ان تمام بزرگوں اور بزرگیوں کو فنا کر کے رہیں گے جنہیں قرآن بزرگی عطا کر کے ہم پر مسلط کر رہا ہے۔ قارئین نے قرآن میں بار بار قریش کے مختلف عقائد و اصول ملاحظہ کیے ہیں اور دیکھا ہے کہ وہ ہرگز ہرگز خدا کی خلّاقیت و رزّاقیت اور قدرت و کمالات و معجزات کے منکر نہ تھے۔ وہ بالکل ایسے ہی مسلمان تھے جیسا کہ ایک ہزار سال سے مسلمانوں کے علما کی کثرت مسلمان رہتی چلی آئی ہے۔ جس طرح یہ علما ایسے مردوں اور عورتوں کو بزرگ بنائے ہوئے ہیں جن کی بزرگی قرآن سے ثابت ہونے کے بجائے ان کی مذمت سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ قریش عہد رسولؐ سے پہلے بھی مسلمان تھے۔ فرق اتنا تھا کہ انہوں نے بھی اپنے بعض محسنوں اور لیڈروں کو بلا کسی الہامی دلیل اور خدا کی اجازت کے اپنی دعاؤں کے قبول ہونے، اور اپنی نجات کے لئے

وسیلہ اور شفیع بنا رکھا تھا۔ ان سے قرآن نے بار بار وہ دلیل وثبوت طلب کیا ہے جس میں خدا نے انہیں اجازت دی ہو کہ فلاں اور فلاں کو اپنا وسیلہ یا شفیع بنالیں (10/68)۔

ان سے کہا گیا کہ ''تم نے جن لوگوں کے نام خود ہی بزرگوں میں شمار کر رکھے ہیں۔ ان کے لیے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے'' (اعراف 7/71) (یوسف 12/40) (نجم 53/23) لہٰذا سوال یہ تھا کہ تمہارا کسی کو وسیلہ بنا لینا یا اپنا شفیع سمجھنا حق بجانب ہوتا اور تمہیں مشرک نہ کہا جاتا اگر تم نے اللہ کی اجازت یا حکم کے بعد ان کو وسیلہ یا شفیع مانا ہوتا۔ چنانچہ عہد رسولؐ کے قبل کے مسلمان صرف غلط وسیلہ اور شفیع اختیار کرنے کی بنا پر مشرک کہلائے اور ان کی طرح طرح قرآن میں مذمت ہوئی۔ لیکن رسولؐ پر جو مشرک ایمان لائے انہوں نے اپنے بزرگوں کے انتقام میں ان وسائل اور شُفَعَاء (شفیعوں) کے ماننے کو بھی شرک قرار دے دیا جن کو اللہ نے وسیلہ اور شفیع بنانے کا حکم دیا تھا۔ اور سابقہ مسلمانوں کے لئے یہ مشہور کیا کہ وہ اپنے بزرگوں کو اللہ کی خالقیت و رازقیت اور قدرتوں میں برابر کا شریک قرار دیتے تھے اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں ان پر اتہام والزام اور قرآن کے خلاف سفید جھوٹ ہیں۔ اس لئے کہ:

نام نہاد مسلمان علما کے خلاف مشرکین مکہ اور قریش اللہ کو مانتے تھے۔ شفاعت کے قائل تھے قیامت پر یقین تھا۔

اللہ نے قرآن میں سابقہ مشرک مسلمانوں کی طرف سے بتایا ہے کہ ''اہل مکہ اور قریش اللہ کے علاوہ ان کی بندگی بھی بجا لاتے ہیں جو نہ تو انہیں فائدہ پہنچائیں گے۔ اور نہ ان کا نقصان ہی کر سکیں گے اور کہتے یہ ہیں کہ یہ حضرات ہمارے لئے اللہ کے حضور میں شفاعت کرنے والے ہیں (وَيَقُولُونَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ) (یونس 10/18) اس

آیت کو قرآن میں پورا پڑھیں اور سوچیں کہ اگر وہ لوگ قیامت اور حشر ونشر اور جنت جہنم کو نہ مانتے ہوتے اور ان چیزوں پر ان کا ایمان نہ ہوتا تو انہیں نہ کسی قسم کی اور کسی کی عبادت کی ضرورت تھی نہ کسی کو اپنا شفیع بنانے کی احتیاج ہوتی لہٰذا ثابت ہو گیا کہ قومی علماء کا یہ کہنا کہ عہد رسوؐل کے قریش اللہ پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ وہ خدا کو چھوڑ کر بت پوجا کرتے تھے۔ سو فیصد کذب افتراء اور تہمت ہے پھر اللہ نے یہ بھی تصدیق کی ہے کہ:۔

مشرکین قریش اللہ کی قائم کردہ ولایت کے علاوہ کچھ لوگوں کو اپنا ولی سمجھتے تھے۔

مشرکین مکہ و قریش نہ صرف اللہ کے حضور شفاعت اور شفاعت کرنے والوں ہی کی ضرورت سمجھتے تھے ''وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔۔۔۔۔الخ (سورہ زمر 39/3)

بلکہ وہ اللہ کی قائم کردہ ولایت کے ساتھ ساتھ ایک اور واجب الاطاعت ولایت اور اولیاء کے بھی قائل تھے۔ جن کے توسط اور وسیلے سے انہیں اللہ کے حضور تقرب حاصل ہو سکے'' اس آیت میں مذمت کا وہی پہلو مشترک ہے کہ وہ لوگ ''اللہ کے علاوہ (مِنْ دونِہٖ) اپنی خود ساختہ ولایت کے بھی قائل تھے۔ لہٰذا ان کا قصور یہ تھا کہ وہ اپنے خود ساختہ شفیع اور شفاعت اور ولی و ولایت کو شامل کرتے تھے۔ اور اسی غلط عقیدے اور عمل کی بناء پر انہیں مشرک قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ وہ بالکل ایسے ہی مسلمان تھے جیسا کہ ایک ہزار سال سے نام نہاد مسلمان علماء مسلمان ہیں۔ اس لئے کہ یہ بھی حکومت و ولایت الٰہیہ میں ایسے لوگوں کو شریک کئے ہوئے ہیں جن کے لئے قرآن میں کوئی سند، دلیل یا سلطان نازل نہیں ہوا ہے۔ ہماری اس تمہید کو سامنے رکھتے ہوئے اب یہ سنئے اور سمجھنے اور برداشت کرنے کی کوشش کریں کہ شفیع کے حقیقی اور بنیادی معنی بھی وہ نہیں ہیں جو قرآن کو مہجور کرنے والی قومی

حکومتوں نے مشہور کرادیئے ہیں۔اور یہ صرف اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شافع محشر اور شفیع المذنبین مانا گیا ہے۔اور جس طرح ہم قرآن میں معنوی تبدیل و تحریف کرنے والوں کو قرآن ہی سے مجرم ثابت کرتے آئے ہیں اسی طرح الفاظ۔ 1،شافع۔2،شفعا۔3،شفاعۃ۔4،شفیع کے حقیقی معنی بھی قرآن ہی سے اور خود تحریف کرنے والوں اور ان کے ہم مسلک علما کی ترجمانی سے دکھاتے ہیں۔چنانچہ قارئین ایک دم قرآن کے تیسویں پارہ میں سورہ الفجر کھولیں اور دیکھیں کہ اللہ نے اس سورۂ مبارکہ کی ابتدا چند چیزوں کی قسم کھا کر کی ہے پہلی قسم کسی عظیم الشان صبح (فجر) کی کھائی ہے۔دوسری قسم دس راتوں کی ہے۔اور تیسری قسم یہاں پوری لکھ کر اس کے مختلف ترجمے دکھائیں گے تاکہ باطل کے پردے ہٹا کر حقیقی معنی سب کو معلوم ہو جائیں،قرآن سنئے اور تراجم دیکھئے۔

وَالْفَجْرِ O وَلَيَالٍ عَشْرٍ O وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (89/1-3)

رفیع الدین ۔قسم ہے فجر کی،اور راتوں دس کی،اور جفت اور طاق کی۔(مترجم قرآن)

اشرف علی۔قسم ہے (فجر کے وقت کی) اور (ذی الحجہ کی) راتوں دس کی،اور جفت اور طاق کی۔(مترجم قرآن)

عبدالقادر۔قسم ہے فجر کی،اور راتوں دس کی اور جفت اور طاق کی (مترجم قرآن)

مودودی ۔قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی ،اور جفت اور طاق کی۔(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 326)

شاہ ولی اللہ۔قسم بصبح وبشبہائے دہگانہ وقسم بجفت وطاق (مترجم قرآن صفحہ 782)

آپ تمام ترجمے دیکھ جائیں ماشاء اللہ شیعہ سنی دونوں قسم کے مترجمین نے اس آیت (89/3) کا ترجمہ یہی جفت (شفع) اور طاق (وتر) کیا ہے۔ترجمہ یہ بھی غلط ہے۔اس

لئے کہ عربی زبان میں جفت کو مزوج اور طاق کو فرد سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس ترجمہ سے یہ پتہ چل گیا کہ مادہ ش۔ف۔ع سے بننے والے الفاظ کے معنی میں سفارش کو کوئی دخل نہیں ہے۔ لہٰذا لفظ **شفیع** ُیا **شافعٌ** یا **شفعا** کے معنی ہرگز سفارش کرنے والا نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے معنی میں ''جفت'' یا ''جوڑی'' یا ''ساتھی'' یا ''دوہرا'' اور ''ڈبل'' (DOUBLE) کی قسم کا مفہوم ہونا چاہیئے۔ جسے ہم بیان کرنے والے ہیں۔ لیکن پہلے یہ دیکھ لیں کہ ان دولفظوں۔ 1۔شفعٌ اور 2۔وترٌ کے لئے قومی حکومتوں کو اور ان کے تنخواہ دار مترجمین اور مفسروں کو اور ان کے قدم بقدم چلنے والے مجتہدین کو کتنے پاپڑ بیلنا پڑے؟ علامہ مودودی سے سنیئے اور تفصیل لغات القرآن اور تفسیروں میں دیکھئے۔ ارشاد ہے کہ:۔

''ان آیات کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ''جفت اور طاق'' کے بارے میں تو 36۔ اقوال ملتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 326)

شافع، شفیع، اور شفعا کے حقیقی معنی عدالتوں اور اہل حق کے درمیان معلوم ومشہور ہیں؟؟

قارئین مفسرین اور علامہ کو ان کے حال پر چھوڑ کر آپ ایک بہت آسان اور روزمرہ استعمال ہونے والے لفظ سے سمجھ لیں تو بہتر ہوگا۔ اور وہ لفظ حقِ شفعہ ہے اس لفظ کو اور اس حق کو تمام وکلاء اور تمام عدالت کے جج اور تمام لکھے پڑھے لوگ اور ان پڑھوں کی کثرت جانتی اور استعمال کرتی ہے۔ یہ حق وہ حق ہے جو ہر اس شخص کو حاصل ہے جس کی رضامندی کے خلاف کوئی مالک اپنی ملکیت کی کسی چیز کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اور اگر فروخت کردے تو اس کے خلاف عدالت میں شفع یا شفعہ دائر کیا جائے گا۔ اور عدالت یہ دیکھنے کے بعد کہ واقعی مدعی کو اس چیز پر شفع کا حق ہے۔ حکمیہ وہ چیز سابقہ خریدار سے واپس لے کر

مناسب قیمت میں اس دوسرے حقدار کو فروخت کرائے گی۔ چنانچہ مالک اور پہلا خریدار مجبور ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ ہے وہ ''جوڑی دار'' جو شفع کی وجہ سے مالک کے ساتھ جفت رہتا ہے۔ اور مالک رہتے ہوئے بھی اس کی رضامندی کے خلاف اپنی ملکیت کی چیز کو اس کے سوا کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ نے آیت مندرجہ بالا (89/3) میں اپنے کسی ایسے جوڑی دار کی قسم کھائی ہے جو اللہ پر حق شفع رکھتا ہے۔ اور لفظ شافع اور شفیع کے یہی معنی ہیں کہ وہ ایسا حق رکھتا ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر کوئی فرد کسی کو متعلقہ چیز دے نہیں سکتا۔ اور مومنین کرام آج تک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ہی معنی میں شافع محشر اور شفیع المذنبین سمجھتے اور مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ اللہ حضورؐ کی رضامندی کے بغیر کسی شخص کو جزا و سزا نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی اور عطا کردہ حق کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور یہ وعدہ جس ہولناک قربانی کے بدلے میں ملا ہے۔ اس کی یادگار دس محرم کو ہر سال منائی جاتی ہے اور جس پر محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے فداکاروں نے اتنا خون چھڑکا جس سے ایک سمندر بھر جاتا ان کے اتنے افراد قتل ہوئے کہ ایک ہمالہ پہاڑ کی اونچائی پوری ہو جاتی اور ہر یادگار کے منانے میں منوں خون سڑکوں اور گلیوں میں چھڑک دیا جاتا ہے اور اپنے گوشت کا قیمہ اچھال کر مودۃ محمدؐ و آل محمدؐ اور کربلا کے شہداء کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ تین ماہ تک آرام و چین عیش و راحت کو خیر باد کہہ کر سوگ منایا جاتا ہے۔ اس سب کے بدلے میں حق شفع کوئی وزن دار چیز نہیں ہے۔ انہوں نے خود کو فروخت کر کے اللہ سے اس کی تمام رضامندیاں خرید لیں (بقرہ 2/207) لہٰذا رضامندیوں کے مالکؑ ہی وہ ہستیاں ہیں جو نوع انسان کی نجات کے ضامن و ذمہ دار ہیں ان کی قربانیاں ہی تو مدنظر تھیں کہ انہیں کلمۃ اللہ بنایا گیا۔ انہیں مشیت

اللہ وارادۃ اللہ مقرر کیا گیا یہی تو وجہ ہے کہ ان کی زبان اللہ کی زبان اور ان کا قول قرآن اور اللہ کا قول کہلایا۔ رہ گئے وہ لوگ جو مشرکوں کی اولاد ہیں۔ جو دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ کے پرستار ہیں۔ وہ کیوں ان حقائق کو تسلیم کریں؟ انہیں آخر جہنم میں جانے سے کون روکے گا؟؟ لیکن وہ دنیا میں دوبارہ آنے اور ایمان کی تمنا کریں گے (32/12) مگر دوزخ میں رہیں گے۔

سورہ یونس آیت (10/3) میں مقام شفاعت کا منجانب اللہ ہونا

ہم بعض مقامات پر عام مترجمین کا ترجمہ اختیار کر لیتے ہیں تاکہ جب تک بنیادی اصول سمجھ میں نہ آجائے قارئین کی توجہ کو نہ ہٹایا جائے۔ چنانچہ ہم نے بھی لفظ شفیع اور شفاعۃ کا عام ترجمہ کر دیا تھا اور قارئین سے وعدہ کیا تھا کہ وہ زیر نظر آیت اور سورۂ سجدہ (32/4) میں لفظ ''شفیع'' کے مادہ ش۔ف۔ع سے بننے والے الفاظ کے معنی قرآن (89/3) سے ثابت ہو جانے کے بعد اب سورۂ یونس کی آیت (10/3) پڑھیں اور صحیح و بنیادی ترجمہ دیکھیں۔

''یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے زمینوں اور آسمانوں کو چھ روز میں وجود بخشا اور پھر عرش پر مکمل مرکز حکومت الٰہیہ قائم کیا اور اس میں کسی کو دخل اندازی کا اور حق شفعہ حاصل نہیں ہے البتہ اللہ کی اجازت کے بعد یہ حق شفعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس پوزیشن والا ہے اللہ تمہارا پروردگار چنانچہ تم اس کی بندگی کرو کیا تم سبق اندوزی نہیں کرتے ہو''۔ (10/3)

☆☆☆☆☆

کلماتِ اللہ محمدؐ وآلؐ محمدؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌO (31/27)

ترجمہ: شاہ رفیع الدین:

''اور اگر ہو یہ کہ جو کچھ بیچ زمین کے ہے درختوں سے قلمیں اور دریا ہو سیاہی اس کی پیچھے اس کے ہوں سات دریا نہ تمام ہوویں گی باتیں اللہ کی تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا''

لفظ ''کلمات'' کے معنی بیان کرنے میں طرح طرح کے تکلفات اور آنا کانی سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ اور عموماً ان کا ترجمہ ''بات، کلام، فرمودات'' کرلیا جاتا ہے۔ کہیں اسے فیصلہ قرار دیا جاتا ہے۔ الغرض موقع شناسی کو ملحوظ رکھ کر کچھ نہ کچھ کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ قرآن میں جب یہ لفظ سب سے پہلے آیا تھا وہاں ضروری تھا کہ علماء چونکیں اور سوچیں کہ ان الفاظ کے لئے ''عام بات چیت'' ترجمہ کرنے سے حقیقت چھپ جائے گی فرمایا یہ گیا تھا کہ:۔

فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (بقرہ 2/37)

علامہ رفیع الدین کا ترجمہ:

''پس سیکھ لیں آدمؑ نے پروردگار اپنے سے کچھ باتیں پس پھر آیا اوپر اس کے تحقیق وہی ہے پھر آنے والا مہربان''

علامہ مودودی کا ترجمہ بھی ملاحظہ ہو:

''اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کرلیا۔ کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔ (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 67-68)

علامہ اشرف علی کا ترجمہ

:''بعد ازاں حاصل کر لئے آدمؑ نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر یعنی توبہ قبول کر لی بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے مہربان'' (مترجمہ قرآن تاج کمپنی صفحہ 10)

فرمان علی کا ترجمہ:

''پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (معذرت کے) چند الفاظ سیکھے پس خدا نے (ان الفاظ کی برکت سے) آدم کی توبہ قبول کر لی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے'' (مترجمہ قرآن صفحہ 10)

علامہ مقبول احمد کا ترجمہ:

''پس آدمؑ کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات ملے (جن سے) خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے''
(مترجمہ قرآن صفحہ 10)

علامہ امداد حسین کا ترجمہ:

''پس آدم نے اپنے پروردگار سے کلمے سیکھے (ان کی برکت سے) اللہ تعالیٰ نے آدم (کے اس بے محل فعل) سے درگزر کیا بے شک وہ بڑا درگزر کرنے والا مہربان ہے'' (مترجمہ قرآن صفحہ 8)

شیعہ سنی ترجموں کی جانچ اور ان دونوں کی طرف سے غلط تصورات کا اضافہ:

بات شروع کرنے سے پہلے یہ سن لیں کہ ان ترجموں میں پہلے تین تراجم اہل سنت لیبل کے علما کے ہیں اور دوسرے تین شیعہ لیبل کے مترجمین ہیں۔ اور اگر آپ تمام

ترجموں کو خود دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جناب علامہ اشرف علی تھانوی اور جناب مقبول احمد صاحبان کے علاوہ ان میں سے کوئی حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو قابل تعظیم نہیں سمجھتا۔اس لئے کہ انہوں نے ان کے نام پر نہ تو حرف صاد (صلی اللہ علیہ) لکھا نہ عین (علیہ السلام) بنایا۔پھر یہ دیکھیں کہ اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے۔جس کا ترجمہ ''سیکھے''''سیکھ لیں''یا''سیکھ کر''یا''حاصل کر لئے'' کیا جا سکے اور نہ آیت میں آدمؑ کے معافی مانگنے یا توبہ کرنے کا تذکرہ ہوا ہے۔اور نہ درگزر کرنے معاف کرنے یا بخشنے کے لئے کوئی لفظ موجود ہے۔رہ گئے آیت کے اندر آئے ہوئے الفاظ ان کی ذمہ داری ہمارے سر ہے ان میں وہ مطلب نہیں ہے جو ان علماء کے سر میں بھرا ہوا خود ساختہ عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم خدا کے خلاف (معاذ اللہ) نافرمانی کا گناہ یا ترک اولیٰ کیا تھا۔اور اس لئے کہ انہوں نے گویا ان علما کی زبان میں ہاتھ جوڑ کر، ناک زمین پر رگڑ کر معافی طلب کی اور اللہ نے درگزر یا معافی دے دی۔یہ تصور اس لئے بھی غلط و باطل ہے کہ قصور، خطا، گناہ یا غلطی کے بعد محض معافی مانگ لینا یا بقول ان علما کے توبہ کر لینا کافی تھا تو کلمات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔پھر ہم چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے نہ غلطی ہوئی نہ ترک اولیٰ سرزد ہوا اس لئے کہ نہ تو قرآن سے ثابت ہے نہ انبیاءؑ سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ ہمیں یا قارئین کو وہ حکم دکھایا جائے جس کی آدمؑ نے خلاف ورزی کی تھی؟ وَلَا تَقْرَبَا کے معنی لَا تَاْکُلَا نہیں ہیں۔بات قرآن سے ہوگی ذاتی تصورات و خود ساختہ تفہیمات سے نہیں۔اس آیۂ مبارکہ (2/37) میں دو الفاظ قابل غور ہیں اوّل ''فَتَلَقّٰی'' دوم ''تَابَ'' تاب کے معنی اصلاح کے لئے پلٹ کر آنا اور کام کو وہیں سے شروع کرنا جہاں سے اصلاح کی ضرورت سامنے آئی ہے۔چنانچہ اس آیت میں لفظ یا فعل تاب کا فاعل آدمؑ نہیں بلکہ اللہ

ہے۔ اگر علماء اس لفظ کے اردو والے معنی توبہ کرنا۔ ہاتھ جوڑنا وغیرہ کرنا چاہئیں تو یہ کام آدمؑ نے نہیں بلکہ اللہ نے کیا ہے آدمؑ نے جو کچھ بھی اس آیت میں کیا ہے اس کا تعلق لفظ فتلقّٰی سے ہے اور اس لفظ کی بنیاد یا (مادہ) ل۔ق۔ی ہے اور اس مادہ میں ملاقات، ملنا، آمنے سامنے رُو در رُو ہونا، کسی چیز کو کسی کے سامنے پیش کرنا لازمی معنی ہیں۔ چنانچہ آیت (2/37) کا ترجمہ یہ ہوگا کہ:

''چنانچہ آدمؑ نے اپنے رب کے کلمات سے ملاقات کی (یا کلمات کے سامنے پیش ہوئے) تو اللہ نے ان (آدمؑ) کی راہنمائی و اصلاح کی طرف توجہ دی اللہ بیشک سب سے زیادہ راہنمائی اور اصلاح کے لئے متوجہ ہونے والا رحیم ہے''

بات ختم ہوگئی اور واضح ہو گیا کہ مترجمین نے بریکٹوں کی مار دے کر اللہ تعالیٰ کی اصلاح کی کوشش کی اور قاری کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد و منشاء وہی ہے جو انہوں نے بریکٹوں کے ذریعہ بتانا چاہا، جب کہ آیت میں کہیں گناہ و غلطی و ترک اولیٰ کی بات ہے نہ کچھ سیکھنے یا سکھانے کا موقع ہے نہ کسی اور کہانی یا روایت کی احتیاج ہے۔ کلمات سے ملاقات ہو جانا یا کلمات کے سامنے جناب آدمؑ کا پیش ہو جانا ہی اس بات کی ضمانت تھا کہ آئندہ آدمؑ و بنی آدم کی راہنمائی و اصلاح اور دستگیری کے لئے اللہ ذمہ داری قبول کر لے۔

کلمات خداوندی کے متعلق مولویانہ تصور مودودی کے قلم سے

علامہ نے تو لکھ دیا کہ:

(1) ''آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا'' مگر علامہ کو یہ بتانا چاہئے تھا کہ وہ ''کلمات'' کیا تھے؟ جن سے توبہ قبول ہونے میں دیر نہ لگی

اور یہی نہیں کہ (معاذ اللہ) قصور و غلطی و گناہ معاف کر دیا بلکہ اللہ نے ان کو اسی وقت مجتبیٰ و مصطفیٰ بھی بنا دیا تھا (طٰہٰ 20/122، اور عمران 3/33) اور اس کے بعد زمین پر بھیجا تھا (طٰہٰ 20/123)۔

(2) علامہ نے یہ بھی مانا ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو کَلِمٰتٍ سے آزمایا اور نتیجہ میں ابراہیمؑ کو درجہ امامت پر فائز کر دیا گیا تھا۔ لیکن کلمات سے وہ مشکلات مراد لی ہیں جو انہیں ان کی زندگی میں پیش آئیں۔ حالانکہ اللہ نے کہیں ان مشکلات کو کلمات قرار نہیں دیا۔ بلکہ ان کی پوری سرگزشت بیان کی ہے۔ اور اسی قسم کی دقتیں، مصائب و مشکلات تمام انبیاءؑ کو پیش آئے ہیں کیا ان سب کو اس نے امامت کا درجہ دیا تھا؟ یہاں علامہ نے آیت (2/124) کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ سنئے:

علامہ کا ترجمہ:

''یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے ''چند باتوں میں آزمایا'' اور وہ سب میں پورا اتر گیا۔ تو اس نے کہا ''میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں''۔

(سورہ بقرہ 124) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 110)

یہاں ہمیں صرف لفظ کلمات کے متعلق توجہ دلانا ہے اللہ نے فرمایا کہ ''فَاَتَمَّهُنَّ'' اور علامہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ:۔

علامہ کا ترجمہ۔ ''وہ ان سب میں پورا اتر گیا'' حالانکہ اللہ نے یہ کہا تھا کہ:

رفیع الدین کا ترجمہ: ''پس پورا کیا ان کو'' یعنی خود ابراہیمؑ پورے نہیں اُترے بلکہ کلمات کو مکمل کیا۔ یعنی ابراہیمؑ کے امتحان میں تمام ''کلمات'' نہ تھے بلکہ چند کلمات (بِکَلِمٰتٍ) تھے۔ ابراہیمؑ کی آزمائش یہ تھی کہ وہ کلمات کی تعداد میں کمی کو محسوس کر کے ان کی پوری تعداد

بتائیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام کَلِمٰتٍ پورے پورے بتادیئے (اَتَمَّھُنَّ) جیسے حضرت آدمؑ نے تمام اسماء کے مسمّٰی بتادیئے تھے (بقرہ 33-2/32) اور یہاں بھی ان ہی کلماؑت کے نام بتائے گئے تھے۔ اور ان ہی کلماؑت سے ملاقات کی بنا پر مجتبیٰ و مصطفیٰ بنائے گئے تھے۔ بہر حال علامہ کلمات کے متعلق یہ بھی مانتے ہیں کہ:

(3)۔"باتوں" (کلمات) سے مراد اس کے کام اور کمالات اور عجائب قدرت وحکمت ہیں" (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 50 حاشیہ نمبر 80) اور

(4) اللہ کی باتوں (کَلِمٰتٍ) سے مراد ہیں اس کے تخلیقی کام اور اس کی قدرت وحکمت کے کرشمے" (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 23۔ حاشیہ نمبر 48) قارئین غور فرمائیں کہ علامہ نے ترجمہ تو کلمات کا "باتوں" کیا لیکن یہاں باتوں کو اللہ کے کام مان لیا۔ اور کام بھی وہ جو قدرت وکمال وعجائبات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھیں تاکہ حقیقی کلمات صلواۃ اللہ علیہم تک رسائی میں سہولت ہو جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

کلماتؑ، الفاظ یا باتیں نہیں اور کام بھی نہیں بلکہ چند معززترین بزرگ ہستیاں ہیں:

علامہ کی زبانی سنئے "اور جب فرشتوں نے کہا "اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک فرمان (کلمۃ کا ترجمہ فرمان کیا ہے) کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیحؑ عیسیٰؑ ابن مریمؑ ہوگا۔ دنیا وآخرت میں معزز ہوگا۔ اللہ کے مقربؑ بندوں میں شمار کیا جائے گا۔ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا۔ اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی" (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 251، عمران 3/45 اور 3/46) قارئین کو علامہ کی سینکڑوں ہیرا پھیریوں کے باوجود یہ معلوم ہو گیا کہ بہت سے کلمات میں سے ایک کلمہ کا نام "عیسیٰؑ مسیح ابن مریم" علیہما السلام بھی ہے۔ اور وہ بھی باقی کلمات کے ساتھ مقرب بندوں میں شمار ہوگا۔ یعنی باقی کلمات بھی نہ باتیں ہیں نہ کام ہیں

اور نہ فرمودات ہیں بلکہ مقرب بارگاہ خداوندی بندے ہیں۔اور یہ کہ وہ بندے بھی کم از کم اندھوں کو بینائی عطا کرنے والے، مُردوں کو زندگی بخشنے والے، علم غیب کی اطلاع دینے والے کوڑھیوں کو تندرست کر دینے والے اور ہر زمانہ اور ہر عمر میں بولنے والے اور مجسم معجزات ہیں۔

کلماتؑ کے تعارف میں مرحلہ وار ایک اور قدم بڑھا کر محمدؐ و آل محمدؐ کی طرف آیئے۔

اب قارئین یہ دیکھیں کہ اللہ نے کس حسن و احتیاط کے ساتھ حقیقی کلمات صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کی طرف راہنمائی کی ہے۔ارشاد خداوندی یہ ہے کہ۔

''اور ابراہیمؑ نے اپنے عقیدہ کو ایک باقی رہنے والے کلمہ کی صورت میں اپنے بعد اپنے خاندان میں چھوڑا تھا۔چنانچہ ان قریشی لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو اس سے نفع اندوزی کرنے کا ہم نے کافی موقع دیا یہاں تک کہ ان کے پاس مکمل حق اور مشہور و معروف رسولؐ پہنچ گیا'' (زخرف 43/28-29) آپ یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد میں ایک مسلسل قائم رہنے والی مسلم اُمت کی دعا کی تھی (بقرہ 2/128) اور اسی اُمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی (2/129) اور یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ میرے لئے آخری زمانہ والوں میں ایک راست گو زبان قائم کر دینا (شعراء 26/84) اور جواب میں اللہ نے فرمایا تھا کہ ہم نے ابراہیمؑ ہی نہیں بلکہ ان کی اولاد کے انبیاءؑ اسحاقؑ و یعقوبؑ کے لئے بھی علیؑ کو راست گو زبان مقرر کیا ہے (مریم 19/51)۔لہٰذا خالص قرآن کے بیانات سے جناب محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ صلواۃ اللہ علیہما کلمات خداوندی ثابت ہو گئے۔اب ان کے صفات و القابات احادیث سے سن کر دیکھیں کہ چودہ سمندر ہی نہیں اور اس دنیا کے تمام درخت ہی نہیں بلکہ اگر ساری

کائنات کی فضائیں اور خشکیاں بھی روشنائی میں تبدیل ہو جائیں اور کائنات کی ہر مخلوق درخت بن کر قلم بن جائیں اور تمام جن وانس وملائکہ منشی اور اہل قلم بن جائیں تب بھی یہ سامان ختم ہو جائے گا۔مگر اللہ کے ایک کلمہ کی صفات وخصوصیات وقدرت احاطہ تحریر میں نہ آ سکے گی۔

حدیث میں کلمۃ اللہ کی پوزیشن مقام محمدیؐ ومصطفویؐ ومرتضویؐ

چنانچہ علمائے اسلام عموماً اور مودودی خصوصاً مانتے ہیں کہ کلمات کی ذیل میں اللہ نے جو فرمایا ہے وہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔سنئے ''یہ مضمون اس سے ذرا مختلف الفاظ میں سورہ کہف آیت 109 میں بھی بیان ہوا ہے۔بظاہر ایک شخص یہ گمان کرے گا کہ شاید اس قول میں مبالغہ کیا گیا ہے۔لیکن اگر آدمی تھوڑا سا غور کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ درحقیقت اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے۔جتنے قلم اس زمین کے درختوں سے بن سکتے ہیں اور جتنی روشنائی زمین کے موجودہ سمندر اور ویسے ہی سات مزید سمندر فراہم کر سکتے ہیں ان سے اللہ کی قدرت وحکمت اور اس کی تخلیق کے سارے کرشمے تو درکنار شاید موجودات عالم کی مکمل فہرست بھی نہیں لکھی جا سکتی۔تنہا اس زمین پر جتنی موجودات پائی جاتی ہیں اسی کا شمار مشکل ہے کجا کہ اس اتھاہ کائنات کی ساری موجودات ضبط تحریر میں لائی جا سکیں''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 23)

کلمات خداوندی میں اللہ کی پوری قدرت

علامہ نے جو کچھ لکھا اور جس دل سے لکھا اور جس مقصد سے لکھا اس سے قطع نظر کر کے اتنا تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ علامہ کے نزدیک بھی اللہ نے اپنی ساری کائنات کی موجودات،اپنی قدرت کی انتہا،اپنے کرشموں اور معجزات وکمالات کو ظاہر کرنے کے لئے

لفظ ''کلمات'' کا استعمال کیا ہے۔قارئین کے سمجھنے میں سہولت کے لئے ہم دو جملے اور لکھنا چاہتے ہیں تا کہ جب ان کے سامنے احادیث کے حیران کن بیانات آئیں تو انہیں بجائے مبالغہ کے حقیقت سمجھنے میں آسانی ہو۔ذرا سوچئے کہ حضرت آدمؑ وحضرت حوا علیہما السلام سے قیامت تک کتنے انسان پیدا ہونگے؟ کیا ان کا شمار آسان ہے؟ پھر کیا یہ سمجھنا کوئی مشکل بات ہے کہ اللہ نے آدمؑ وحوّا میں ساری نوع انسان کو سمیٹ دیا تھا؟ کیا وہ دونوں پوری نوع انسان کی بنیاد نہیں ہیں؟ پھر حوّا کی بنیاد بھی تو خود آدمؑ ہیں اس لئے کہ انہیں حضرت آدمؑ ہی سے وجود بخشا تھا (نساء 4/1) پھر آدمؑ ایک نبی ہیں اور انبیاءؑ بھی کلمہ ہونے کی وجہ سے لفظ ''کلمات'' میں داخل ہیں (عمران 3/45)۔لہٰذا حضرت آدمؑ خود بھی ایک کلمہ ہیں تو کیا اس کلمہ کو بیان کرنے کے لئے ساری نوع انسان اور اس کے تمام متعلقات کا بیان کرنا آسان ہے؟ پھر آدمؑ ہوں یا کوئی اور نبیؑ ہو ان کی بھی تو کوئی بنیاد ہوگی؟ لہٰذا علامہ کی یہ بات صحیح ہے کہ لفظ ''کلمات'' پوری کائنات وتخلیقات وعجائبات ومعجزات اور اللہ کی ساری قدرتوں کے مجموعے کا خلاصہ ہے اب احادیث سنئے اور کلمات کے کرشمے دیکھئے ۔

امام زین العابدؑین کی زبان مبارک سے ''کلمات'' پر آیات وبیانات

امام زین العابدؑین فرماتے ہیں کہ: ''اللہ نے فرمایا ہے کہ (اے محمدؐ) کہہ دو کہ اگر تمام سمندر کلمات اللہ (صلی اللہ علیہم وآلہ) کی تفصیل لکھنے کے لئے روشنائی بن جائیں تو ان کی روشنائی ختم ہو جائے گی لیکن میرے پروردگار کے کلماتؑ کی تعریف ختم نہ ہو سکے گی۔ بلکہ اگر ہم اتنی ہی روشنائی اور فراہم کر دیں تو وہ بھی کلماتؑ اللہ کی توصیف وتعریف وتفصیل کے لئے کافی نہ ہوگی''۔ پھر یہ آیت بھی تلاوت فرمائی کہ زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور زمین کے

تمام سمندر روشنائی بن جائیں اور مزید سات سمندر مل کر سیاہی فراہم کریں تب بھی کلمات خداوندی کی تفصیل ختم نہ ہوگی ۔ بے شبہ اللہ اسی وجہ سے تو ہر حالت میں غالب حکمت والا ہے۔اے جابرؓ اللہ کی یگانگت اور اس معنی کی معرفت کے متعلق یہ سمجھ لو کہ اللہ کی ذات اور اس کی معرفت اس کی قدامت اور غیبت میں اس طرح ہے کہ وہ وہی ذات ہے کہ ''تمام آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ ہر آنکھ کا ادراک رکھتا ہے''۔اور یہ کہ اس کو مثالوں سے بھی نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔حالانکہ وہ سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے۔اور وہ غائب اور پوشیدہ ہے لہٰذا ادراک کر سکتا ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی صفات میں فرمایا ہے رہ گئے توحید اور اس کی معرفت کے معنی و مطالب ! چنانچہ اس کی توحید و یگانگت اور معرفت کے معنی و مفاہیم ہم خود ہیں اور ہمیں تمہارے درمیان ظاہر کر کے دکھا دیا گیا ہے ۔اللہ نے ہمیں اپنی ذات کے نور سے اختیار کیا ہے اور ہمیں اپنے بندوں کے امور سونپ دیئے ہیں ۔چنانچہ ہم جو چاہتے ہیں اس کی اجازت سے کرتے ہیں اور جب ہم چاہتے ہیں تو اللہ چاہتا ہے اور ہم جب ارادہ کرتے ہیں تو اللہ ارادہ کرتا ہے (یعنی ہم اس کے ارادہ اور منشاء کے ماتحت رہتے ہیں) اور ایسے تمام مقامات پر اللہ کی نمائندگی بجالاتے ہیں۔اس نے ہمیں اپنے تمام بندوں میں سے انتخاب کر کے مصطفیٰ بنایا اور اپنی تمام آبادیوں میں اپنی حجت قرار دیا ہے۔ اور جو کوئی ان مذکورہ مقامات کا انکار کرے یا ان میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو یا کسی منزلت کی تردید کرے تو وہ براہ راست اللہ کی تردید کرنے والا ہے اور اس کی واضح آیات پر پردہ ڈالنے والا ہے اور اس کے نبیوںؑ اور رسولوں کی پوزیشن کو

چھپانے والا ہے اور اے جابر جو کوئی اللہ کی معرفت مذکورہ صفات کے ساتھ حاصل کر لے تو اس نے توحید کو ثابت کر دیا۔ اس لئے کہ یہی وہ صفات ہیں جو نازل شدہ کتاب کے مطابق ہیں اور اس کا وہی قول ہے کہ ''اسے آنکھوں سے پایا نہیں جا سکتا اور وہ آنکھوں کو پاتا اور دیکھتا ہے۔ اس کی مثال کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی اور یہ کہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا بھی ہے'' (21/23) اور اسی نے فرمایا ہے کہ ''کوئی بھی اس کے کسی فعل پر جواب طلب نہیں کر سکتا اور لیکن باقی تمام قابل باز پرس ہیں''۔ (حدیث مسلسل جاری ہے)

کلماتؑ خداوندی کی دوسری جھلک

جناب سلمانِ محمدیؐ رضی اللہ عنہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ: ''میں زمین کی راہوں اور طریقوں کی بہ نسبت آسمانی راستوں اور طریقوں کی زیادہ معرفت رکھتا ہوں۔ ہم وہ نام ہیں جسے اللہ نے اپنے علمی خزانے اور راز و رموز کی کان میں رکھا ہوا ہے۔ اور ہم اللہ کے وہ حسین نام ہیں جن کا اس نے قرآن میں چار جگہ ذکر کیا ہے اور جن کے وسیلے سے دعائیں مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور ہم وہ اسمائے گرامی ہیں جو عرش پر لکھے ہوئے چلے آ رہے ہیں اور ہمارے ہی لئے اللہ نے آسمانوں اور زمینوں اور عرش اور کرسی اور جنت و جہنم پیدا کئے تھے۔ ہم ہی سے ملائکہ نے تسبیح کرنا، اللہ کو مقدس کر کے پیش کرنا اور کلمۂ توحید و تہلیل و تکبیر کرنا سیکھا ہم ہی وہ کلماتؑ ہیں جن سے آدمؑ کی ملاقات کرائی گئی تھی اور ان کی ہدایت کاری اور اصلاح حال کی ذمہ داری لی گئی تھی''

کلمات خداوندی کی تیسری جھلک

جناب طارق بن شھاب رضی اللہ، حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: ''حضورؐ نے فرمایا کہ اے طارق امامؑ ہی اللہ کا کلمہؐ ہے وہی اللہ کی حجت ہے اور وہی وجہ اللہ یا اللہ کی توجہ ہوتا ہے وہی اللہ کا نور ہوتا ہے وہی اللہ کے لئے پردہ ہوتا ہے اس کو اللہ کی آیت یا معجزہ کہتے ہیں اللہ نے اسے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اس کے لئے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور وہی سبب ہے کہ امامؑ کی اطاعت وولایت وحکومت کو اپنی تمام مخلوقات پر واجب کر دیتا ہے پس امامؑ ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم ہے اس کی حکومت آسمانوں پر بھی اور زمین پر بھی ہوتی ہے اور اسی حکومت واطاعت کے لئے اس نے اپنے تمام بندوں سے عہد لے رکھا ہے۔ چنانچہ جو کوئی امامؑ پر تقدم حاصل کر کے خود کو امام بنا لے تو اس نے عرش کی بلندیوں پر اللہ سے کفر کیا اور وہ کافر ہے۔ چنانچہ امامؑ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور امامؑ اسی وقت چاہتا ہے جب پہلے اللہ چاہے اور اللہ امامؑ کے بازو پر لکھ دیتا ہے کہ تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا ہے۔ چنانچہ امامؑ ہی مجسم صدق وعدل ہوتا ہے اور اللہ امامؑ کے لئے ایک نور کا ستون بلند کر دیتا ہے جو زمین سے لے کر آسمانوں کی پنہائیوں میں سے گزرتا ہے اور امامؑ اس نوری ستون میں تمام بندگان خدا کے اعمال دیکھتا رہتا ہے اور ضمیروں کے احوال اور واردات کو جانتا ہے اور غیب پر مطلع رہتا ہے اور متصرف علی الاطلاق ہوتا ہے اور مشارق ومغارب کے درمیان سب کچھ دیکھتا ہے۔ چنانچہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی نہ کائنات کے اندر نہ ملکوت کے اندر''

یہ حدیث بہت طویل و مفصل ہے اور اس میں کوئی ایسی صفت نہیں ہے جو امامؑ کے لئے ثابت نہ ہوگئی ہو۔ اسی میں فرمایا ہے کہ ''وہی اللہ کا بلند رہتے جانے والا کلمہ ہیں اور یہ کہ: اور وہ تمام موجودات کی بنیاد ہیں اللہ کی قدرت اور اس کی مشیت وہی ہیں اور وہی اُم الکتاب یعنی کتاب کی بنیاد ہیں اور وہی کتاب کا مجسم خاتمہ ہیں۔ (کتاب العوالم فضائل آل محمدؐ)

اور یہ جملہ بھی جناب علی مرتضیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام نے فرمایا تھا کہ:

''میں ہی وہ ہستی ہوں جس نے اللہ کے حکم سے تمام ارواح سے روز ازل عہد لیا تھا۔ اور میں ہی وہ ندا کرنے والا ہوں جس نے سب سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور میں مسلسل اللہ کی مخلوقات کے اندر ایک بولتا ہوا اللہ کا کلمہ رہا ہوں'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''میں ہی اللہ کا چہرہ یا وجہ ہوں میں ہی اللہ کا پہلو ہوں میں اللہ کا ہاتھ ہوں میں اللہ کی آنکھیں ہوں۔ میں بولتا ہوا قرآن ہوں۔ میں سچ نکلنے والی دلیل ہوں میں ہی لوح محفوظ ہوں۔ میں ہی بلند مرتبہ قلم ہوں میں ہی الم والی کتاب ہوں میں ہی کھیعص ہوں میں ہی طٰہٰ ہوں''

اور یوں بھی واضح کیا کہ:

''میں ہی اللہ کا وہ کلمہ ہوں جو منتشر اجزاء کو ایک صورت میں مجتمع اور موثر کرتا ہے اور مجتمع اجزاء اور صورتوں کو بکھیر کر متفرق کر دیتا ہے۔ اور میں ہی اللہ کے حسن انگیز ناموں کا مجموعہ ہوں اور اللہ کی بزرگ ترین مثالیں ہوں اور میں ہی اللہ کی بڑی آیات ہوں اور میں ہی جنت کا مالک ہوں اور میں جنت کے حقداروں کو جنت میں بساؤں گا اور میں ہی جہنم کا مالک ہوں اور جہنم کمانے والوں کو جہنم میں جھونک دوں گا''

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰیO(93/7)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: ''اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی''

ترجمہ سید محمد احسن زیدی ''روزِ روشن کی قسم ہے۔اور قسم ہے رات کی جب وہ سکون پیدا کر دیتی ہے کہ۔ نہ تو تمہارے پروردگار نے تمہیں وداع کر کے بے سہارا چھوڑ دیا ہے اور نہ ہی وہ تم سے خفا ہوا ہے۔اور بات درحقیقت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالضُّحٰیO وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰیO مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰیO وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰیO وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰیO اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰیO وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰیO وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰیO فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡھَرۡO وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡھَرۡO وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡO (سورہ الضحیٰ، آیات 1-11)

یہ ہے کہ آپ کیلئے دنیا کی اوّل زندگی سے آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی اسکیم ہے۔اور ضروری ہو گیا ہے کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں وہ۔۔کچھ دے گا؟ چنانچہ تو راضی اور خوش ہو جائے گا۔ذرا سوچو کہ کیا ہم نے تمہیں یتیم و بے سہارا نہ پایا تھا؟ چنانچہ تمہیں یتیمی اور بے چارگی سے محفوظ رکھنے والی پناہ عطا کی اور تجھے گم راہ پایا تھا چنانچہ تمہاری راہنمائی کی۔تمہیں ذمہ داریوں میں گھرا ہوا دیکھا تو مستغنی کر دیا۔چنانچہ اے رسولؐ اب تم یتیموں پر زبردستی نہ ہونے دینا۔اور ہر سائل اور ضرورت مند کو جھڑکیوں سے محفوظ کرنا۔اور اپنے پروردگار کی مذکورہ نعمت وانعام کی حدیث بیان کرتے رہو۔'' (93/1-11)

حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ حضرت محمدؐ مصطفیٰ تک اسلام کو قسط وار نافذ ہو کر تکمیل

دینِ اسلام کی سند مل گئی۔ اس دوران ہر نبیؑ کو مخالفت و مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ابلیس اور اس کے کارندوں نے تا حال دین اسلام کو غالب نہ ہونے دیا۔ انبیاءؑ و رُسلؑ کی امتوں نے اپنے انبیاءؑ و رسلؑ سے دشمنی جاری رکھی۔ اللہ نے مشیت کو پروان چڑھانے کے لئے یہ دشمنی منظور کر لی تھی اور انہیں آزاد چھوڑ دیا تھا۔ اور فرمایا گیا کہ:

''اور ہم نے تمام نبیوں کے مقابلہ میں انسانی شیاطین اور جناتی شیاطین کو ان کے دشمنوں کی حیثیت سے برقرار رکھا ہے جو کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے مرشد ابلیس کے نظامِ وحی سے رابطہ رکھتے ہیں اور مغالطہ آمیز مکمل نظام پیش کرتے ہیں اور اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو یہ لوگ نہ انبیاؑ سے دشمنی کر سکتے تھے نہ وحی سے آپس میں رابطہ رکھ سکتے تھے۔ بہر حال آپؐ ان میں اور ان کی ایجادات میں تضاد پیدا کر دیں'' (6/112)۔ نبیؐ کریم کے زمانہ میں بھی قوم کو قطعی طور پر آزاد رکھا گیا تا کہ وہ حکومت الٰہیہ کے خلاف جو نظامِ حکومت اختیار کرنا چاہے کر لے (6/113)۔ رسولؐ اللہ نے اسی اپنی دشمن قوم کی شکایت کی تھی جسے قرآن کریم نے اس طرح ریکارڈ کیا کہ: ''اَے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کر دیا ہے'' (25/30) اور اللہ نے جواب دیا تھا ''اسی طرح ہم نے ہر نبیؑ کے لئے مجرم لوگوں کو دشمن بنائے رکھا ہے لہٰذا آپ بھی نبیؐ ہیں اور یہ قوم آپ کی دشمن ہے مگر تیرا پروردگار تیری ہدایت و نصرت کے لئے کافی ہے'' (25/31)۔

یہ ہدایت و نصرت کا سلسلہ بذریعہ عالین معصومینؑ حضرات تمام انبیاءؑ کرام کے لئے جاری رہا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''میں نے تمام انبیاءؑ کی نصرت مخفی طور پر کی اور نبیؐ اکرم حضرت محمدؐ مصطفیٰ کی نصرت ظاہر بظاہر اعلانیہ طور پر کی''

حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور ان کی ذریت میں نبوت و

امامت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت اسحاقؑ اور ان کی اولاد میں نبوت چلی جسے قرآن میں اُمت قائمہ کا نام دیا گیا ہے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں امامت چلی جسے اُمت مسلمہ کہا گیا ہے۔ نور محمدؐ و علیؑ اِسی امت مسلمہ میں سفر کرتا ہوا حضرت عبدالمطلبؑ تک پہنچا اور یہاں سے دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حضرت عبداللہؑ کی پیشانی میں ودیعت کیا گیا اور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں ظاہر ہوا اور نور کا دوسرا حصہ حضرت ابوطالبؑ کے ذریعہ سے امامت مطلقہ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ظاہر ہوا۔ امت قائمہ کے لئے حکم تھا کہ وہ امت مسلمہ کی پیروی اور اطاعت میں رہیں اور ان دونوں امتوں میں رابطہ اور وسیلہ کے لئے در پردہ تیسری اُمت موجود رہی ہے جسے قرآن میں امت وسطیٰ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ عالین و معصومین حضرات اُمت وسطیٰ کی حیثیت سے دونوں امتوں یعنی امت قائمہ اور امت مسلمہ کی در پردہ اور کبھی ظاہر بظاہر ہدایت و نصرت کرنے پر مامور رہتے چلے آئے ہیں۔

نبوت کے خلاف مزاحمت اور رسولؐ اللہ کو ''ضال'' کرنے کی کوششیں

اعلانِ نبوت کے زمانہ میں یہودیوں کے زیر اثر بگڑے ہوئے مسلمان، قریش اور ان کے لیڈروں کی مخالفت کی بنیادی وجہ حسد، ہوس اقتدار تھا۔ اور اپنے ہزار سالہ تمدن و قومی و ملکی ڈھانچہ مادر پدر آزاد مشرک معاشرہ کو خطرہ میں دیکھ رہے تھے۔ جس کی گواہی قرآن کریم ان الفاظ میں دے رہا ہے کہ:

''کیا اُن لوگوں کو اُن عطیات پر حسد ہوتا رہا ہے جو اللہ نے اپنے فضل سے ابراہیمؑ کی آلؑ کو عطا کیا ہے۔ یقیناً ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمۃ دی اور انہیں عظیم ترین حکومت کا مالک بنا رکھا ہے۔ چنانچہ حاسدوں میں سے بعض لوگ تو حسد

کر کے مخالفت کر رہے ہیں اور بعض حسد میں بظاہر ایمان لے آئے ہیں اور مخالفوں اور حاسدوں کے لئے بھڑکتا ہوا جہنم بہت کافی ہے'' (4/54-55)

آل ابراہیمؑ کی عظیم الشان حکومت جو عربوں پر چھائی ہوئی ہے مکی و مدنی مخالف محاذ حسد کی بنا پر مخالفت کر رہا ہے اور اب آل محمدؐ کی تحویل میں قرآن اور مکمل حکمت دی جا چکی ہے۔ انہیں خوف ہے کہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی اولاد میں اڑھائی ہزار سال سے چلی آنے والی نبطی و غسانی حکومت اپنے بزرگ نبیؐ محمدؐ کے ساتھ مل کر انہیں اپنی رعایا نہ بنالے اس لئے یہ دشمن گروہ دوھرا محاذ بنائے ہوئے ہے کچھ تو ایمان کی نقاب پہن کر مارِ آستین بن گئے ہیں اور داخلی تخریب میں مصروف ہیں۔ اور کچھ کھلے میدان میں مخالفت کا جھنڈا بلند کئے ہوئے ہیں آل ابراہیمؑ کی عظیم الشان حکومت کا بادشاہ اُس وقت جبلہ تھے۔ اس حکومت اور قوم کو اور اس کے دینی قوانین کو ''ملت ابراہیمؑ'' کے نام سے قرآن میں پکارا گیا ہے اور دوسری طرف اُمت مسلمہ کے سربراہوں بنو ہاشمؑ حضرت ابوطالبؑ کے پاس خانہ کعبہ کی کلید برداری اور سربراہی تھی۔

مزاحمت اور ضال کرنے کے چند واقعات

(i) **قومی پیش کش**: اعلانِ نبوت سن کر لیڈران قریش نے ایک قومی پیشکش بذریعہ حضرت ابوطالبؑ کی تھی کہ آپؐ دعویٰ نبوت سے باز آجائیں ہم آپؐ کو دولت، اقتدار اور رشتہ کے لئے بیٹیاں دینے کو تیار ہیں۔ آنحضرتؐ نے ٹھکرا دیا اور فرمایا میرے ایک ہاتھ پر سورج رکھا جائے اور دوسرے پر چاند، تب بھی میں عہدہ نبوت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ (تمام تواریخ)

(íí) **غزوات اور جنگیں**: اسلام کی دشمنی میں کھلے عام مخالف محاذ نے بہت ساری

جنگیں مسلط کیں۔غزوات کی تعداد ہی چھبیس یا ستائیس تواریخ میں موجود ہے۔

(iii) **داخلی تخریب**: کفار مکہ اور یہودیوں کے زیر اثر بظاہر ایمان لانے والے گروہ نے نبوت و امامت کا راستہ روکنے کے لئے اور ولایت وحکومت الٰہیہ پر قبضہ کرنے کے لئے مستقل داخلی تخریب جاری رکھی۔اللہ نے اس گروہ کا کردار قرآن میں ریکارڈ کر دیا ہے۔

(الف) **خفیہ منصوبے**: یہ گروہ اسلام کے خلاف چھُپ چھُپ کر خفیہ منصوبے بناتے رہے وہ زیر زمین کام کرنے والے لیڈرانِ قوم لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن وہ کسی صورت اللہ کے انتظام سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔اللہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ مخصوص طریقے پر رات کے اندھیروں میں خفیہ مشورے اور میٹنگ کرتے ہیں اور اللہ کے مقاصد کے خلاف ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں اور اللہ ان کے تمام اعمال کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔(4/108)

(ب) **دنیادارانہ اسلامی منصوبے**: یہ داخلی تخریب کار گروہ رسوؐل اللہ کو اسلامی تعلیمات کے خلاف دنیادارانہ منصوبوں کو اسلامی جامہ پہنانے کی طرف مسلسل مائل وقائل کرتا رہا: قرآن بتا رہا ہے کہ:

''ارے ہاں تم وہی لوگ تو ہو جنہوں نے اس قوم کی طرف سے ان کے دنیادارانہ اسلامی منصوبے کو حق ثابت کرنے کے لئے بحث ومجادلہ جاری رکھا مگر یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے روز ان کی وکالت تم میں سے کون کرے گا''(4/109)اس گروہ کے سربراہ کے متعلق فرمایا کہ ''اور ان مومنین میں سے جو شخص خاص طور پر زیر نظر ہے جس کی وہ تقریریں تعجب کی حد تک آپؐ کو پسند آتی ہیں جو وہ فلسفہ ءِحیاتِ دنیا پر کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے قلبی خلوص پر اللہ کو گواہ بنایا کرتا ہے اور وہی تو ہے جو بحث اور مناظرہ میں غالب رہا کرتا ہے''(2/204)

ان کے خفیہ منصوبوں کی پول کھولتے ہوئے فرمایا کہ ''اللہ نے تائید اور نصرت کا اپنا وعدہ تو اس وقت پوار کر دیا تھا جب تم اللہ کے انتظام کے ماتحت ان لوگوں پر اپنی شدید برتری محسوس کرار ہے تھے یہاں تک کہ عین اسی وقت کفار کی اطاعت کی وجہ سے تم لوگوں نے بڑی شرمناک ناکامی کے لئے مرکزی اختیارات واحکام کا تنازعہ کھڑا کر دیا اور نافرمانی پر تل گئے اور اپنی محبوب صورت حال سامنے دیکھتے ہی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ تم میں سے دنیادار مومنین لوٹ میں لگ گئے اور جو گروہ عاقبت اور آخرت کو ترجیح دیتا تھا وہ اپنی جان پر کھیل کر جنگ کرتا رہا۔ چنانچہ تمہیں میدان جنگ چھوڑ کر چل دینے میں لگا دیا تا کہ تمہیں آزمائش کے چکر میں ڈال دیں اور اسی طرح یقیناً تمہیں نظر انداز کر دیا اور اللہ تو حقیقی مومنین کے لئے فضل وکرم کرنے والا ہے'' (3/152)

''جب تم بھاگے چلے جار ہے تھے اور اندھا دھند پہاڑ کے گھماؤ اور چڑھائی کے پیچ وخم پر بھی کسی کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ اور رسولؐ اللہ تمہیں اپنی نصرت کے لئے تمہارے پیچھے سے پکار رہے تھے۔ بہر حال میدانِ جنگ سے بھاگنے اور رسولؐ کو موت کے منہ میں ڈھکیلنے کے نتیجے میں کامیابی کی جگہ تمہیں اتنے تہہ در تہہ غم پہنچے کہ تم کو جو کچھ کھویا یا جو کچھ تم پر گزرا تھا اس پر حزن وملال کا موقع ہی نہ ملا اور سمجھ لو کہ اللہ تمہاری تخریب کاری سے قطعاً خبر دار ہے'' (3/154)

(ج) معنی خیز اشارے:

تخریب کی غرض سے اس گروہ کے لوگ حضورؐ کی محفل میں ہمیشہ موجود رہتے تھے تا کہ رسولؐ اللہ کی تعلیمات کے خلاف منصوبہ بندی کی جا سکے۔ ان کی حرکات وسکنات نوٹ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان مومنین میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھانپ تو نہیں لیا گیا؟ اور اس کے بعد ایک ایک دو دو کر کے کھسک جاتے ہیں اللہ نے تو ان کے دلوں ہی کو حق شناسی سے کھسکا رکھا ہے اور یہ اس لئے کہ وہ ایک قوم ہیں جن کی فقہ میں تمہارے والا اسلام کھپتا ہی نہیں ہے'' (سورہ التوبہ 9/127)

(د) دوسرا قرآن یا تقاضائے وقت کے ساتھ ساتھ معنوی تبدیلی:

داخلی وخارجی دونوں تخریب کار گروہ کی پیش بندی کے متعلق فرمایا:

''اور اب جب کہ اہل مکہ کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان میں سے جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے انہوں نے رسولؐ سے کہا کہ یا تو آپؐ اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں تو ہم مان لیں گے۔ یا اسی میں معنوی تبدیلی کے اصول کو تسلیم کر لو، اَے رسولؐ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ میرے لئے یہ شایان شان ہی نہیں ہے کہ اس میں اپنے ذاتی علم اور مصلحت وتقاضائے وقت کی بنا پر کوئی تبدیلی کروں اس لئے کہ میں تو جو کچھ مجھ پر اللہ کے احکام نازل ہوتے ہیں اس کی مرسلہ وحی کے علاوہ کسی اور کی پیروی کر ہی نہیں سکتا۔ اور یقیناً میں اللہ کی نافرمانی اور ایک بہت عظیم الشان دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' (10/15)

تلاوت قرآن کے دوران قریشی لیڈر تعلیماتِ قرآن سے یہ سمجھ گئے تھے کہ قرآن پیش کرنے والا خواہ اللہ ہو یا محمدؐ ہو ان تعلیمات کی پشت پر ایک ایسا انقلاب ہے جس سے ان کا قومی وملکی ڈھانچہ اور ہزاروں سال کا تمدن وتہذیب مٹ کر رہ جائیں گے اور جیسی دنیا محمدؐ کے خوابوں میں ہے وہ نہ کبھی پہلے وجود میں آئی ہے نہ آئے گی اس لئے کہ وہ دنیا ان

کے نزدیک محض عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے پیش کرنا ضروری ہے مگر عملاً اسے وجود بخشنا ناممکن ہے۔ان کے اس تصور کو آیات (10/15-17) میں اور آیات (10/7, 10/11) وغیرہ میں ملاقاتِ خداوندی کی امید نہ رکھنے (لَایَرْجُونَ لِقَآءَ نَا) سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ ہمارے نظامِ حیات کو نا قابل حصول سمجھتے ہیں۔ بہرحال قریشی دانشوروں نے ایک عملی اور قابل حصول دنیا اور انتہائی منشائے خداوندی حاصل کرنے کے لئے رسوؐل اللہ کو مشورہ دیا اور یہ چاہا کہ رسوؐل اللہ اس طریقہ تفہیم کو سمجھ کر اختیار کرلیں جو ان سے قبل کی اُمتوں میں قابل عمل رہتا چلا آیا تھا اور آخر جس پر مسلمان رسوؐل کے بعد عمل پیرا رہیں مثلاً قرآن کہتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے بجٹ بنانا اور انہیں دنیاوی مال واسباب دینا لازم ہے جو ابھی اسلام کی حقانیت یا لقائے خداوندی کی معرفت نہیں رکھتے جنہیں قرآن ''مولفۃ القلوب'' (سورہ توبہ 9/60) کہتا ہے قریشی دانشوروں کا یہ کہنا کہ یا تو اس قسم کے احکام والا قرآن پیش کرنے کے بجائے ایسا قرآن پیش کرو جس میں پکی اور نا قابلِ تبدیل باتیں سرے سے نہ ہوں اور اگر یہ قرآن تم خود نہیں بنا رہے ہو اور تبدیل کر کے دوسرا قرآن تیار نہیں کر سکتے تو جو احکام مستقل نہ ہوں ان کو تقاضائے وقت کے ساتھ بدلتے جانے کا اصولی اعلان کر دو یعنی مولفۃ القلوب والی آیت میں ایک معنوی تبدیلی مان لو کہ:

''جب اسلام طاقتور ہو جائے گا'' تو مولفۃ القلوب کا حصہ عملاً ساقط ہو جائے گا مگر تحریراً قرآن میں لکھا رہے گا اور جب ضرورت ہوگی پھر نافذ کر دیا جائے گا اسی طرح خمس کا حکم (اور سینکڑوں احکام) میری وفات کے بعد تبدیل ہو جائے گا۔لیکن اس تجویز کو اللہ نے نامنظور کر دیا اور رسولؐ اللہ سے جو جواب دلوایا۔اس سے ثابت ہوا کہ دانشوران قوم چاہتے تھے کہ:

(1) ''وحی خداوندی کی لفظی ومعنوی سو فیصد پیروی نہ کی جائے بلکہ اس میں:

(2) ذاتی علم وتجربے ومصلحت اور تقاضائے وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصلاح کر لی جایا کرے۔

(3) وہ لوگ ایسا کرنے کو نہ احکام خداوندی کی خلاف ورزی اور گناہ ونافرمانی سمجھتے تھے اور نہ قیامت میں ایسی نافرمانی کو قابل مواخذہ وعذاب سمجھتے تھے۔

مکمل قرآن ایک دم نازل نہ ہونے پر اعتراض

''اور جن لوگوں نے حق کو پوشیدہ رکھنے کی مہم چلا رکھی ہے ان کا اعتراض یہ ہے کہ محمدؐ پر پورا قرآن ایک دم سے کیوں نہ اُتارا گیا؟ وہ اعتراض بجا ہے جواب یہ ہے تاکہ اَے محمدؐ ہم تیرے قلبی خدشہ کو دور کر کے چین واطمینان عطا کریں اس لئے ہم اسے ایک خاص ترتیب اور خاص مقدار میں پیش کرتے ہیں'' (25/32)

وہی گروہ جو ملاقاتِ خداوندی کی امید نہیں رکھتا یہ چاہتا ہے کہ ''سارا قرآن ایک دم اُترنا چاہئے'' انہیں وہ طریقہ پسند نہیں جو اللہ نے شروع کیا ہے۔ اس گروہ کا منشاء یہ تھا کہ:

(1) رسوؐل اللہ کے حافظہ اور دیانت نیز قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا اطمینان ہو جائے یعنی رسوؐل کے لئے یہ موقعہ نہ رہے کہ جیسی ضرورت محسوس کریں دو یا چند جملے آیات کہہ کر قوم کو سناتے چلے جائیں۔

(2) جو کچھ کہیں اور جن الفاظ میں کہیں وہ من وعن وہی ہوں جو اُن کی تحویل والی کتاب میں ہوں۔ اور ضرورت کے وقت وہ جگہ بتا سکیں جہاں وہ آیت یا آیات مکمل کتاب میں مندرج ہوں (یعنی سورۃ نمبر پارہ اور آیت وغیرہ)

(3) در پردہ اپنے ماہرین سے ایک دوسری کتاب تیار کرا لی جائے اور اگر ضرورت پڑے تو

حیات رسوؐل ہی میں دوسری کتاب سے وہ اصلاح شدہ آیات پڑھ دی جائیں جو قومی و ملکی مفاد کی چاشنی سے عوام پسند بنادی جا چکی ہوں۔ اب اگر رسوؐل انکار کرے تو پوری قوم ساتھ دے اور رسوؐل کا بشر ہونا، بھول چوک کا امکان ہونا، جیسے ہتھیاروں سے رسوؐل کو بٹھا دیا جائے، بہک جانے، خاندانی محبت و تعصب میں الجھ جانے اور اللہ کی منشاء کے خلاف زبان کھولنے میں اُس آیت کے ماتحت قتل کر دیا جائے جس میں دہنے ہاتھ سے شہہ رگ کاٹ دینے کا فتویٰ تھا (69/44-46)

آیت (25/32) میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اَے رسوؐل ہم نے یہ عملی طریق نزول اور تلاوت تمہارے اطمینان قلب اور دشمنانِ دین کو ناکام کرنے کے لیئے اختیار کیا ہے یہ انتظام تھا جس کی بنا پر اس گروہ کو قرآن کی عبارت میں یا قرآن کے مفہوم میں تبدیلی کا موقعہ نہ ملا۔ اس لئے کہ تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت عملی حیثیت سے نازل ہونے میں انہیں یہ پتہ نہیں چلنے پایا کہ ان آیات کا باقی سلسلہ کیا ہوگا؟ اور وہ جو کچھ بھی ہوگا کب نازل ہو گا؟ اور جب وہ نازل ہوگا اس وقت تک سابقہ نازل شدہ آیات لوگوں کو یاد ہو چکی ہوں گی جس میں کمی زیادتی یا تبدیلی ناممکن ہوگی اور تبدیلیاں نہ کرسکنا ہی اس گروہ کی ناراضگی کا باعث تھا۔ اس گروہ کے ماہرین تڑپ کر رہ جاتے تھے کہ کل کیا کہا جائے گا؟ ان آیات کے بعد کیا اور کتنا تلاوت کیا جائے گا ان دانشوروں کی دانش کو لڈسٹوریج میں پڑی دوران خون تیز تیز کر رہی تھی۔ ہاتھ مل مل کر اور پوری بصیرت سے اٹھک بیٹھک کر کے منصوبے کی کامیابی پر غور ہو رہا تھا۔

(د) **مکذّب قرآن قوم**: اس قوم نے قرآن کو یکسر اپنی اسکیموں پر فِٹ کر لیا تھا۔ قرآن کے ہر حکم اور ہر مسئلے کو پلٹ کر اپنے خود تراشیدہ اسلام کا محافظ بنالیا تھا اس لئے اللہ نے اس

قوم کو مکذب قرآن ہونے کا مجرم بھی قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا کہ:

''تیری قوم نے قرآن کو مجسمۂ حق ہوتے ہوئے بھی جھٹلا دیا ہے ان سے کہہ دو کہ میں تمہاری وکالت کا ذمہ دار نہیں ہوں'' (6/66)

(ہ) **قرآن سے ہجرت کرنے والی رسولؐ کی دشمن قوم**، آنحضرتؐ اور قرآن کے خلاف مزاحمت، مخالفت اور دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ لیڈران قوم قریش کا قومی تسلط واقتدار خطرے میں تھا۔ انہوں نے حضورؐ سے کئی صورتوں میں مصالحت کرنا چاہی اور ہر صورت میں ان کا **بنیادی مطالبہ اور مقصد یہ تھا کہ انہیں اقتدارِ حکومت میں برابر کا شریک رکھا جائے، قرآنی احکامات نافذ کرتے ہوئے قومی وملکی حالات اور مصلحتوں کو پہلا نمبر دیا جائے اور قومی لیڈروں اور دانشوروں سے مشورہ کرکے ان کی صواب دید کے ماتحت احکامات نافذ کئے جائیں۔** اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پوری قوم نے قرآن سے ہجرت کر لی تھی ۔

جن لیڈروں نے اجتہاد کا جواز چاہا تھا وہ پہلے سے نظام اجتہاد کے خلفا اور سربراہ تھے اور دین خداوندی میں اللہ کے ساتھ برابر کے شریک رہتے چلے آئے تھے اور اب اسی سابقہ خلافت کو رسولؐ کی مدد سے حاصل کرنے کی تاک میں رہتے تھے اس لئے جب ان کی مجتہدانہ تجویز ٹھکرا دی گئی تو اندر ہی اندر اپنی قوم میں رسولؐ کی طرف سے اجتہادی احکام کا پرچار شروع کر دیا اور قوم کو منع کر دیا کہ رسولؐ کی وہی بات اور وہی حکم مانا جائے جو ہماری تفہیم القرآن کے مطابق ہو (مائدہ 5/41) ورنہ ترکیب سے حکم کو ٹال دیا جائے اور تعمیل سے بچ کر رہا جائے اور جب ساری قوم ہم آہنگ ہوگئی تو رسولؐ اللہ نے اللہ سے کہہ دیا کہ میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کر دیا (سورہ الفرقان 25/30)۔

اللہ نے جواباً فرمایا کہ:

''ہم نے مسلسل ہر نبیؑ کے مدمقابل جرائم پیشہ لوگوں کو ان کا دشمن بنائے رکھا ہے اور تیرے معاملے میں تیرا پالنے والا ہدایت اور نصرت کے لئے کافی ہے'' (25/31)

رسوؐل اللہ نے پوری قوم کو اللہ کے سامنے قرآن کو مہجور کرنے اور کوئی دوسرا ضابطہ حیات اختیار کر لینے کا مجرم ٹھہرایا تھا۔ اس بات کو منصوبے کے سربراہ نے ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہ کیا تھا۔ اور رسوؐل اللہ کی پوری زندگی میں اس الزام کا طرح طرح توڑ اور تدارک کرتا رہا۔ آخر وہ وقت آ گیا جس کو لانے کے لئے وہ تمام ہنرمندیاں درجہ کمال تک پہنچا دی تھیں۔ جن پر اوّلین مجتہد کو بھی حسرت ہوتی رہی ہے وہ یہ چاہتا تھا کہ بھرپور انتقام لیا جائے اور وہی جرم عملاً اور اُسی مادہ (ھ۔ج۔ر) اور مصدر سے ان ہی الفاظ میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ یہ بڑا اچھا موقعہ تھا۔ قرآن میں دین مکمل ہونے کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ قرآن تمام رطب و یابس اور ہر شے کے بیان اور تمام اشیاء کی تفصیل کے موجود ہونے کے دعاوی کر چکا تھا (16/89، 17/89، 12/111، 6/36) کہ آنحضرتؐ نے کاغذ، قلم اور دوات طلب فرمائی کہ ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم لوگ ہرگز میری وفات کے بعد گمراہ نہ ہو سکو گے۔ یہ وقت تھا جب فضاؤں میں یہ جملہ گونجا اور آج تک ہمارے کان اُس کو سن رہے ہیں:

''ان الرجل ليهجر ،حسبُنا كتاب الله''

''یقیناً یہ شخص (نہ کہ رسوؐل) کتاب اللہ سے ہجرت کر کے اپنی ذاتی تحریر و تقریر کی پناہ لے رہا ہے اور لیتا رہے گا (مضارع) اور ہم تو روز اوّل سے اس موقف پر قائم ہیں کہ اللہ کی کتاب بالکل ہمارے حسبِ حال ہے''

یعنی وحی ختم ہو چکی۔ نبوت پر مُہر ختم نبوت لگ چکی۔ اس کے بعد محمدؐ (معاذ اللہ) ایک شخص خاص (الرجل) کے علاوہ اور کیا ہے؟ جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں اگر وہ قرآن کی کوئی آیت

ہے تو پڑھ دیں ہمیں یاد ہوگی اور اگر وہ قرآن سے باہر کی بات ہے تو ''تبیاناً لکُل شیءٍ'' کو جھٹلایا جا رہا ہے اور قرآن کی ہمہ گیری کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اگر جلدی سے ''قوموا عنی'' نہ کہہ دیا جاتا تو ہمیں معلوم نہیں کہ تاریخ کا عنوان کیا ہوتا؟ بہرحال تلوار نہ سہی زہر سہی (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(و) قوم کا مکروفریب اور مہلت ملنا:

خیرالماکرین نے بھی موثر چال چلنے کا اعلان فرما دیا۔ ارشاد ہے کہ:

''اور قسم ہے رجعت والے آسمان کی۔ اور حقائق ثابت کرنے والی زمین کی بھی قسم ہے کہ۔ اس مخصوص انسان کے حق میں یہ ایک جچا تُلا اور فیصلہ کُن قول ہے۔ کوئی ہنسی مذاق یا بکواس نہیں۔ یقیناً وہ شخص اور اس کی قوم پوشیدہ مکروفریب کی خاص چال چل رہے ہیں۔ اور اَے رسوؐل میں بھی ان کے ساتھ ایک خفیہ مکروفریب کی چال چلنے والا ہوں۔ تم ان حق پوشوں کو مہلت دے دو اور یہ مہلت ایک خاص مدت تک برقرار رہنا چاہیئے۔'' (86/11-17)

(ز) خلافت الٰہیہ کے خلاف قومی حکومت:

آخر کار قوم اپنے بنیادی مقاصد میں کامیاب ہوگئی اور اللہ نے آزمائش کے لئے اور اپنے کیئے کا مستحق بنانے کے لئے اپنی مشیت کے تحت خلافت دے دی۔

''اے اہل مکہ یقیناً ہم نے تم سے پہلے برسرِعروج قوموں کو اس لئے ہلاک وتباہ کر دیا تھا کہ ان کے پاس بھی ان کے رسوؐل واضح دلائل لے کر آئے تھے مگر انہوں نے جب تعلیمات خداوندی کو بلفظہٖ نافذ نہ کیا (مائدہ 5/45 ظلم کے معنی) اور کسی طرح ایمان نہ لائے تو انہیں اسی طرح سزا دی گئی جیسا کہ ہم جرائم پیشہ قوموں کو دیا کرتے ہیں۔ ان قوموں کے بعد اَے رسوؐل کی قوم کے لوگو! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا تھا تاکہ ہم یہ دیکھ سکیں کہ تم خلیفہ بننے

کے بعد کیسا عمل درآمد کرتے ہو؟'' (10/13-14)

''اللہ وہی ہستی ہے جس نے تمہیں اتمام حجت کے لئے زمین پر خلیفہ بنانا طے کر لیا ہے۔ حالانکہ خلافت کے لئے تم میں سے بعض لوگوں کے درجات ہم نے بہت بلند تر رکھے ہیں۔ مگر خلافت کے معاملہ میں تمہاری آزمائش مطلوب ہے تاکہ اے نبیؐ تیرا پروردگار بہت تیزی کے ساتھ ان خلفاء سے مواخذہ کرنے کے لئے ان کو پکڑے اور سزا دے۔ ورنہ وہ تو یقیناً غفور اور رحیم ہے'' (6/165)

اللہ تعالیٰ اسی قوم کی خلافت کا ذکر کر رہا ہے جو قرآن میں مجتہدانہ مصلحتوں کے، قومی و ملکی ضرورتوں اور تقاضائے وقت کے ماتحت معنوی اصلاح اور تطبیق کا اصول منوانا چاہتی تھی۔ اور یہ کہ جب اس کے قابو میں قومی و ملکی حکومت آجائے گی تو وہ کھل کر مجوزہ ترمیم و تنسیخ کا کاروبار کرے گی لیکن اس میں ردوبدل کی مضبوط بنیاد یں عہد رسولؐ ہی میں رکھ دے گی اور قرآن کو مہجور کرنے کا کام مکمل کر لے گی (25/30) اور اللہ کی طرف سے اس پر دشمن رسولؐ اور مجرم ہونے کا حکم قرآن ہی میں صادر ہو جائے گا (25/31) تاکہ وہ خلافت ملنے سے پہلے ہی از روئے قرآن اپنے سے پہلے والی خلیفہ قوم (یونس 10/13) کی طرح مجرم ہونے کی سند لے لے (25/31)۔

رسولؐ اللہ کے لئے اللہ کا حکم: قارئین آپ کے سامنے مختصراً پسِ منظر رکھ دیا گیا ہے۔ ان حالات و مشیت کے ماتحت اور رحمت للعالمین ہونے کے ناطے اللہ نے آپؐ کو درج ذیل احکامات صادر فرمائے۔ ارشاد ہے کہ:

(1) کمزوری نہ دکھانا، رنج والم برداشت کرنا۔

''اس دشمن قوم (25/30) کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں پیش آمدہ حالات

میں درد والم پہنچا ہے تو یقیناً انہیں بھی رنج والم برداشت کرنا پڑا ہے بالکل اسی طرح جس طرح تمہیں تکلیفیں پہنچی ہیں ۔مگر تم میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ تم اللہ کی جس امید پر (مذکورہ قوم سے 25/30) جنگ کر رہے ہو انہیں اللہ سے وہ امید نہیں ہے اور اللہ ان احکامات کی وجہ اور نتیجہ کو جانتا اور حکمت سے کام لیتا ہے'' (4/104)

اس دشمن قوم اور قومی لیڈروں کی سازشوں اور ناپاک مقاصد کو حقیر نہ سمجھنا، اس قوم سے غافل نہ رہنا، اس کی تلاش اور تعاقب میں سستی اور لاپرواہی نہ برتنا۔محنت کرنے، خطرات میں پڑنے اور تکلیف سہنے کا اثر نہ لینا یعنی انتھک کوشش جاری رکھنا۔

(2) خیانت کار قوم کے لئے جبر کرنے والا وکیل نہ بننا:

دشمن اور خیانت کار قوم کے لئے جبر کرنے والا حافظ و وکیل بننے سے منع فرمایا کہ:

''یقیناً ہم نے یہ حقائق سے لبریز کتاب تمہاری طرف اس لئے بھیجی ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان اسی انداز سے احکام جاری کریں جس طرح اللہ تمہیں دکھاتا جا رہا ہے اور دیکھو اس خیانت کار قوم کی طرف سے وکالت اور جھگڑا کرنے کا ذمہ نہ لو۔اور اللہ سے تحفظ چاہو یقیناً اللہ تحفظ فراہم کرنے والا مہربان ہے ۔اور پھر کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کی طرفداری میں بحث ومناظرہ نہ کریں جو اپنے قلب وذہن میں امانت کے بجائے خیانت پال رہے ہیں ۔ یقیناً اللہ خیانت کاروں اور عادی گناہگاروں کو پسند نہیں کرتا'' (4/105-107)

اللہ نے رسولؐ کی قوم کو پہلے یہ بتایا کہ دیکھو اللہ نے تمہارے سامنے بصیرت انگیز تعلیمات رکھ دی ہیں اور اب تمہیں اختیار ہے کہ آنکھوں والوں کی طرح کام کرو یا اندھوں والا رویہ اختیار کر لو۔لیکن میں اب تمہارے اوپر حفیظ نہیں ہوں ۔حالانکہ بقول جناب ھود علیہ السلام اللہ ہر حال میں اور ہر چیز پر حفیظ ہے (سورہ ھود آیت 57) معلوم ہوا کہ اللہ نے یہ اعلان کیا

ہے کہ میں اس قوم کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالوں گا اور جس طرح مطلقاً حفیظ ہوتے ہوئے اللہ نے اس قوم کو آزاد چھوڑ دیا تھا اسی طرح رسولؐ کو بھی بتایا کہ تم بھی اسی قوم پر حفیظ اور وکیل نہ رہو (6/106-107) ان کے اجتہادات اور تصورات سے بے توجہی برتو۔ ہم اگر جبراً چاہتے تو وہ نظام شرک اختیار ہی نہ کرتے (6/107)۔

(3) احکامات جبراً نافذ نہ کرنا:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

''ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہمارے احکام کے خلاف قول و قرار کر لیا ہے اور آپؐ بھی ان پر جبراً مسلط کرنے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ قرآن سے ان لوگوں کو ہدایت جاری رکھو جو ہمارے عذاب کے وعدوں سے ڈرتے ہوں۔'' (50/45)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ان کے حقیقی، فطری اور قرآنی ورثاء اور جانشینؑ اور احبابؓ و اصحابؓ نے احکامات خداوندی پر لفظ بلفظ عمل کیا، قریش کے قلبی ارادوں، منصوبوں اور قول و قرار سے آگاہ ہوتے ہوئے اللہ نے جبراً تعلیمات و ہدایات متعلقہ حکومتِ الٰہیہ کو جبراً نافذ کرنے سے منع کیا۔ حقیقی مومنین اور ان کے نبیؐ اور امامؑ باز رہے۔ صبر کا حکم دیا عبادت کی تاکید کی، انہوں نے تیروں کی بوچھاڑوں میں نمازیں پڑھیں، سجدوں میں سر کٹائے اور اُمت کی نجات اور معافی کی دعائیں کیں۔ تمام سجدہ کرنے والوں کے سردار کہلائے۔ ایسی نمازیں پڑھیں کہ اللہ اور بندوں کو اور خود نماز کو انؑ پر فخر ہے۔ قرآن سے تذکیر کا حکم تھا۔ ساری عمر تبلیغ و تعلیمِ قرآن میں صَرف کر دی اور انؑ کے سروں نے نیزوں پر بلند ہونے کے بعد بھی تلاوت قرآن ترک نہ کی۔ حکومت الٰہیہ کا تصور و تعلیم عام کی۔ لیکن اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے کبھی نہ طاقت جمع کی نہ استعمال کی۔

اپنے پیرووٴں کو دفاع کی اجازت دی لیکن خود کبھی کوئی دفاعی اسکیم نہ بنائی۔ اپنے پیرووٴں کی جانیں بچانے کے لئے انہیں قریشی حکومتوں سے برابر کا سلوک کرنے کی اجازت دی لیکن خود ہمیشہ ان حکومتوں کی بہبود و ہدایت میں مصروف رہے۔ مظالم و جبر و ستم سہتے رہے لیکن کبھی ان کے خلاف تباہی کی اسکیم نہ بنائی۔ انہیں ان کی سوچ اور تفہیم مذہب میں کبھی مجبور نہ کیا۔ الغرض انہیں بار بار اور طویل ترین اصلاح کے مواقع فراہم کئے۔ لیکن یہ ہمیشہ بتاتے رہے کہ تم غلط کار ہو۔ تم نے قرآن کی معنوی تحریف کر کے ہمارے حقِ حکومت کو غصب کیا ہے۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے تم نے اسلام کو اُلٹ کر سر کے بل کھڑا کر دیا ہے۔

اللہ کا فضل اور رحمت اور رسولؐ اللہ کا لامحدود علم آپ کی ذات کو ضال ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO (4/113)

''اور اگر اے نبیؐ تم پر خطاوٴں اور گناہوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ کا فضل و رحمت مسلط نہ رہتی تو تمہاری قوم کے ان لیڈروں کی جماعت نے تو پکا ارادہ اور انتظام کر لیا تھا کہ تمہیں گم راہ کر کے چھوڑیں مگر ہمارے فضل و رحمت کے انتظام کی بنا پر وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکتے تھے نہ کوئی نقصان و ضرر پہنچا سکتے ہیں بلکہ الٹے خود گمراہی اور ضرر سے دوچار ہو جاتے ہیں اور تمہیں کیسے گمراہ یا غلط کار بنا سکتے ہیں جب کہ ہم نے تم پر کتاب و حکمت نازل کر دی اور تمہیں وہ سب تعلیم دے دی جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم پر تو اللہ

کا عظیم الشان فضل رہتا چلا آیا ہے‘‘ (سورہ النساء آیت 113)

یہی قوم اور اسی قوم کے لیڈر تھے کہ ایک وقت اللہ نے رسوؐل کو انہیں ساتھ لگائے اور الجھائے رکھنے اور معافی ومشورے کا لارا دینے کے لئے فرمایا تھا۔لیکن ان لیڈروں نے آپؐ کی نرم پالیسی کو حقیقت سمجھا اور کوشش کی کہ خود آنحضرت سے اپنے کافرانہ اسلامی تصور کی تائید کرالیں جب کہ رسوؐل اللہ کا ہر حکم کتاب سے اور اللہ کی طرف سے ہر چیز دکھا دینے کی وجہ سے غلطی وخطا سے پاک ہوتا تھا (4/105) اور یہاں غلطی وخطا وگناہ کا باقاعدہ شعوری ولاشعوری طور پر سرزد ہوجانے کا ذکر کرکے یہ بتادیا کہ آنحضرؐت کو سارے عقلائے زمانہ مل کر بھی غلط راہ پر نہیں ڈال سکتے ۔ بلکہ ان سے غلطی کرانے والے لوگ اور خود غلطی بھی گمراہ ہوجائے گی ۔اور وجہ یہ بتائی ہے کہ اللہ کا فضل ورحمت ہر وقت اپنی بھرپور اور انتہائی عظیم صورت میں حضوؐر سے ہر لحہ وابستہ رہتا ہے پھر ایک لامحدود علم کی حامل کتاب دی گئی ہے اور رسالت پر مامور کرنے سے پہلے پہلے آنجنابؐ کو ایسی اور اتنی تعلیم دے دی گئی تھی کہ حضوؐر سے لفظ جہل وناداني وناواقفیت کی نفی ہوگئی تھی اور ظاہر ہے کہ خطا وغلطی ولغزش و گناہ جہل ولاعلمی، حقیقتِ اشیاء واعمال سے ناواقفیت کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں ۔ جب لامحدود علم حاصل ہو کائنات کی ہر حقیقت پر اطلاع ہو تو ہر غلطی کا امکان ختم ہوجاتا ہے ۔اور عصمت محصنہ اور علم مطلق رہ جاتا ہے ۔اور یہی سروؐر کائنات کی پوزیشن تھی اسی پوزیشن کو ایک لفظ نور میں فرمایا گیا ہے۔

آنحضرؐت کو اللہ نے اپنے علم غیب پر غلبہ اور قابو عطا کرنے کے لئے مرتضٰی بنایا تھا اور آپؐ کے ہر طرف رصدگاہیں منسلک تھیں (72/26-28)

آپؐ تمام ترغیب (الغیب) میں بخیل نہ تھے بلکہ سخی تھے (81/24)

رسولؐ اللہ نہ ہی اپنی میلانِ طبع سے بولتے ہیں وہ جو کچھ بولتے ہیں وہی تو وحی ہوتی ہے جو انہیں برابر بھیجی جاتی ہے (53/3-4)، اللہ کا حکم تھا کہ وحی آنے تک حکم دینے میں صبر کریں۔ بلا وحی حکم نہ دیا کریں (10/109)۔ یہاں تک کہ آپؐ تو کچھ اور چاہتے ہی نہیں ہیں سوائے اس کے کہ جو آپؐ چاہتے ہیں وہی اللہ عالمین کا پروردگار چاہتا ہے (81/29)

قارئین یہاں تک آتے آتے یہ ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کی ذات پاک سے ''ضال'' کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ آپؐ یعنی نبوت کے مشن کی راہ روکنے والے حالات اور مخالفت اور مزاحمت، حسد اور اقتدار کا لالچ رکھنے والی دشمن قوم سے متعلق ہے۔

فھدیٰ ۔ امامت کا کردار

سورۃ الضحیٰ کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ اسلام اور آنحضرتؐ کے کائناتی غلبہ کو یوم الدین اور یوم الآخرت تک ملتوی کر دیا ہے اور اللہ نے جو وعدہ ان آیات (42-43/41)، (10/46)، (13/40)، (40/77) میں کیا تھا وہ آخر میں یا آخرت میں پورا کیا جائیگا اور آپؐ کو ساری کائنات پر تسلط اور غلبہ دیا جائے گا (33-9/32)، (48/28)، (9-61/8) (تشریحات سورہ تطفیف) اور یوں تمہاری آخرت والی زندگی اس پہلے والی زندگی سے بہتر ہوگی اور تمہیں وہی کچھ دے دیا جائے گا جو وعدوں میں مذکور کرتا رہا ہے اور تم ہم سے راضی اور خوش ہو جاؤ گے اور اس طویل دور میں پیش آنے والے روح فرسا و جان لیوا حادثات کا رنج والم وحزن وملال دور ہو جائے گا (93/5)۔

آیات (8-93/6) میں اللہ نے آنحضرتؐ کو پالنے والوں، تربیت و ہدایت کرنے والوں اور حفاظت کرنے والوں جناب عبدالمطلب اور حضرت ابو طالب علیہما السلام کے افعال واقدامات کو خود سے منسوب کیا ہے۔ ان حضراتؑ کی اطاعت واحترام و

اکرام رسولؐ اللہ پر بھی واجب تھا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر نبیؑ اپنی امت کی ہدایت وتبلیغ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور تمام انبیاء ورسل علیہم السلام سے اس ذمہ داری پر سوالات اور باز پُرس کی جائے گی اور امت کے اعمال پر شہادت وحساب دینا ہوگا اور یہ کہ آنحضرتؐ اللہ کی طرف سے پوری کائنات کی مخلوقات بمعہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی ہدایت وتبلیغ کے ذمہ دار ہیں اور ان کے اعمال پر شاہد ہیں۔ مگر حضورؐ کو پالنے والے یہ حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے مومنینؑ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ہدایت وتبلیغ کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپؐ سے ان حضراتؑ کے متعلق کوئی جواب دہی اور حساب وشہادت نہ ہوگا۔ یعنی یہ حضراتؑ براہِ راست اللہ کے سامنے ذمہ دار ہیں (6/52-53)۔

محفوظ پناہ دینا، راہنمائی کرنا اور غنی بنانا حضرات عبدالمطلبؑ و ابو طالبؑ کی ذمہ داری تھی۔

یہاں یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت نابت علیہ السلام ان کے جانشین وامام ہوئے اور ان کے بعد ان کی اولاد میں عہد امامت جاری رہا یہاں تک کہ حضرت قصیؑ جناب ہاشمؑ جناب عبدالمطلبؑ وابوطالبؑ نسل ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے آخری زمانے کے امامؑ اور وارثانِ رسالت ونبوت وامامت ہوئے۔ اس طویل زمانہ میں حضرت اسماعیلؑ کے بھائیوں میں ایک ماتحت نبوت کا سلسلہ جاری رہا جو حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام پر آکر ختم ہوگیا۔ نبوت کا یہ سلسلہ مرکزی امامت کے ماتحت رہتا اور قوانین فراہم کرتا چلا آیا تھا۔ ادھر حضرت نابت علیہ السلام کی خاندانی حکومت مسلسل چلی آرہی تھی ۔ جس کا آخری بادشاہ عہد خلیفہ دوم تک موجود تھا۔ یہی وہ حکومت تھی جس کی مدد سے قبیلہ اوس

وخزرج نے مدینہ کے یہودیوں سے نجات پائی تھی۔جس کا ذکر مودودی نے یوں کیا ہے:

''آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص اپنے غسّانی بھائیوں سے مدد مانگنے کے لئے شام گیا اور وہاں سے ایک لشکر لا کر اس نے یہودیوں کا زور توڑ دیا۔اس طرح اوس وخزرج کو یثرب پر پورا غلبہ حاصل ہو گیا'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 372)

خاندان ہاشمؑ کے علاوہ مکہ میں کوئی حضورؐ کا ہم قبیلہ و اسماعیلی نہ تھا مگر مدینہ میں اوس وخزرج اسماعیلی قبیلے اور رشتہ دار تھے۔

جیسا کہ علامہ مودودی نے لکھا کہ اوس وخزرج قبیلہ غسان کے بھائی تھے۔تو یاد رکھیں کہ غسانی بھی حضرت نابتؑ بن اسماعیلؑ کی اولاد تھے۔یعنی مدینہ آنحضرتؐ کے ننہیالی و ددھیالی عزیزوں سے بھرا پڑا تھا۔مگر مکے میں صرف چند لوگ ان کے خاندان کے افراد تھے اور کوئی عزیز و رشتے دار نہ تھا۔جب حضرت عبدالمطلبؑ کی تمام آبائی جائیداد پر قریشیوں نے قبضہ کر لیا تھا تو انہوں نے اپنی مدد کے لئے اپنے ماموں کو مدینہ ہی سے بلایا تھا حضرت عبداللہ کا انتقال بھی مدینہ ہی میں اپنی سسرال اور خاندان میں ہوا تھا۔اور یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ نے آنحضرتؐ کی اور باہر سے آنے والے مسلمانوں کی جان توڑ نصرت کی تھی۔چونکہ حضورؐ کا خاندان مکہ کے انتظام پر مامور رہتا چلا آیا تھا اس لئے خاندان اسماعیل کی مرکزی شاخ کا مرکزی خاندان اور سربراہ وامّام مکے میں رہا کرتا تھا۔لہٰذا جناب عبدالمطلبؑ اور ابوطالبؑ ہی وہ حضرات تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کو پالا۔انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا قدم قدم پر راہنمائی کی۔ربوبیت کے فرائض انجام دیئے۔ہدایت کو اس کے انتہائی مقام تک پہنچایا وہ تمام کتابیں اور ریکارڈ سپرد کیا جو حضرت آدمؑ سے چلا آ رہا تھا۔اہل مکہ چونکہ اپنے صدیوں کے خود ساختہ اجتہادی اسلام پر گامزن تھے۔جنہیں دیکھ کر ہر دیندار خود

کو گمراہ سمجھتا تھا۔اس لئے کہ عربوں کے اسلام میں ہر حقیقت کو اجتہادی اصولوں کی چرخی پر گھما کر الٹ دیا گیا تھا۔مگر جناب عبدالمطلبؑ اور ابو طالبؑ ان تمام اجتہادی مسائل کی تدریج و ارتقاء سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ کون سے حکم یا مسئلے نے بدلتے بدلتے موجودہ صورت حال اختیار کی ہے۔ان دونوں بزرگواروںؑ نے قریشی اسلام کی اس مسخ شدہ صورت کو آنحضرتؐ پر واضح کیا اور قریشی مجتہدین کے داؤ پیچ میں الجھنے سے محفوظ رکھا۔یوں بھی وہ دونوں بزرگوارؑ آنحضرتؐ کے ہادی و راہنما تھے جنہوں نے نہ صرف عربوں کی پیدا کردہ گمراہی سے حضورؐ کو محفوظ کر دیا (93/7) بلکہ تمام الجھاؤ اور دنیاوی ضروریات سے بھی مستغنی کر دیا (93/8)۔

شعبِ ابی طالبؑ:

قریشی بصیرت جو ابلیس کی تعلیم کا پورا سرمایہ تھی اس نے قریشی ماحول اور تمام متعلقہ علاقوں میں یکسر انقلاب پیدا کر کے ہر فرد کو ابو طالبؑ اور رسولؐ اللہ کا دشمن بنا دیا تھا۔ اس تین سالہ مستقل قید اور جان لیوا مقاطع کے باوجود حضرت ابو طالبؑ نے زندہ رہنا سکھایا اس عرصہ میں کسی قبیلہ میں اتنی بھی ہمت پیدا نہ ہوئی کہ اس قاتلانہ مقاطع کے خلاف لب کشائی کر سکتا۔سارا خاندان بنو ہاشمؑ حضرت ابو طالبؑ کی سربراہی میں گھاٹی شعب ابی طالبؑ میں مورچہ بند رہا۔یہ آپؑ کی اس جوابی بصیرت کا کمال ہے جس نے مشرک محاذ کی اس خوفناک اور بے پناہ اسکیم کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔اگر وہ شعب ابی طالبؑ میں نہ آتے تو تمام خانوادہ شہر کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے نہ مل سکتا تھا، نہ تعاون کر سکتا تھا، نہ ایک دوسرے کے لئے باعث ہمت بن سکتا تھا۔گھر میں موجود خوراک اور دولت و وسائل کو اجتماعی پروگرام کے ماتحت استعمال کرنے سے قاصر

رہتے ۔اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ مکانات ایک جگہ نہ ہونے کی بنا پر قریش جس خاندان کو چاہتے رات کی خاموشی میں تہہ تیغ کر دیتے اور باقی خاندان کو خبر تک نہ ہوتی ۔حتّٰی کہ آخری خاندان بھی ختم کر دیا جاتا ۔اس لئے جناب عمران (ابوطالبؑ) علیہ السلام نے اپنی عسکری بصیرت سے ایک ایسا درّہ اختیار کیا جہاں تین طرف سے پہاڑوں نے قدرتی حفاظت کرنا تھی ۔صرف ایک سمت میں دیوار یا باڑھ بنانا تھی ۔ پھر یہاں سارے افراد خاندان کو مہلک اور خطرناک حالات سے مقابلہ کرنے کی تعلیم دینا آسان اور وقت کی ضرورت تھی ۔ایک زبردست شیطانی اور بے رحم قوت سے تحفظ کا جذبہ آپس کی ہمدردی کو معراج کمال پر لانا تھا ۔راتوں کو پہرہ دینا، رسوؐل کی جگہ اپنے جوان بچوں کو سلانا اور اُن پر اور اُن کے مشن پر قربان ہو جانا کھلی آنکھوں سے دکھانا تھا ۔عورتوں بچوں اور نوجوانوں کو بھوک پیاس اور گرمی وسردی برداشت کرنے کی عادت ڈالنا ضروری تھا ۔کربلا اُن کے سامنے تھی ۔اُس کی تمہید قائم کرنا تھی ۔آنے والے محافظین اسلام فاطمہؑ اور علیؑ کو مخصوص صبر و ضبط و نظم سے مطلع کرنا تھا ۔اور سب سے بڑی بات یہ کہ دشمنانِ خدا و رسوؐل اور دوست دارانِ خدا و رسوؐل میں ایک امتیازی خط کھینچنا تھا ۔تا کہ کل خواہ مخواہ کچھ لوگ رسوؐل اللہ کے دوست ہمدرد اور عزیز و اقارب اور اہل بیتؑ بننے کی کوشش کریں تو پہچان لئے جائیں ۔اگر آپ مکہ ہی میں اپنے مکانات میں قید رہے ہوتے تو ہر خبیث کے لئے یہ موقعہ رہتا کہ جناب میں تو خود معہ خاندان مقاطعہ کا شکار رہا ہوں ۔ میں رسوؐل اللہ کا صحابی ، دوست اور فدا کار تھا ۔راتوں کو کھانا لے کر جاتا تھا ۔

شعب ابی طالبؑ نے کفر و اسلام کے درمیان ایک ایسا امتیاز قائم کر دیا کہ شاہی تاریخ کی مسلسل خیانت کے باوجود دشمنان اسلام نقاب پوش نہ رہ سکے اس عرصہ میں

حضرت ابوطالبؑ یہ سکھانا چاہتے تھے کہ مادی نصرت کی جگہ خالصتاً اللہ کے انتظام پر سو فیصد توکل کیا جائے تاکہ لوگ یہ دیکھ سکیں کہ یہ خانوادہ کسی شخص کے آگے ہاتھ پھیلائے بغیر، تمام مادی سامان حتّٰی کہ خوراک کے فقدان کی حالت میں بھی زندہ، تندرست اور زیادہ قوی رہ سکتا ہے۔ یہی تو وہ صورت حال تھی جس میں اللہ کی طرف سے نزول مائدہ کی یقینی امید تھی۔ یہی تو اللہ کی راہ میں وہ قربانی تھی جو بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ من وسلویٰ کا حقدار بناتی تھی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خانوادہ نبوت ورسالت کیسے اپنی اور اللہ کی شان پر حرف لا سکتا تھا۔ یہ ایک عمرانی معجزہ تھا۔ یہیں تو جنت سے کپڑے منگانا اور پھلوں کے طشت اتروانا سیکھا گیا تھا۔ یہیں تو عبادت خداوندی کی وہ مشق کی گئی تھی یہاں ہی تو اس قدر فرصت ملی تھی کہ خاندان کا ہر چھوٹا بڑا فرد اللہ کے نظام کو اپنے روبرو بے حجابانہ دیکھے۔ یہی تو سو فیصد وہ زمانہ تھا جب ساری دنیا سے انقطاع اور وصل باری تعالیٰ کا موقعہ ملا تھا۔ یہیں تو وہ چکی اور عبادت کی چاٹ لگی تھی جو ساری عمر ترقی ہی کرتی گئی۔ بچہ کنویں میں گر جائے پرواہ نہ ہو، سجدہ میں رات گزر جائے پتہ نہ چلے، سرتن سے جدا ہو جائے مگر موت نہ آئے، قوت گویائی نہ جائے، تلواروں اور تیروں کی بارش میں مصلیٰ بچھا دیا جائے۔

وہ چیز جس نے قریش کے چھکے چھڑا دیئے، جس نے راتوں کی نیند حرام کر دی، وہ قدرتِ خدا کا وہ انتقام تھا جو معاہدہ ختم نہ کرنے کی صورت میں تاریخ کا رخ ہی موڑ دیتا، جو قریش کا قتل عام کرا دیتا۔ وہ تھا خانوادہ رسولؐ کے خاندان کا نبطی بادشاہ جبلہ، جس نے بنی ہاشمؑ کی قید کی خبر سن کر لام بندی اور فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اندرونِ عرب شریف قبائل مسلح مزاحمت کی تیاریاں کر رہے تھے اور عرب کے سب سے بڑے ایکسپورٹر اور امپورٹر نے چھ ماہ کے لئے گندم بزورِ بازو شعب ابی طالبؑ میں پہنچا دی تھی اور کہہ دیا تھا

کہ آئندہ مکہ کو گندم کا ایک دانہ دیکھنا نصیب نہ ہونے دوں گا۔اس لئے قریش مجبور ہوئے اور ہوا خیزی کو روکنے کیلئے معاہدہ کے کاغذ کی ڈاٹ لگا کر خود بنفس نفیس ابوطالبؑ کے پاؤں پر گرے اور انہیں اُن کے مکانوں میں واپس آنے پر رضامند کیا اور اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا سے قریش کی سفارش کی اور خانہ کعبہ میں آ کر نماز پڑھی۔

خلافتِ الٰہیہ کا نفاذ:

دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر آنحضرتؐ کے وصال تک آپؐ نے جب بھی اور جہاں بھی اپنی نبوت کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی امامت وولایت وصایت علیؑ کا ذکر فرمایا ہے لیکن باقاعدہ بالفعل نفاذ ولایت علیؑ کے لئے قوم قریش کی سخت مزاحمت کا سامنا رہا۔صدیوں کے بگڑے ہوئے معاشرہ کے لئے تدریج اور اس ناہنجار قوم قریش کی مزاحمت کی انتہا دیکھیں کہ اعلان نبوت سے لے کر بیس (20) سال تک کلمہ صرف ''لا الٰہ الا اللہ'' تک محدود رہا۔ نبوت کے (20) سال کے بعد ''محمدؐ رسول اللہ'' شامل کیا گیا۔ولایت علیؑ کی ہر قدم پر شدید ترین مخالفت جاری رہی۔ یہاں تک کہ نفاذ ولایت وامارت علیؑ میں مزید تین سال کی تاخیر ہوگئی۔خلافت الٰہیہ میں شرکت بلکہ مکمل قابض ہونے کے لئے قرآن کی ہر اُس آیت کی معنوی تحریف کی اور آنحضرتؐ کے ایسے تمام احکامات کا انکار کر دیا جس میں قیام ولایت علیؑ کی طرف کسی قسم کا بھی اشارہ ملتا ہو۔بالآخر آنحضرتؐ کے وصال کا وقت قریب آن پہنچا اور اللہ کو قریشی اسکیم میں حکماً مداخلت کرنا پڑی اور قوم قریش کے شر سے حفاظت کی ضمانت دے دی گئی (5/67)۔وہ حقیقت جس کے اقرار واعلان اور جس پر عمل کے بغیر نہ رسالت صحیح نہ نبوت قبول نہ دین مقبول، تمام اعمال باطل وضائع اور ماشاءاللہ جہنم واجب۔اس کی مخالفت اور مزاحمت کرنے اور چھپانے والی قوم کو ایسے کافر قرار دیا گیا جن کی مزید ہدایت

سے اللہ نے ہمیشہ کے لئے ہاتھ اُٹھالیا ہے۔اس طرح وصال سے چند ماہ قبل حجۃ الوداع کے موقع پر غدیر کے مقام پر ''علیؑ ولی اللہ وصی رسوؐل اللہ وخلیفۃ بلافصل'' کا برسرمنبر اعلان بالفعل کر کے نفاذ امارت و ولایت کر دیا گیا۔اس لمبی تاخیر کی وجہ بلاشبہ تدریج ،مخالفت و مزاحمت آنحضرتؐ کی نرمی ورحمت اور مشیت خداوندی کو پروان چڑھانا مقصود تھا ورنہ چند ابلیس کے پروردہ قریشی لیڈروں کو سزا یا عذاب سے دوچار کرنا آپؐ کے لئے مشکل نہ تھا۔

تمام انبیاؑ کی نبوت ورسالت،آنحضرتؐ کی نبوت ورسالت اور قرآن کا اولین اور انتہائی مشن ومقصد ونتیجہ یہی تھا کہ امت مسلمہ کو نبوت کی تعلیمات سے بہرہ مند کر کے تسخیر کائنات کی تعلیمات کے لئے امامتؑ کے حوالے کر دیا جائے اور دین کے مکمل ہونے کی سند حاصل کر لی جائے۔رسوؐل کی دشمن قوم کو بھرپور مخالفت ومزاحمت کی بنا پر اس عظیم ترین مشن کے نفاذ کے لئے راہ نہ مل رہی تھی اور تاخیر پر تاخیر ہوتی جارہی تھی جسے ''ضال'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اللہ نے اپنی مکمل ضمانت کے ساتھ ساتھ بھرپور نصرت وراہنمائی فرما کر ہدایت کر دی۔آنحضرتؐ کے لئے لفظ ''ضال'' کے اطلاق کی وضاحت ایک سادہ سی مثال سے کی جاسکتی ہے یوں سمجھئے کہ آپ ایک بڑے شہر کے رہائشی ہیں وہاں ٹریفک کا ہجوم اور بار بار راستہ جام ہو جانا روزمرہ کا معمول ہے۔بے ہنگم ٹریفک جام ہوگئی اور آپ اپنی منزل مقصود کے لئے راستہ نہیں پا رہے ہیں اسی کو ''ضال'' کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ راہ سے بھٹک گئے ہیں یا آپ کو راستہ ہی معلوم نہیں۔اسی طرح آنحضرتؐ کا ''ضال'' ہونا خارجی یا بیرونی دباؤ (اہل مکہ کا خودساختہ اجتہادی اسلام ،مشیت کو آزادانہ تکمیل کی طرف بڑھنے دینا،قیام ولایت وخلافت الٰہیہ کے خلاف مزاحمت) سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ آپؐ کی ذات بابرکات سے۔اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قانوناً فرما دیا ہے کہ ''وہ

شخص ذاتی طور پر کبھی ضال نہ ہوگا جو میری ہدایت پر قدم بقدم چلے گا‘‘(20/123)۔ آنحضرتؐ اور آپؐ کی پاک آلؑ سے بڑھ کر اللہ کی ہدایت کی اتباع کرنے والا اس کائنات میں نہ تھا نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ جہاں تک رسولؐ اللہ کی ذات پاک کا تعلق ہے اللہ نے ’’اس خاص ستارے کی قسم جس نے اپنی خواہش نفس پوری کی تھی‘‘ علیؑ کے در پر اُترا تھا۔ اس ستارے کی قسم کھا کر فرمایا کہ ’’تمہارا مالک نہ تو گم راہ ہی ہوا ہے اور نہ اس کو اغوا کیا جا سکتا ہے‘‘(53/1-2)۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسانیت کی ہدایت و ترقی کے لئے انبیاؑ کرام اور کتبہائے آسمانی کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ یہاں تک کہ اسلام اور اس کی شریعت نے انسانیت کو ترقی دے کر دین اسلام کی آخری قسط یا کلاس میں آنحضرتؐ اور قرآن کے حوالے کر دیا۔ ان دونوں کا انتہائی مقصد و مشن قیامِ ولایت علیؑ کے باقاعدہ اعلان پر دین مکمل ہو گیا۔ جس پر اللہ نے راضی ہو کر مہرِ تکمیلِ دین ثبت کر دی۔ اس مشن کی تکمیل کے دوران قوم کے ساتھ رعایت برتی گئی جو ضروری تھی۔ رحمۃ للعلمینؐ اپنے منصب کے لحاظ سے مشیت خداوندی کو آگے بڑھاتے ہوئے نفاذ ولایت علیؑ کے خلاف ہمہ قسمی مخالفت برداشت کرتے رہے۔ ان تعلیمات کے دوران جو احکامات و مسائل بتا دیئے جاتے تھے ان پر عمل درآمد اور آزمائش ہوتی رہی لیکن جو مسائل و احکام ابھی زیر تعلیم تھے ان میں رعایت کی گنجائش باقی رہی۔ اعلان نفاذ ولایت و امامت کے ساتھ ہی دین اسلام اور شریعت کے تمام احکامات مکمل ہو گئے اور کسی بھی رعایت کی گنجائش باقی نہ رہی۔ دین اسلام کی تعلیمات مکمل ہو چکنے کے بعد تمام بہانہ سازیوں، مخالفت، مزاحمت اور ضال کی گنجائش بھی ختم ہو گئی۔ دورِ امامت میں اگر اسلامی احکامات کے نفاذ میں مزاحمت ہو گی اس میں

تدریجی رعایت نہ ہوگی ہر حال میں قابل مواخذہ سزا ہوگی۔مواخذہ یا سزا صرفِ نظر تو ہوسکتا ہے لیکن رجعت کے دور یا آخرت میں سزا لازم ہے۔دورِ امامت میں انسانیت کی ترقی میں جتنی بھی رکاوٹیں حائل ہوں گی سب ہٹادی جائیں گی۔تسخیر کائنات کی منازل آسان سے آسان تر ہوتی جائیں گی۔لہٰذا نفاذ ولایت وامامت کے ساتھ دین مکمل ہوگیا۔شریعت کے تمام احکامات مکمل ہوگئے اور شریعت کو تدریج ورکاوٹ ومزاحمت سے سروکار نہ رہا اور اصولاً ضال کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔یعنی نفاذِ ولایت علیؑ کے ساتھ ہی تمام انبیاءؑ کرام پر ''ضال'' کا اطلاق بھی اصولاً'' فھدیٰ ''ہوکر ساقط ہوگیا۔

☆☆☆☆☆

معاذاللہ وحی کے وصول کرنے میں غلطیاں کرنے والا اور قرآن سے قطعاً نابلد رسولؐ۔قرآن مکمل نازل ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖO اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗO فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗO ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَابَيَانَهٗO

(سورہ القیٰمۃ آیت 75/16-19)

ترجمہ شاہ رفیع الدین:

''مت ہلا ساتھ قرآن کے زبان اپنی کو تو کہ جلدی کرے ساتھ اس کے تحقیق ہمارے ذمہ پر ہے اکٹھا کرنا اس کا بیچ دل تیرے کے اور پڑھنا اس کا زبان تیری سے پس جس وقت پڑھیں اس کو پس پیروی کر پڑھنے ہمارے کی پھر تحقیق ہمارے ذمہ پر ہے بیان کرنا اس کا''

ہمارا ترجمہ: ''اَے نبیؐ تم اُس لیڈر اور قرآن کے بیان میں عجلت نہ کرو اور اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھو۔یقیناً اُس کا پورا منصوبہ جمع کر کے پڑھوا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔چنانچہ

جب ہم خود اُس کے حالات کی قرأت کریں تو تم ہمارے پڑھنے کی پیروی کرتے رہنا پھر اس بصیر و دانشور شخص کے متعلق سب تفاصیل بیان کر دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے'' (75/16-19)

قارئین یہ وہی آیات ہیں جنہیں بنیاد بنا کر قریشی علما نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی وصول کرنے میں غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی قسم کی آیات اِدھر اُدھر سے جمع کر کے یہ دکھایا ہے کہ رسوؐل اللہ ہجرت حبشہ (۵ نبوت) تک قرآن کو بلا غلطی کئے وصول نہ کر سکے (سورہ المدثر)۔ ہم نے قرآن کے واضح الفاظ و آیات سے یہ کئی بار ثابت کر دیا ہے کہ پورا قرآن ایک دم رسوؐل اللہ کو دیا گیا تھا۔ اور جن آیات کو یہ اپنی بکواس کی تائید میں پیش کرتے ہیں ان میں بھی پورے قرآن کی بات ہوتی رہی ہے۔ بہرحال ہم پورے قرآن کا ایک دم دیا جانا سورہ قدر میں پھر باقاعدہ اور تفصیل سے دکھائیں گے یہاں تو ان آیات (75/18-16) کی ذیل میں چند اصولی باتیں مودودی کے ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ ساتھ پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ قریشی سازش کھل کر سامنے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگائی ہوئی تہمتیں صاف ہو کر مجرموں کا لعنتی ہونا ثابت ہو جائے۔

پہلی بات۔ باطل مقاصد کے لئے الفاظ کا ترجمہ اور مفہوم بدلنے کی مثالیں:

قارئین پہلے چند ترجمے دیکھ لیں تو ہم بات کریں گے۔

لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖO (قیامة 75/16)

رفیع الدینؒ: ''مت ہلا ساتھ قرآن کے زبان اپنی کو تو کہ جلدی کرے ساتھ اس کے''

اشرف علی: ''اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا

کیجئے تا کہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں''

مودودی: ''اَے نبی اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 167)

فرمان علی شیعہ: ''(اے رسوؐل) وحی کے جلدی یاد کرنے کے واسطے اپنی زبان کو حرکت نہ دو''

تراجم پر تحقیقی نظر۔ پہلے یہ عرض کر دیں کہ علامہ رفیع الدین رحمت اللہ علیہ کے علاوہ یہ تینوں ترجمے غلط و باطل ہیں اس لئے کہ:

اول۔علامہ اشرف علی نے اپنی طرف سے ''قرآن کو جلدی لینے'' کا تصور دیا ہے۔

دوم۔فرمان علی نے لفظ ''وحی'' کا اضافہ کیا جو آیت میں نہیں ہے۔

پھر ''یاد کرنے کے واسطے'' کا پورا جملہ داخل کر دیا ہے جو آیت میں نہیں۔

سوم۔علامہ مودودی بالکل فرمان علی کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں۔معلوم ہوا کہ یہ تینوں مترجمین قریشی حکومتوں کی گھڑی ہوئی کہانیوں کی تائید میں کھل کر قرآن کو ڈھالتے ہیں۔ تا کہ وہ رسوؐل اللہ کو قرآن سے قطعاً نابلد ثابت کر کے یہ دکھا سکیں کہ کبھی بھی رسوؐل اللہ پورے قرآن کے عالم نہ تھے۔جتنی آیات جبرئیلؑ لاتے تھے ان کو رسوؐل اللہ اور ان کے صحابہ یاد کر لیتے تھے اور یوں امت اور رسوؐل کا قرآنی علم برابر رہتا چلا گیا۔اور جب قرآن مکمل ہو گیا تو چند روز کے بعد حضوؐر رحلت فرما گئے۔یعنی رسوؐل اللہ کا کوئی حکم بھی پورے قرآن کو یا پورے قرآن کی اسپرٹ کو سامنے رکھ کر نہیں دیا گیا تھا لہٰذا صحابہ کے احکام اور فیصلے رسوؐل اللہ سے بہتر اور مفید تر اور منشائے خداوندی کے قریب تر ہونا ہی چاہئیں اس لئے کہ ان کے پاس مکمل قرآن تھا اور وہ سب پورے قرآن کو سامنے رکھنے کے بعد اپنے احکام و فیصلے صادر کرتے تھے۔اور ان جزوی اور محدود احکام کو منسوخ یا معطل یا تبدیل

کر دینے کا حق رکھتے تھے جو رسوؐل نے کئے تھے۔ یہ ہے قریش کا وہ طاغوتی منصوبہ جسے ہر سمت سے مکمل اور ضروری ثابت کرنے کے لئے آنحضرتؐ کو ۔1۔کورا اَن پڑھ ۔ 2۔ مذاہب، تاریخ وتمدن سے بے بہرہ۔3۔عام آدمی تمام بشری جذبات سے مغلوب ہو سکنے والا۔ لہٰذا ۔4۔خاطی ، بھول چوک ،غلط فہمی اور غلط کاری میں مبتلا ہوجانے والا ۔ چنانچہ۔5۔بار باروحی وصول کرنے میں غلطیاں فیصلوں میں لغزشیں اور خطا کاری کا اقرار کرنے والا ایک شخص مشہور کر دیا اور لاکھوں واقعات کہانیاں اور مقدس افسانے گھڑ کر پھیلائے اور انہیں اسلامی تاریخ کہا پھر قرآن کو ان تمام خودساختہ افسانوں پر فٹ کرلیا۔ یعنی بقول مسٹر پرویز ’’وہ خودساختہ افسانے حقیقت بن گئے اور قرآن ان کی تشریح وتصدیق کرنے والا بن گیا۔‘‘

دوسری بات: آیت (75/16) کا تسلسل توڑ کر جملہ معترضہ کہہ کر رسوؐل کی توہین کے لئے ترجمہ میں اضافہ غلط ہے

قارئین اللہ کے سابقہ بیان میں ایک مخصوص انسان (الانسان) کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے(75/3-15) جو قیامت کے متعلق ایک جداگانہ تصور رکھتا ہے(اس کو ایک فرضی اور خیالی اور عام انسان سمجھنے اور سمجھانے میں پورا زور لگایا گیا ہے حالانکہ یہاں بزرگ ترین قریشی لیڈر کے تصورِ حیات ،حکومت سازی کے منصوبے اور اس کے زمانہ رجعت میں حالات مربوط اور مسلسل بیان ہوئے ہیں۔یہی وہ لیڈر ہے جس نے عہد رسوؐل میں اور بعد وفاتِ رسوؐل اسلام کو اور ساری دنیا کو تہہ وبالا کیا) اس کے اس تصور کو توڑنے اور مسلمانوں میں اختلاف کو روکنے کے لئے ضروری ہوا کہ اللہ سورہ قیامت کی تلاوت کرائے ۔چنانچہ اس مخصوص انسان کی بنیادی باتیں بتا کر اسے صاحبِ بصیرت مگر معذور فرمایا گیا اور موقع دیا

گیا کہ وہ عذرات کے مقابلہ میں اپنی بصیرت سے کام لے کر اپنا رخ حق کی طرف موڑ سکے اس لئے آنحضرتؐ سے فرمایا گیا کہ تم ابھی اس بصیر ومعذور شخص کے سلسلے میں قرآنی وضاحت میں زبان بند رکھو تا کہ اتمام حجت ہو جائے (75/16) رہ گیا اس کا باقی عمل درآمد اس کو مناسب طریقہ پر جمع کر دینا اور پڑھوا کر سنا دینا ہماری ذمہ داری ہے جو ضرور پوری کی جائے گی (75/17) لہٰذا جب اور جتنا ہم اس کے حالات پڑھوائیں بس تم اتنا ہی پڑھنا یعنی زیادہ نہ سنانا (75/18) اور اس کی پوری اسکیم کو بیان کرا دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے جسے ہم ہی بہترین صورت میں پورا کرنے کے اہل ہیں (75/19)۔

قارئین کرام سورہ قیامت کی شروع سے ٹھہر ٹھہر کر مضمون کو مسلسل کر کے پھر تلاوت کریں اور ہماری ترجمانی (احسن التعبیر ترجمہ وتفسیر قرآن مجید) کے ساتھ یہ اُنیس آیتیں (75/1-19) پڑھیں اور سوچیں کہ کون سا بیان قرآن کے الفاظ میں اضافہ کے بغیر مسلسل اور صحیح ہے؟

تیسری بات: باقی تین آیات میں قریشی علما نے کون سے الفاظ کا اضافہ کر کے اپنا طاغوتی تصور پروان چڑھایا؟

پھر یہی نہیں کہ ان علما نے ایک ہی آیت (75/16) میں اضافہ کیا ہو بلکہ وہ مسلسل آنے والی تین اور آیات (75/17-19) میں بھی ایسے الفاظ کا اضافہ کرنے پر مجبور ہوئے جن کا آیات کی عربی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا علامہ مودودی کا ترجمہ دیکھیں اور پتہ لگائیں کہ ان کی ترجمانی والے الفاظ سے آیت کے الفاظ کا کیا رشتہ ہے۔

مودودی کا ترجمہ اور ہماری تنقید:

قارئین کی سہولت کے لئے ہم ساتھ ساتھ علامہ رفیع الدین صاحب کا تحت لفظی ترجمہ بھی

لکھتے جائیں گے تا کہ یقین پختہ ہوتا جائے اور ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہو۔ملاحظہ فرمائیں

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗO (سورہ القیٰمۃ آیت 17)

رفیع الدین: ''تحقیق ہمارے ذمہ پر ہے، اکٹھا کرنا اس کا بیچ دل تیرے کے، اور پڑھنا اس کا زبان تیری سے ''

مودودی ''اس کو یاد کرا دینا۔۔۔اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے''

قارئین توجہ دیں کہ علامہ مودودی نے یہاں لفظ ''جمع'' کے معنیٰ ''یاد کرا دینا'' کئے ہیں جو ساری دنیا کے عربی دانوں اور ساری لغات کے خلاف اور غلط ہیں۔مگر علامہ کے مذہب میں یہ معنیٰ کرنا اس لئے ضروری ہوا کہ ان کے افسانوں یا روایات و تاریخ میں رسوؐل قرآن سے ناواقف تھے اور انہیں بھول جانے کا یقین رہتا تھا اس لئے کہ ان کا بے چارہ رسوؐل آگے آنے والی وحی کو سننے اور سمجھنے کے بجائے وحی کے ان الفاظ کو یاد کرنے میں مصروف ہو جایا کرتا تھا جو جبرئیلؑ کے منہ سے سن چکتا تھا۔کوئی مودودی اینڈ کمپنی سے معلوم کرتا کہ تمہاری یہ بات کہ رسوؐل اللہ قرآن کو جلدی وصول کرنے یا حاصل کرنے کی غرض سے یاد کرنے لگتے تھے۔غلط ہوگئی اس لئے کہ وحی سنتے سنتے رک کر یاد کرنے میں لگ جانے سے نہ صرف قرآن حاصل کرنے میں دیر ہوگی بلکہ ادھر یہ یاد کرنے میں لگے رہیں گے اور ادھر جبرئیلؑ نہ معلوم کیا کیا پڑھتا چلا جائے گا جس کو دوبارہ سننے اور یاد کرنے میں تاخیر ہی ہوگی۔لہٰذا یہ تصور ہی باطل ہے کہ رسوؐل کو پہلے سے قرآن معلوم اور قلب میں محفوظ نہ تھا۔اور اس صورت میں قرآن کا الفاظ کی صحیح ترتیب کے ساتھ یاد کر لینا ناممکن ہے کہ ایک شخص رواں دواں پڑھتا چلا جائے اور سننے والا ساتھ کے ساتھ یاد کر کے پوری تقریر کو من و عن سنا دے۔اگر یہ کام اللہ کسی معجزے سے کراتا جاتا تھا تو دو اعتراض سر اٹھاتے ہیں اول

یہ کہ تم معجزے کے قائل نہیں دوم یہ کہ جب معجزاتی قوت سے رسولؐ کو یاد ہوتا چلا جاتا تھا؟ تو ان کو یاد کرنے اور دوران وحی رک جانے کی ضرورت ہی نہ تھی لہٰذا تمہارا تصور باطل اور بلا ضرورت ہے۔ قارئین اگلی آیت کا ترجمہ دیکھیں۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (سورہ القیٰمة آیت 18)

رفیع الدین: ''پس جس وقت پڑھیں ہم اس کو پس پیروی کر پڑھنے ہمارے کی''

مودودی: ''لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قرأت کو غور سے سنتے رہو''

قارئین توجہ فرمائیں کہ یہاں تک بھی اور آگے بھی کہیں کسی جبرئیلؑ کے پڑھنے پڑھانے اور سنانے کا تذکرہ نہیں ہے۔ پھر اس آیت میں کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں ہے جس کے معنی ''غور سے سنتے رہو'' کئے جاسکیں لیکن علامہ کی مذہبی روایات کا نظارہ یہ ہے کہ جبرئیلؑ رسولؐ کو قرآن سنا رہے ہیں اور رسولؐ (معاذ اللہ) مرگی کے دورہ کی سی حالت میں ہیں اور چپ چاپ دم بخود جبرئیلؑ کو سن رہے ہیں اس لئے مودودی پر لازم ہوا کہ وہ اس آیت (75/18) سے خود ساختہ نظارہ کی تصدیق وتائید کے لئے ''فَاتَّبِعْ'' (قدم بقدم پیروی کر) کے معنی ''غور سے سنتے رہو'' کردیں یعنی جیسا کہ مولوی رفیع الدین نے بھی ترجمہ کیا اللہ تو خود یہ چاہتا ہے کہ ''رسولؐ اللہ'' اللہ کے ساتھ ساتھ قرات کرتے جائیں'' اور مودودی اینڈ کمپنی رسولؐ کو خاموش رکھنا چاہتی ہے حالانکہ حقیقی صورت حال یہ ہونا چاہئے کہ اُدھر اللہ کا پڑھنا صرف رسولؐ اللہ کے کان سن رہے ہوں اور اِدھر رسولؐ لفظ بلفظ سنے ہوئے الفاظ کو بلند آواز سے دہرا رہے ہوں جسے سامعین سن رہے ہوں یعنی یہ پتہ ہی نہ لگنے پائے کہ رسولؐ کسی کی نقل کر رہے ہیں۔ قرآن ان کی زبان سے نکلتے چلے آنے والا قول وکلام ہو

(الحاقہ 69/40)(تکویر 81/19) یہاں اللہ اپنے پڑھنے (قَرَاٰنَهٗ) کی بات کر رہا ہے اور رسولؐ کو اپنی اتباع (پیروی) کا حکم دے رہا ہے مگر یہ طاغوت زادے آنحضرتؐ کو جبرائیلؑ کے ماتحت رکھ کر اس کی پیروی رسولؐ سے کرار ہے ہیں۔اب قارئین اگلی یا آخری آیت پڑھیں:۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗO (سورہ القیٰمۃ آیت 19)

رفیع الدین: ’’پھر تحقیق ہمارے ذمہ پر ہے بیان کرنا اس کا‘‘

مودودی: ’’پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے‘‘

قارئین غور فرمائیں کہ اس آیت میں بھی کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جس کے معنی ’’مطلب یا معنی سمجھا دینا‘‘ کیئے جاسکیں۔ چنانچہ علامہ کے قرآن پر اس اضافے کا مطلب یہ ہوا کہ گویا اللہ نے رسولؐ اللہ سے یہ کہا ہے کہ ’’تو وحی کا مطلب سمجھے بغیر اسے یاد کرتا یا رٹتا چلا جایا کر‘‘ پھر کبھی فرصت میں تجھے اس کا مطلب سمجھاتے رہیں گے‘‘

یہ ہے اس آیت میں مذکور صاحب بصیرت شخص کا گھڑا ہوا اللہ جو بلا مطلب سمجھائے ہی دھڑا دھڑ سورہ بقرہ جیسے لمبے لمبے بیان رٹا تا چلا گیا اور ایک دفعہ پھر مطلب سمجھانے کے دوران سورہ بقرہ پڑھنے یا پڑھوانے میں وقت ضائع کرے گا۔اور یہ ہے قریش کا رسول جو آیات پڑھتے ہوئے معنی و مطالب سے کورا ہوگا اور آیات کا مطلب پوچھنے والے صحابہ کو انٹ شنٹ جواب دے دے گا۔کیوں نہ ہو؟ قریش کو ایسا ہی رسول درکار تھا جس کی جب چاہیں غلطیاں اور غلط کاریاں پکڑ سکیں۔جس کی غلطیوں پر اللہ تنبیہ و ڈانٹ پھٹکار کرتا ہوا دکھایا جاسکے۔جس سے بہتر قریش کے لیڈر قرآن سمجھتے ہوں۔جس کی مادری زبان عربی ہو پھر بھی قرآن کی عربی مبین کا مطلب اسے الگ سے سمجھانا پڑے (لعنۃ

اللّٰہ علیٰ الکٰذبین) حالانکہ اللہ نے قرآن فہمی کے لئے اس قرآن کو سہل ترین صورت دی ہے (قمر 54/17,22,32,40) وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

قرآن مجید الفاظ کی صورت میں بھی مکمل نازل ہوا

''یقیناً ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا تھا'' (سورۃ القدر 97/1)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ O (97/1)

1۔ قرآن کریم الفاظ کی صورت میں بھی مکمل طور پر شب قدر میں نازل کر دیا گیا تھا۔

سورہ قدر بہت سی قریشی بحثوں کا فیصلہ کن جواب پیش کرتی ہے چنانچہ اس کی پہلی آیت ہی قریش کے خود ساختہ اسلام کی فلک بوس عمارت کو مسمار کر دیتی ہے۔ اور ثابت کر دیتی ہے کہ رسوؐل اللہ روز اول سے پورے قرآن کے عالم تھے لہٰذا قریش کا پیدا کردہ یہ تصور ایک فریب ہے کہ قرآن تئیس (23) سال میں رفتہ رفتہ رسوؐل اللہ کو پہنچایا گیا تھا اور آپؐ (معاذ اللہ) اعلان بعثت کے بعد تئیس (23) سال تک پورے قرآن کے عالم نہ تھے یہ فریب اس لئے دیا گیا تھا کہ آنحضرتؐ کو اور قریشی صحابہ کو علوم قرآن میں برابر رکھا جا سکے یعنی جتنی آیات نازل ہوتی تھیں وہ سب کو یاد ہو جاتی تھیں۔ اور جب تک دوسری کھیپ نازل ہو رسوؐل اور قرآن سنتے رہنے والوں کا علم برابر رہتا تھا اور برابر برابر رہتا چلا گیا حتّٰی کہ پورا قرآن نازل ہو گیا تب بھی صحابہ اور رسوؐل کا علم برابر رہا اور اس فریب کو مان لینے سے یہ بھی ماننا ہوگا (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کا کوئی حکم ایسا نہ تھا جو قرآن کے پورے علم یا

تعلیمات قرآن کی پوری روشنی میں دیا گیا ہوتا یعنی احکام رسوؐل میں کوئی قرآنی ربط نہ تھا اس سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ رسوؐل کے جس حکم کو چاہا نا قابل عمل قرار دے دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ صحابہ نے پوری تعلیمات قرآن کو مدنظر رکھ کر احکام نافذ کئے تھے اور رسوؐل کا حکم ایک خاص محدود حالت کے لئے تھا مستقل حکم نہ تھا۔

2۔قرآن ماہ رمضان میں رات کو نازل ہوا تھا۔لیلۃ القدر ہی مبارک رات ہے۔

بہرحال یہ سورہ قریش کے خانہ ساز مذہب کی دھجیاں اڑانے کے لئے کافی ہے اور قرآن کے مکمل نازل ہونے پر سورہ بقرہ (2/185) اور سورہ دخان (44/1-6) کی تفسیر کرتی ہے۔وہاں فرمایا گیا تھا کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْاٰنُO (2/185)

’’رمضان وہ مہینہ ہے جس میں القران نازل کیا گیا ہے۔‘‘(2/185) اور یہ کہ:

حمٓOوَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِOاِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِی لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍO(44/1-3)

’’ح م۔قسم ہے اس مکمل منہ بولتی کتاب کی۔کہ یقیناً ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا تھا‘‘(44/1-3)

وہی مبارک رات سورۃ القدر میں ’’شب قدر یا لیلۃ القدر‘‘ کے نام سے یاد کی گئی ہے۔یعنی قرآن کریم ماہ رمضان کی شب قدر میں نازل کر دیا گیا تھا۔

(2/الف) مکمل قرآن ایک دم نازل کیا جانا ایسی حقیقت ہے کہ اس کو مشکوک کرنے کے لئے فرضی روایات بھی کافی نہ ہوئیں۔

قریشی پالیسی ہمیشہ خانہ ساز روایات کے سہارے چلا کرتی ہے۔مگر علامہ مودودی ان روایات کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس رات میں قرآن نازل کرنے کا مطلب بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ نزول قرآن کا سلسلہ اس رات شروع ہوا۔ اور بعض مفسرین اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس میں پورا قرآن ام الکتاب سے منتقل کر کے حامل وحی فرشتوں کے حوالے کر دیا گیا اور پھر وہ حالات و وقائع کے مطابق حسب ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر 23 سال تک نازل کیا جاتا رہا۔ صحیح صورت معاملہ کیا ہے اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 559)

(2/ب) علامہ حضور صحیح صورتحال سمجھ گئے ہیں مگر قریشی صحابہ کی لاج رکھنا ان پر واجب ہے

علامہ کا یہ آخری جملہ بتاتا ہے کہ نہ تو علامہ قریشی مفسرین کی تفسیروں سے صحیح صورت معاملہ سمجھے اور نہ اللہ کا قرآنی بیان انہیں صحیح صورت معاملہ سمجھا سکا حالانکہ علامہ اپنے قارئین کو یہ یقین دلاتے رہے ہیں کہ قرآن کا ہر بیان نہایت واضح اور سمجھنے کے لئے آسان ہوتا ہے۔

قرآن کا ہر بیان علامہ پوری طرح سمجھتے ہیں۔

''اس میں اینچ پینچ کی بھی کوئی بات نہیں ہے کہ عام آدمی کے لئے اس کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آئے۔ بلکہ صاف صاف سیدھی بات کہی گئی ہے جس سے ہر آدمی جان سکتا ہے کہ یہ کتاب (قرآن) کس چیز کو غلط کہتی ہے اور کیوں کس چیز کو صحیح کہتی ہے اور کس بنا پر کیا منوانا چاہتی ہے اور کس چیز کا انکار کرانا چاہتی ہے کن کاموں کا حکم دیتی ہے اور کن کاموں سے روکتی ہے؟'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 370-369) اور سنئے۔

قرآن کی کسی بات کو نہ سمجھنے کا عذر باطل و نا قابل قبول ہے۔

۲۔ ''اس میں کوئی بات گنجلک اور پیچیدہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اس بنا پر اسے قبول کرنے

سے معذوری ظاہر کر دے کہ اس کی سمجھ میں اس کتاب کے مضامین آتے ہی نہیں ہیں۔ اس میں تو صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ صحیح عقائد کون سے ہیں اور غلط عقائد کون سے؟'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 440)

یہ بیانات دوسو فیصد برحق اور مطابق واقعہ ہیں اور ان سے ہر عام آدمی اتنا ضرور سمجھ سکتا ہے کہ علامہ چار سو فیصد جھوٹے ہیں اور ان کو ان کے ترجمے بھی کاذب اور فریب ساز ثابت کرتے ہیں۔

کیا صحیح ترجمہ کرنے والا بھی صحیح صورت معاملہ نہیں سمجھتا۔

اللہ نے پورے قرآن کو یک لخت نازل کر چکنے کی اطلاع نہایت سادہ اور عام فہم الفاظ ہی میں نہیں دی بلکہ یہ اطلاع تین مرتبہ اور تین الگ الگ سورتوں میں دی ہے اور علامہ نے ہر مرتبہ صحیح ترجمہ کیا ہے دیکھئے مانتے اور لکھتے ہیں کہ:

''یہاں (قدر 97/1) فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے'' اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ O (2/185) ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔'' (2/185) اور سورہ دخان میں اسی کو مبارک رات فرمایا گیا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ O (3 /44) یقیناً ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں نازل کیا تھا'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 404)

اللہ نے کہا اور علامہ نے مانا کہ:

1۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا''

2۔ قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے''

3۔ قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے''

پھر بھی علامہ نے فرمایا کہ: ''صحیح صورت معاملہ کیا ہے اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے''؟

یعنی قریشی صحابہ کی خودساختہ روایات کی لاج رکھنا قرآن سے زیادہ عزیز ہے؟

علامہ کے دل میں پوشیدہ حقیقت کسی طرح نوک قلم سے ٹپک گئی۔

کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ سنئے اور نفسیاتی بے چینیوں کا اندازہ لگائیے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ:

اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ O رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ O (سورہ دخان 44/5-6)

مودودی کا ترجمہ:

''ہم ایک رسوؐل بھیجنے والے تھے تیرے رب کی رحمت کے طور پر'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 559)

علامہ کی رازدارانہ تشریح پر زورِ حق:

''؎ یعنی یہ کتاب دے کر ایک رسوؐل بھیجنا نہ صرف حکمت کا تقاضا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا بھی تھا'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 560)

قارئین دیکھ لیں کہ اللہ نے مودودی کے ہاتھ سے لکھوادیا کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب دے کر مبعوث کیا تھا لیکن قریش کا خودساختہ اسلام نہیں چاہتا کہ:

1۔ بعثت سے پہلے آنحضرتؐ پورے قرآن کے عالم ہوں۔ اور

2۔ قرآن اپنی مکمل ملفوظی ومنزّل صورت میں موجود ہو۔

3۔ رسوؐل کا ہر حکم پوری تعلیمات الٰہیہ کی روشنی میں اور مستقل غیر متبدل ہو۔

4۔ رسوؐل اور جانشینانؐ رسوؐل معصوم اور علوم خداوندی کے عالم ومحافظ ہوں۔

5۔ اور مرکز احکام خداوندی ہوں اور مختلف الملائکہ ہوں۔

آنحضرتؐ روزِ ازل سے قرآنِ ناطق تھے، خاص ترتیبِ تلاوت مشروط تھی

آیہ مبارکہ (20/114) میں تین حقیقتوں کا اعلان کیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے پایاں رِفعتوں اور بزرگیوں کی حامل ہے اور وہ حقیقی معنی میں بادشاہ ہے اور یہ کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی بزرگ و برتر اور سر سے پیر تک علومِ خداوندی کا ذخیرہ و خزانہ ہونے کے باوجود بھی اللہ کے روبرو علم کی طلب میں محتاج ہے۔ یعنی اللہ کا علم قرآن اور لوحِ محفوظ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی پیمائش یا مقدار جاننے کے لئے محمدؐ ایسا علمی پیمانہ بھی کافی نہیں۔ ان دونوں حقیقتوں کے اندر لپیٹ کر تیسری حقیقت یہ بتائی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی تعلیم جلد سے جلد مکمل کر دینا چاہتے تھے اور وحی کے پورا ہونے کا انتظار بھی نہ کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ قرآن پہنچانے میں جلدی نہ کریں پہلے وحی کو مکمل اور پورا ہو جانے دیا کریں پھر تلاوت کر کے لوگوں کو سنایا کریں۔ یعنی اللہ یہ نہیں چاہتا کہ قریشی لیڈروں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسوؐل اللہ روزِ ازل سے قرآن کے عالم و معلم رہتے چلے آئے ہیں۔ تاکہ انہیں یہ سیاسی حربہ نہ مل جائے کہ رسوؐل اللہ پر نہ کوئی فرشتہ آتا ہے نہ وحی ہوتی ہے۔ خود رسوؐل اللہ ہی اپنے دل سے گھڑ گھڑ کر احکام و اطلاعات سناتے رہتے ہیں یہ اسی قسم کی احتیاط تھی جس کے ماتحت رسوؐل اللہ کو چالیس سال تک لکھتے پڑھتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اور اللہ نے چاہا تھا کہ مخالفت کرنے والے لوگ انہیں قطعاً ان پڑھ سمجھتے رہیں اور کوئی سیاسی حربہ استعمال نہ کر سکیں چنانچہ فرمایا تھا کہ:

> ''آپؐ قرآن کی تلاوت اور کتابت سے پہلے نہ تو قرآن کی تلاوت ہی کرتے تھے نہ قرآن کو اپنے دہنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ اور اگر تم نے ایسا کیا ہوتا تو باطل

پرست لوگوں نے تمہاری نبوت میں الجھن ڈال دی ہوتی حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے علم عطا کیا ہے ان سب کے سینوں میں قرآن کی آیات اپنی واضح ترین صورت میں روز ازل سے محفوظ ہیں۔اور ہماری قرآنی آیات کا جانا بوجھا انکار تو وہی لوگ کرتے ہیں جو خالص احکامات خداوندی کو برسرکار دیکھنا نہیں چاہتے'' (سورہ المائدہ 5/45، ظالم کے معنی) (29/48-49)

اسی قسم کی احتیاط تھی کہ قرآن میں جلدی کرنے سے منع فرمادیا گیا۔ورنہ آپؐ تخلیق کائنات سے کہیں پہلے قرآن کے عالم تھے اور آپؐ تو بنیادی حقیقت ہیں آپؐ کے تمام نوری اجزاء بھی مجسم قرآن تھے جیسا کہ آیت (29/49) میں ابھی ابھی مذکور ہوا ہے۔لیکن دانشوران قریش کی اس جماعت نے جو حضورؐ کو ان پڑھ چالیس سال تک قرآن سے جاہل اور اپنے جیسا ایک انسان ثابت کرنا چاہتی تھی آیت 20/114 پر دور از قیاس آرائیاں کی ہیں حالانکہ آیت کے الفاظ واضح اور اپنا مفہوم خود بیان کرتے ہیں ذرا فرض کرلیں کہ (معاذ اللہ) حضورؐ کو قرآن کا علم پہلے سے حاصل نہ تھا تو وہ قرآن کے ساتھ کیا اور کس قسم کی جلدی کرسکتے تھے مثلاً اگلی آیت معلوم ہی نہیں تو خاموشی کے سوا چارہ ہی نہیں۔جلدی تو وہی کرے گا جسے پہلے سے سب کچھ معلوم ہو۔جو شخص کسی بات یا کسی کام کو جانتا ہی نہیں وہ جلدی کر ہی نہیں سکتا۔لہٰذا اس آیت 20/114 کے الفاظ کا دوسرا کوئی مطلب نہیں ہے سوائے اس کے کہ آپؐ قرآن کا علم پہلے سے رکھتے تھے۔اور جلد جلد لوگوں کو (ذکر اللہ اور اپنی قوم کے حالات) سنانا چاہتے تھے تاکہ وہ جلدی سے (تعلیماتِ قرآن وقومی حالات دیکھ پرکھ اور عمل درآمد کرکے) ہدایت یاب ہوجائیں لہٰذا اللہ نے حضورؐ کو تلاوت کرنے میں جلدی کرنے سے روکا ہے۔اس آیت کی وضاحت بھی قرآن میں موجود ہے جہاں فرمایا

گیا ہے کہ:لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖO اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗO فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ Oثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ O کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَO وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَO(سورہ قیامۃ 75/16-21)

''قرآن کے ساتھ جلدی کرنے کے لئے زبان بند کرلو یقیناً اس کو کتاب کی صورت میں جمع کرنا اور پڑھواتے رہنا ہمارے ذمہ ہے۔چنانچہ جب ہم قرآن کو پڑھا کریں تو تم اسی وقت ہماری قرآت کی پیروی کیا کرو(یعنی نہ پہلے قرأت کرواور نہ بعد میں پڑھو) پھر قرآنی تفصیلات اور عملی صورت حال کی توضیحات کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ہم ہرگز یہ پابندی نہ لگاتے بلکہ تمہاری قوم کے لیڈر جلد بازی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور تاخیر کو اپنے شیرازہ کا بکھیرنے والا سمجھتے ہیں''

قریش اور ان کے استاد یہود، قرآن میں عجلت اور پوری کتاب چاہتے ہیں

وہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد پورا قرآن ان کے ہاتھوں میں پہنچ جائے تاکہ وہ قرآن کی عبارتوں میں اپنے مجتہدانہ اضافے اور ترمیمات کرکے اسلام کو سابقہ مذاہب کا خادم اور ہمنوا بنالیں سنئے ان کے مطالبات یہ ہیں:

(مودودی ترجمہ):

1۔''یہ اہل کتاب اگر آج تم سے یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ تم آسمان سے کوئی تحریر (تنزل علیھم کتبا.4/153)ان پر نازل کراؤ۔''(تفہیم القرآن جلد1 صفحہ 415)

2۔ ''یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر(تنزل علینا کتبا نقروہ... 17/93) نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں''(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 643)

قارئین ان دونوں آیات (نساء 4/153 اور بنی اسرائیل 17/93) میں یہود اور قریش پوری کتاب ایک دم چاہتے ہیں اور یہ مطالبہ خدا کو منظور نہیں ہے اس لئے جواب میں یہ فرمایا کہ:

3۔''اے پیغمبرؐ اگر ہم تمہارے اوپر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور (یہ) لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنہوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 525)

قرآن کو بے اثر و بے نتیجہ کرنے کے لئے پوری کتاب کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ یہ کون لوگ تھے؟ تعارف

اب وہ آیات آرہی ہیں جن کو ہم نے بار بار پیش کیا ہے مگر اس بار ہم ان لوگوں کے نمائندے کا ترجمہ پیش کررہے ہیں تاکہ آپ ان کی جانبداری بھی دیکھ لیں لکھتے ہیں کہ ''ظالم انسان اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا'' کاش میں نے رسولؐ کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکائے میں آ کر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی۔ شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا'' اور رسولؐ کہے گا کہ اے میرے رب، میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا دیا تھا۔ اے محمدؐ ہم نے تو اسی طرح مجرموں کو ہر نبیؐ کا دشمن بنایا ہے اور تمہارے لئے تمہارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔ منکرین کہتے ہیں ''اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟ ہاں ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں (اسی غرض کے لئے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے۔ (اور اس میں یہ مصلحت بھی ہے) کہ جب کبھی وہ تمہارے

سامنے کوئی نرالی بات یا (عجیب سوال) لے کر آئے اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقہ سے بات کھول دی'' (فرقان 25/27-33 تفہیم القرآن جلد نمبر 3 صفحہ 450-447) اس ترجمہ کی غلطیاں واضح کرنے میں وقت ضائع کئے بغیر یہ کہہ دیں کہ رسوؐل نے اپنی پوری قوم کو قرآن کے مہجور کرنے کا مجرم قرار دیا لیکن علامہ نے قوم کی بجائے ترجمے میں ''قوم کے لوگوں'' لکھا تاکہ کچھ لوگ اس جرم سے بچائے جاسکیں۔ بہرحال معلوم ہوا کہ علامہ کے راہنما عہد رسوؐل میں قرآن میں معنوی تحریف وتبدیلی کررہے تھے اور علامہ ہمارے زمانے میں اپنی طرف سے قرآن میں اضافہ کررہے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں قرآن میں یہ آیت یوں ہوتی:

(یٰربِ ان (رجالا من) قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا (25/30)

اے میرے رب, میری قوم کے کچھ لوگوں نے اس قرآن کو مہجور کر دیا۔

☆☆☆☆☆